ڈاکٹر عصمت جاوید

بنام آن کہ او نامی ندارد

اردو پر فارسی کے لسانی اثرات

ڈاکٹر عصمت جاوید

سال اشاعت : ـــ ۱۹۸۷ء

بارِ اوّل تعداد : ـــ ایک ہزار

زیر اہتمام : ـــ منوّر جہاں (ایم - اے)

ناشر : ـــ ڈاکٹر عصمت جاوید اورنگ آباد (مہاراشٹر)

طبع : ـــ مہاراشٹر پرنٹنگ اسکول سداشیو پیٹھ - پونا -

قیمت : ـــ ۷۵ ر روپئے

سرِورق : ـــ رشید اعجاز (اسباق پونا)

ملنے کے پتے

(۱) ۲۷ - ۲۲ - ۱ پھولبن، کباڑی پورہ، اورنگ آباد (مہاراشٹر)

(۲) اسباق پبلیکیشنز ۱/۲/۳ نیتا پارک - ایروڈا پونا ۴۱۱۰۰۶

(۳) مدیر آموزگار، کاشانۂ سہیل، بھوانی پیٹھ، جلگاؤں۔

یہ کتاب

فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی

(حکومت اتر پردیش، لکھنؤ)

کے مالی تعاون سے

شائع ہوئی۔

قطعۂ تاریخ لاثانی

سنہ ۱۹۸۷ء

تحفۂ مرادِ ڈاکٹر عصمت جاوید

سنہ ۱۹۸۷ء

یہ افلاکِ ہفت اور کہنہ زمیں
یہ فضلِ الٰہی یہ فکرِ متیں

یہ تصنیفِ جاوید ہے دلنشیں
یہ ثمرۂ ریاضت کا ہے بالیقیں

بہت خوں جلایا تو روشن ہوا
اندھیروں میں گویا یہ ماہِ مبیں

تصرّف کا آئینہ چمکا ہے خوب
ہوئی جس سے روشن ادب کی جبیں

اشاعت کی تاریخ رازی ہے یوں
یہی میگسارِ، سخن آفریں

سنہ ۱۴۰۷ء

نتیجۂ فکر، مخلصِ بزمِ جاوید، حکیم رازی ادیبی، لوتا

سنہ ۱۹۸۷ء

انتساب

اپنے اکلوتے بیٹے

فیصل

کے نام

پشیماں شوگرت لعلے زمیراثِ پدر خواہی
کُجا عیشِ بروں آوردنِ لعلے کہ در سنگ است

آئندہ و گذشتہ میں مجھ کو کرو تلاش
پڑھتے ہیں جس کو روز وہ اخبار میں نہیں

ڈاکٹر عصمت جاوید

فہرست مطالب

کچھ مصنّف کے بارے میں

نام :۔ عصمت اللہ
قلمی نام :۔ عصمت جاوید
پیدائش :۔ اگست ۱۹۲۳ء
مقام پیدائش ۔ پونا، مہاراشٹر
تعلیم :۔ ایم۔ اے، پی، ایچ، ڈی
پیشہ :۔ معلمی۔

عہدے

(۱) صدر شعبۂ اردو فارسی (الف) ودربھ مہاودیالیہ۔ امراوتی
(ب) اسمٰعیل یوسف کالج جوگیشوری بمبئی
(ج) گورنمنٹ کالج آف آرٹس اینڈ سائنس اورنگ آباد

(۲) نگراں پروفیسر ۔ ایم۔ اے درسیات اردو، مراٹھواڑہ، یونیورسٹی اورنگ آباد
(۳) ریسرچ گائیڈ ۔ (الف) مراٹھواڑہ یونیورسٹی اورنگ آباد (ب) شیواجی یونیورسٹی کولہاپور
(۴) پرنسپل ۔ شولاپور سوشل ایسوسی ایشن کالج برائے آرٹس، کامرس، شولاپور۔
(۵) چیرمین ۔ بورڈ برائے درسیات اردو، فارسی، عربی، مراٹھواڑہ، یونیورسٹی
(۶) چیرمین ۔ اردو لسانیاتی کمیٹی، بال بھارتی، پونا
(۷) کنونیر ۔ بورڈ برائے درسیات اردو ایچ، سی، ایس، ایس، سی، بورڈ، پونا

مضمون نگاری ۔ جن موقر ادبی رسائل میں مصنّف کے مضامین شائع ہوئے ان میں سے کچھ یہ ہیں ۔ نگار، لکھنؤ اور پاکستان، آج کل دہلی، اردو ادب علی گڈھ۔ کتاب لکھنؤ۔ شب خون الٰہ آباد، سب رس حیدر آباد، شعر و حکمت حیدر آباد، نوائے ادب بمبئی شاعر بمبئی، جواز مالیگاؤں، توازن مالیگاؤں، اسباق پونا۔

● ●

پیش لفظ

تصنیف ہٰذا جو بشکل موجودہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے دراصل میرے تحقیقی مقالے کی تلخیص ہے جس کا عنوان ہے۔ "اردو میں فارسی کے دخیل الفاظ میں تصرف کا عمل" اس مقالے پر جو مراٹھواڑہ یونیورسٹی، اورنگ آباد کو پیش کیا گیا تھا، مجھے ۱۹۷۳ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی تھی، جسے آج ۱۳ سال ہو رہے ہیں۔ اس طویل مدت میں یہ مقالہ اہل نظر اور اہل تحقیق حضرات اور عام قارئین کی نگاہوں سے اوجھل کاغذی پیرہن میں ملفوف کون جانے کس کا فریادی رہا۔ مقالہ کافی ضخیم ہے جو اگر زیور طبع سے آراستہ ہوتا تو کم سے کم چھ سو صفحات تو ضرور گھیر لیتا۔ میں نے اس عرصے میں اس مقالے کو اس کی اصل جسامت و ضخامت کے ساتھ شائع کرانے کے لیے جو کوششیں کی ہیں ان کی داستان بڑی طویل ہے، اب پرانے زخموں کو کریدنے سے کیا حاصل یوں سمجھیے کہ اس ناکامی میں میری اپنی کوتاہیاں بھی شامل تھیں۔ اس عرصے میں طباعت کے مصارف میں جو ہوشربا اضافہ ہوا ہے اس کے پیش نظر اب یہ ناممکن بھی ہو گیا ہے کہ یہ مقالہ بایں تن و توش اہل علم حضرات کے ہاتھوں میں پہنچے اور یہ اچھا ہی ہوا کیوں کہ نظر ثانی کرتے ہوئے یہ محسوس ہوا کہ اس میں بعض بحثیں ایک اعتبار سے طویل تھیں گو غیر متعلق نہ تھیں اور لسانی اصطلاحوں کی ایسی تفصیل درج تھی جو شاید اس زمانے میں تو ضروری تھی جب یہ مقالہ سپرد قلم کیا گیا تھا لیکن اب لسانیات کا علم خاصہ عام ہو چکا ہے اس لیے اب یہ تفصیل نفس مضمون کو متاثر کیے بغیر مختصر بھی ہو سکتی ہے۔ اس لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ اس مقالے کی تلخیص شائع کی جائے۔ اب اس کا عنوان بدل کر "اردو پر فارسی کے لسانی اثرات۔ تصرف کے آئینے میں" کر دیا گیا ہے۔ اس تلخیص میں وہ تمام مباحث مناسب حد تک کم کر دیے گئے ہیں جن کا تعلق "تصرف" کے لسانی عمل سے ہے یا عربی، فارسی اور اردو صوتیوں سے۔ اسی طرح وہ طویل تحتی حاشیے بھی خارج کر دیے

گئے ہیں، جن میں بعض نزاعی بحثیں ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اردو تصرفات کی نشاندہی کے سلسلے میں راقم نے جو متعدد مثالیں بے شمار کتابوں کی ورق گردانی کے بعد اکٹھا کی تھیں انھیں بھی مناسب حد تک کم کر دیا گیا ہے۔ اب یہ "عطر فتنہ" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اگرچہ دنیا کی دیگر مخلوط زبانوں کی طرح اردو میں بھی کئی زبانوں کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ وہ زبانیں جو مخلوط نہیں ان کا خزانہ بھی مال غیر سے خالی نہیں ہوتا۔ لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اردو نے ایک زبان اور صرف ایک زبان کا سب سے زیادہ اثر قبول کیا ہے اور وہ زبان ہے فارسی — یہ وہ فارسی ہے جو عربی سے اپنا خزانہ بھر چکی تھی۔ اس لیے اردو نے جہاں خود اس زبان سے بیشتر الفاظ قبول کیے وہیں اس کے راستے سے کچھ ترکی اور اکثر و بیشتر عربی الفاظ بھی اردو میں داخل ہو گئے۔ اس کتاب کے عنوان "اردو پر فارسی کے لسانی اثرات" میں فارسی سے ہماری مراد "فارسی بحت" یا "فارسی باستان" سے نہیں بلکہ اس "اسلامی فارسی" سے ہے۔ جس پر عربی کی گہری چھاپ ہے۔ اسی لیے ہم نے اس کتاب میں ان عربی الفاظ سے بھی بحث کی ہے جو فارسی سے ہوتے ہوئے ہماری زبان میں آئے ہیں۔ ایسے الفاظ اصطلاح میں مفرس عربی (PERSO-ARABIC) کہلاتے ہیں۔ ویسے اس بات کا تعین بڑا مشکل بلکہ تقریباً ناممکن کام ہے کہ کون سا عربی لفظ اردو میں براہ راست آیا اور کون سا فارسی زبان کے توسط سے، اور اگر یہ تعین ہو بھی جائے تو اس تحقیق کے نتائج لسانی نقطۂ نظر سے کوئی اہمیت نہیں رکھیں گے۔ اس سلسلہ میں راقم نے مندرجہ ذیل لسانی اصول کو رہنما بنایا ہے۔

کسی عربی لفظ کے فارسی کے توسط سے آنے کی ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ "عمل تفریس" سے گزرا ہوا ہوتا ہے۔ اس لیے ہر وہ عربی لفظ جو ممکن ہے فارسی کے لفظی خزانے میں ڈھونڈنے سے نہ ملے اور اردو میں موجود ہو نیز اور ساتھ ہی ساتھ "عمل تفریس" سے گزرا ہو تو وہ ہمارے نقطہ نظر سے عربی نہیں بلکہ "مفرس عربی" ہے۔ فارسی کے دخیل عربی الفاظ میں تفریس کا عمل صوتی بھی ہوا ہے اور صرفی۔ نحوی کے ساتھ ساتھ معنوی بھی۔ جہاں تک اس عمل کے صوتی پہلو کا تعلق ہے شاید ہی کوئی عربی دخیل لفظ اس عمل سے بچا ہو۔ ہم جانتے ہیں کہ عربی میں ایسے بہت کم اسماء و صفات ہیں جو منوّن نہ ہوں۔ مثلاً "رَجُلٌ" - "طَیِّبٌ" - "شَاعِرٌ" - "عَالِمَۃٌ" - "طَائِفَۃٌ" - "زَکٰوۃٌ" -

انسانٌ - درسٌ وغیرہ ۔عربی میں یہ الفاظ صرف خاص خاص نحوی اور صرفی صورتوں میں غیر منوّن ہوتے ہیں لیکن ایرانیوں کے لسانی مزاج نے ان تمام دخیل الفاظ سے بلا استثنا تنوین حذف کرکے آخری آواز کو مصوتے سے محروم کر دیا یعنی آخری متحرک حرف کو ساکن کر دیا۔ اب یہ ایرانیوں کا مال ہو گیا اس طرح یہ تمام الفاظ مفرس عربی کے ذیل میں آ گئے۔ اسی لئے ہم نے تصنیف ہٰذا میں ان عربی الفاظ کو فارسی دخیل الفاظ میں شامل کیا ہے اور امتیاز کے لئے انھیں مفرس عربی لکھا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ جہاں بھی ضرورت محسوس کی گئی فارسی اور مفرس عربی الفاظ کو ایک دوسرے سے ممتاز کرکے بحث کی گئی ہے۔

یہاں یہ بات احتیاطاً بتا دینا مناسب ہے کہ ہماری بحث کا موضوع صرف زبان تک محدود ہے۔ اس میں ادبیات شامل نہیں۔ اس لیے اگر وہ حضرات جو تصنیف ہٰذا میں اردو ادب پر فارسی ادب کے اثرات کا ذکر نہ پاکر مایوس ہوں تو اس مایوسی کی ذمہ داری ان کی اپنی ہوگی۔

چونکہ تصنیف ہٰذا میں اردو پر فارسی کے لسانی اثرات کی بحث تصرف کے حوالے سے کی گئی ہے اس لئے 'ابتدائیہ' میں عمل تصرف سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اور باب اول' میں زبانوں میں عمل عاریت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ 'باب دوم' میں 'اردو میں مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ کا تاریخی پس منظر بیان کیا گیا ہے۔ اور تاریخی تناظر میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس طرح فارسی اور مفرس عربی الفاظ بتدریج اردو میں داخل ہوتے گئے' اور آخر میں ان دخیل الفاظ کے زیر اثر کس طرح کھڑی بولی ایک آزاد اور جداگانہ روپ اختیار کرکے "اردو" بنی بحث کا یہ حصہ ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے' اگر وہ کھولنا چاہیں جو یہ ثابت کرنے پر اپنا پورا زور صرف کرتے ہیں کہ اردو ہندی کی شیلی ہے۔ باب سوم میں دخیل الفاظ کا تجزیۂ لفظی کیا گیا ہے۔ تجزیۂ لفظی میں الفاظ کے رد و قبول کے سلسلے میں اردو کے لسانی مزاج کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے اور اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ اردو نے فارسی سے کیا قبول نہیں کیا۔ 'باب چہارم' میں عربی' فارسی اور اردو کے مشترک صوتیوں سے بحث کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اردو نے مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ قبول کرنے کے بعد ان میں کیا کیا صوتی تبدیلیاں کیں۔ یہ صوتی تغیرات مصوتوں اور مصمتوں دونوں میں ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کا جائزہ الگ الگ لیا

گیا ہے۔ یہ بحث فارسی اور عربی کے اردو تلفظ کے سلسلے میں کافی اہم ہے اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ صوتی تصرفات کے سلسلے میں اردو کی ترکتاز کہاں تک ہے، اس معاملے میں اردو اس قدر آگے نکل گئی ہے کہ اب عربی یا فارسی کی دہائی دیکر اسے ان زبانوں کی غلامی پر رضامند کرنا نا ممکن ہے۔ باب پنجم میں صرفی و نحوی تصرفات سے بحث ہے۔ نحوی تصرفات کا ذکر صرف مرکب سازی کے سلسلے میں کیا گیا ہے۔ باب پنجم میں معنوی تغیرات کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اردو میں ہمارے نقادوں اور ادب کے مورخوں نے عمل تصرف کی طرف واضح اشارے کیے ہیں۔ انشا نے دریائے لطافت میں، محمد حسین آزاد نے مقدمہ آب حیات و سخندانِ فارس میں، پنڈت کیفی نے کیفیہ اور منشورات میں اور سید سلیمان ندوی نے نقوش سلیمانی کے بعض مضامین میں عمل تصرف پر روشنی ڈالی ہے۔ جس کا اجمالی خاکہ ہم نے "ابتدائیہ" میں پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ سلیم پانی پتی نے اپنی تصنیف وضع اصطلاحات میں ان مرکبات کی بھی کئی مثالیں دی ہیں جن کا ایک جزو فارسی یا عربی اور دوسرا اردو (یا ہندی) ہے۔ مولوی عبدالحق نے "اردو میں دخیل الفاظ" نامی مضمون میں عمل عاریت کے تاریخی، معاشرتی اور ثقافتی اسباب سے بحث کرتے ہوئے۔ اردو کے مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ کا بھی سرسری جائزہ لیا ہے۔ اسی طرح "اردو اور ہندی کا لسانیاتی رشتہ" میں ڈاکٹر گیان چند جین نے اردو تصرفات کا ضمناً تذکرہ کیا ہے۔ لیکن کچھ تالیفات ایسی بھی ہیں جن میں اس موضوع پر نسبتاً زیادہ شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان میں سرگزشت الفاظ (احمد دین)، قاموس الاغلاط (مولانا سید مختار احمد و مولانا ذہین) تصرفات اردو (ادیب حیدرآبادی) اور صحت زبان (شیام موہن لال جگر بریلوی) قابل ذکر ہیں۔ سرگزشت الفاظ میں لفظوں کے معنوی تغیرات کو جن میں عربی و فارسی کے چند الفاظ بھی شامل ہیں۔ صرف تاریخی و ثقافتی پس منظر میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا خاکہ پادری ٹرینچ کی کتاب مطالعۂ الفاظ کے طرز پر تیار کیا گیا ہے اور بقول مولف "اس پیش کش میں مطالعۂ الفاظ کا طرز بیان بھی قائم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے اور جہاں تک ممکن تھا پادری صاحب موصوف کے سلسلہ تحریر کو ہاتھ سے

نہیں دیا۔ البتہ انگریزی، فرانسیسی اور لاطینی الفاظ کے بجائے اردو، ہندی، فارسی اور عربی کے الفاظ منتخب کیے گئے ہیں۔ اس کتاب میں جا بجا محمد حسین آزاد کی تحقیقات سے استفادہ کیا گیا ہے اور مولف نے حق شاگردی ادا کرتے ہوئے ۔۔ کیوں کہ وہ بقولِ خود مولانا آزاد کے شاگرد تھے ۔۔ انھیں کا طرز اڑانے کی کوشش بھی کی ہے۔ اس کتاب میں معنوی تغیرات کے صرف چند اہم پہلوؤں کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ ان میں نہ تو کوئی منطقی تسلسل نظر آتا ہے اور نہ معنوی ربط۔ قاموس الاغلاط میں منفی رویہ اختیار کیا گیا ہے۔ یعنی ان تمام تصرفات کو جو زیادہ تر مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ کے اردو تلفظ کے سلسلے میں روا رکھے گئے ہیں۔ غلط قرار دینے کی مضحکہ خیز کوشش کی گئی ہے۔ جناب ادیب حیدرآبادی اور جگر بریلوی نے مثبت رویہ اختیار کر کے اردو تصرفات کا خیر مقدم ضرور کیا ہے۔ لیکن ان دونوں کی تالیفات تصرفات اردو اور صحت زبان میں موضوع کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی ہے۔ مثبت یا منفی رویے سے قطع نظر، اس موضوع پر اب تک جو کچھ کام ہوا ہے وہ اگر ایک طرف سرسری اور سطحی ہے تو دوسری طرف بہ "طریقہ" راسخہ قدما"۔ مثلاً تصرفات اردو میں اردو تصرفات کی لسانی اصولوں کی روشنی میں نہ تو توجیہہ کی گئی ہے اور نہ درجہ بندی۔ اس کے علاوہ قاموس الاغلاط اور تصرفات اردو میں مفرس عربی الفاظ میں کیے گئے ایرانی تصرفات کا سہرا بھی اردو کے سر باندھا گیا ہے۔ حالاں کہ اردو نے یہ تصرفات فارسی سے عن و عن قبول کیے ہیں اور خود بھی ان میں یا دوسرے مفرس عربی الفاظ میں جنھیں ایرانی فارسی نے جوں کا توں قائم رکھا۔ مزید تصرفات کیے ہیں۔ ان سبھوں میں جب تک حدِ فاصل قائم نہ کی جائے، اردو تصرفات کے دائرہ اثر کا صحیح صحیح اندازہ لگایا نہیں جا سکتا۔ اس کے علاوہ مفرس عربی و فارسی الفاظ میں ہندوستانی فارسی نے بھی تصرفات کیے ہیں۔ ہندوستانی فارسی کا اردو سے براہ راست تعلق تھا۔ اردو نے ایرانی فارسی سے نہیں بلکہ ہندوستانی فارسی سے استفادہ کیا ہے۔ اس نازک مگر اہم فرق کو بھی ان تالیفات میں نظر انداز کیا گیا ہے۔ ان میں صوتی تغیرات کو صرف تلفظ تک محدود رکھا گیا ہے اور معنوی تغیرات کی ان کی نہ تو نوعیت کے اعتبار سے درجہ بندی کی گئی ہے اور نہ ان تغیرات کے اسباب کا کھوج لگانے کی کوشش کی گئی ہے۔ نقوش سلیمانی کے چند

مضامین میں سید سلیمان ندوی نے معنوی تغیرات کو اپنی توجہ خاص کا مرکز ضرور بنایا ہے لیکن انھوں نے بھی اکثر معرب عربی دخیل الفاظ میں ایرانی تصرفات کو اردو تصرفات قرار دیا ہے۔

اس سلسلے میں فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں مرتبہ ظفر الرحمٰن دہلوی کا ذکر بے محل نہ ہوگا جو سات جلدوں میں چھپی ہے۔ ہمارے نقطہ نظر سے اس فرہنگ کی اس لیے اہمیت ہے کہ اس کی بنیاد بول چال کی زبان پر رکھی گئی ہے اور مؤلف نے محنت شاقہ کے بعد پیشہ وروں کی اصطلاحات یکجا کی ہیں۔ جو اصطلاحیں فارسی یا معرب عربی الفاظ کی مدد سے وضع ہوئی ہیں وہ اردو تصرفات کے ذیل میں آتی ہیں اور ہم نے حسب موقع اس فرہنگ سے استفادہ کیا ہے۔ اس فرہنگ میں الفاظ کے ماخذوں سے بحث نہیں ہے۔ یہ بحث اس کے اغراض و مقاصد میں بھی شامل نہیں ہے۔ پھر بھی اکثر مقامات پر جہاں مولف نے اس قسم کی کوشش کی ہے اُن سے سہو بھی ہوا ہے مثلاً وہ جلد ہفتم صہ۱۰ پر لفظ 'چاکر' کا ماخذ 'چاک' بمعنی پہیہ بتاتے ہیں۔ حالانکہ چاکر بمعنی نوکر فارسی لفظ ہے۔ لفظ 'دکان' کے متعلق اسی جلد کے صفحہ ۳۴ پر لکھتے ہیں کہ یہ یونانی لفظ کا اردو تلفظ ہے حالانکہ دکان فارسی ہے اور دہیں سے عربی میں جاکر دکّان بنا۔ (دیکھیے لغت جدیدہ مرتبہ سید سلیمان ندوی صہ۲۵۲) ظاہر ہے کہ یہ لفظ فارسی ہی سے اردو میں آیا ہے۔ انھوں نے لفظ 'ہرس' بمعنی کاشت کار کا ماخذ نہیں بتایا۔ یہ لفظ عربی "حارث" (بمعنی کاشت کار) کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ لفظ 'بخاری' کی وجہ تسمیہ مولف کے الفاظ میں یہ ہے "کوٹھی — بخاری دراصل بکھوائی یعنی دیوار کے پاکھے کے اندر خانہ داری کا معمولی سامان رکھنے کو بنائی ہوئی جگہ کا بگاڑا ہوا ہے جو مسلمان کاریگروں میں زبان زد ہوکر عام فہم ہوگیا ہے۔ (صہ۱۰۴ جلد اول) ... کوٹھی کو مسلمان 'بخاری' اور ہندو 'بکھاری' کہتے ہیں۔ جو دراصل لفظ پاکھے سے بگڑ بگڑا کر 'بخاری' اور 'بکھاری' بن گیا ہے۔ (صہ۱۴۶ جلد اول) حقیقت یہ ہے کہ 'بخاری' کا 'بکھوائی' سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ لفظ بخاری کی تعریف سراج الدین علی خاں آرزو نے نوادر الالفاظ میں اس طرح کی ہے۔

"بخاری ظاہراً ہماں ست کہ در ولایت سردسیر برائے افروختن آتش و گرم کردن خانہ درمیان دیوار خانہ سازند و مشہور است و بمشابہت آں جای مذکور را در ہندوستان بخاری گویند۔"

ممکن ہے ہندوستان میں ایرانی طرز کے مکانات میں دیوار میں آتشدان کے لیے اسی طرح "خانہ" بناتے ہوں گے لیکن گرم ملکوں میں جیسا کہ ہندوستان ہے آتشدانوں کی خاص ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لیے ممکن ہے اس میں دوسری چیزیں رکھی جانے لگی ہوں گی لیکن نام باقی رہا۔ اس فرہنگ میں اس طرح کی اور بھی بہت سی غلطیاں ہیں لیکن اس کے باوجود یہ فرہنگ اردو میں ایک بڑی اور دیرینہ ضرورت کی تکمیل کرتی ہے اور مولف کی محنت اور خدمت کو نہ سراہنا صرف ناسپاسی بلکہ ناقابل عفو جرم ہوگا۔

ان تالیفات سے قطع نظر عمل تصرف کے سلسلے میں اب تک جتنی بھی تھوڑی بہت مثالیں پیش کی گئی ہیں انھیں ایک ہی سانس میں گنا دیا گیا ہے اور نوعیت کے اعتبار سے ان مثالوں کی درجہ بندی کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی گئی ہے۔ پھر یہ مثالیں اس قدر کم ہیں کہ ان کی روشنی میں اردو کی زبردست قوت تصرف کا ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ غرض اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ اس موضوع کے تمام پہلوؤں سے پوست کندہ بحث کی جاتی اور اردو کے مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ میں تصرف کے پھیلاؤ اور گہرائی دونوں کا جائزہ لسانیات کی روشنی میں لیا جاتا۔

اس کتاب میں پہلی بار اشتقاقی اور تصریفی لاحقوں میں فرق کیا گیا ہے اور مشتقات اور مرکبات میں حد فاصل قائم کر کے ان سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ معنوی تصرفات کے سلسلے میں ان تغیرات کو الگ کر لیا گیا ہے اول (الف) جو عربی دخیل الفاظ میں ایرانی فارسی نے کیے اور جنھیں اردو نے جوں کا توں قبول کر لیا۔ (ب) جو عربی و فارسی دخیل الفاظ میں ہندوستانی فارسی نے کیے۔ دوم (الف) جو عربی دخیل الفاظ میں صرف اردو نے کیے اور (ب) جو فارسی الفاظ میں ہندوستانی فارسی کے علاوہ اردو نے کیے۔ اس حد بندی کے سلسلے میں جو مشکلات پیش آ سکتی ہیں اور اس راہ میں جو پوشیدہ گڑھے ہیں ان سے بچنا کس قدر مشکل کام ہے وہ اہل علم پر ظاہر ہے۔ اس سلسلے میں راقم نے یہ اصول پیش نظر رکھا ہے کہ وہ فارسی الفاظ جو کسی ایسی فرہنگ میں نہ پائے جائیں جن کے مرتب کرنے والے ایرانی نژاد ہیں، انھیں ہندوستانی فارسی یا پھر اردو کی دین سمجھا جائے۔ اس باب میں ہندی نژاد فرہنگ نویسوں کو مستند نہ سمجھا جائے۔ اس راہ میں راقم نے سراج الدین علیخاں

کے لیے مخصوص ہیں اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج تک کسی عالم یا محقق یا عالموں اور محققوں کی کسی جماعت یا ادارے نے اس کی طرف توجہ نہیں کی ہے۔

اردو میں تلفظی انتشار کی ایک بڑی وجہ تو اس کا اپنا رسم الخط ہے جس میں اعراب کے استعمال کا چلن نہیں اس لیے املا سے اصل تلفظ کا اظہار نہیں ہوتا۔ سجاد حیدر یلدرم نے بالکل صحیح کہا ہے کہ:

"ہمارے رسم الخط پر یہ الزام ہے کہ اس میں جو عبارت لکھی جاتی ہے اس کے صحیح پڑھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ پڑھنے والا عبارت کے الفاظ کے صحیح تلفظ سے پہلے سے واقف ہو ورنہ 'ملک' کو وہ 'مَلَک'، 'مِلک'، اور 'مُلک' پڑھ سکتا ہے۔ اعتراض بالکل صحیح ہے اور اسی کے رفع کرنے کے لیے اعراب ایجاد کیا گیا اگرچہ ہم نے اس ضروری چیز کا استعمال بالکل چھوڑ رکھا ہے اور اس کی وجہ سے اچھے پڑھے لکھے آدمی عبارت کے پڑھنے میں غلطیاں کرتے ہیں۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ لفظ کے ہر حرف پر قرآن کریم کی آیتوں کی طرح اعراب لگائے جائیں نہ اس کی ضرورت نہ مہلت ہے۔ مگر ان حرفوں پر لگا دینے سے جنھیں تلفظ کی کنجی کہنا چاہیے عبارت کے صحیح پڑھنے میں مدد ملے گی"۔[1]

تلفظ کے اس انتشار کو دور کرنے کے لیے موصوف کا مشورہ ہے کہ:

"ہماری مطبوعہ کتابوں میں اعراب زیر، زبر، پیش کا استعمال زیادہ ہونا چاہیے"۔[2]

لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ بنیادی سوال یہ ہے کہ تلفظ کی صحت کا معیار کیا ہو۔ راقم کی نظروں میں اردو میں تلفظی انتشار کی سب سے نمایاں وجہ مفرس، عربی و فارسی دخیل الفاظ کا اردو تلفظ ہے جو اردو لفظیات کا حصہ بن گئے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے 'ابتدائیہ' میں بتایا ہے۔ ہماری زبان میں آج بھی عربی و فارسی جاننے والوں کا ایک ایسا گروہ ہے۔ جو اس طرح کے دخیل الفاظ کے اس تلفظ

---

[1] خطبۂ صدارت ہندوستانی اکیڈمی مارچ ۱۹۳۸ء منقول از نگار نندی سید سجاد حیدر یلدرم نمبر صفحہ ۱۰
[2] ایضاً

پر زور دیتا ہے۔ جو عربی یا فارسی میں ہے۔ اور اردو تلفظ کو جہالت سے تعبیر کر کے ناک بھوں چڑھاتا ہے اور اپنے دعوے کے جواز میں لغات کشوری، فرہنگ عامرہ، بلکہ فرہنگ آصفیہ اور نور اللغات سے سند لا کر اپنی ہمہ دانی کی دھاک بٹھانا چاہتا ہے۔ ان کے اس غلط عالمانہ موقف کا تفصیلی ذکر آپ کو 'ابتدائیہ' میں ملے گا۔ میں یہاں اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ اس انتشار کو دور کرنے کے لیے کوئی علمی یا تحقیقی ادارہ ایسی لغت مرتب کرے جو صرف تلفظ کے لیے مختص ہو جیسے انگریزی میں ڈینیل جونس (DANIEL JONES) کی

EVERYMAN'S ENGLISH PRONOUNCING DICHTIONARY

ہے جو پہلی بار ۱۹۱۷ء میں شایع ہوئی تھی۔

اس طرح کی لغت صرف مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ پر مشتمل ہو اور ان الفاظ پر بھی جو اہلِ اردو نے عربی یا فارسی یا دونوں کی مدد سے بنالیے ہیں۔ ایک کالم میں ان الفاظ کا اصل تلفظ درج ہو اور دوسرے کالم میں اردو تلفظ۔ الفاظ کے معنی نہ دیے جائیں۔ جب تک کہ تلفظ کے معمولی فرق سے ایک لفظ کے معنی نہ بدل لیتے ہوں۔ ان الفاظ کا صحیح اردو تلفظ متعین کرنے کے لیے صرف ان لوگوں کو سوالنامے بھیجے جائیں۔ جو عربی یا فارسی کے عالم نہ ہوں بلکہ عربی یا فارسی کی واجبی سی معلومات رکھتے ہوں اور اردو جن کی مادری زبان ہو۔ سوالناموں کے علاوہ فیلڈ ورک بھی کرنا ضروری ہے۔ اگر کسی لفظ کے ایک سے زائد تلفظ پائے جائیں تو اس تلفظ کو پہلے درج کرنا ہوگا جو زیادہ سے زیادہ رائج ہو۔ اگر کسی لفظ کا عوامی تلفظ ہو تو اسے بھی سوقیانہ یا عامیانہ کہنے کی بجائے "کم معیاری" کہہ کر لغت میں درج کرنا چاہیے۔ تلفظ کے اظہار کے لیے فتحہ، کسرہ اور ضمہ جیسی اصطلاحوں سے گریز کر کے انھیں الفاظ میں اس طرح لکھنا چاہیے۔ جس طرح فرہنگ عامرہ میں لکھا گیا ہے مثلاً بالکل (بِل کُل) عامۃ الناس (آ مَ تُن ناس) وغیرہ

ایسی لغت کی تدوین جس میں اردو تلفظ کو سند کا درجہ دیا جائے وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اگر اس سلسلے میں تصنیف ہذا محمد ثابت ہو تو اردو زبان کی خدمت کی ایک نیکی ہمارے نامۂ اعمال میں لکھی جائے گی۔ ہاں اس بات کا خیال رہے کہ ہم نے اس تصنیف میں جو صوتی و معنوی تصرفات کی مثالیں دی ہیں وہ کسی طرح بھی کامل (EXHAUSTIVE) نہیں ہیں۔ تلفظ کی لغت کی تدوین

کے سلسلے میں ان میں صدہا مزید مثالیں شامل کرنی ہوں گی۔

بہرحال آئندہ صفحات کے مطالعے سے آپ کو اردو کی حیرت انگیز تصرفی قوت کا اندازہ ہوگا جس وقت میں نے تحقیق کا یہ کام اپنے ذمے لیا تھا۔ اس وقت خود مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اردو میں عربی و فارسی الفاظ کو اپنے لسانی مزاج کے مطابق ڈھالنے کی اس حد تک صلاحیت موجود ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس میں یہ بھی صلاحیت موجود ہے کہ وہ عربی اور فارسی الفاظ کی مدد سے ایسے نئے نئے الفاظ بھی وضع کرے جن کا وجود نہ تو عربی میں ہے اور نہ فارسی میں۔ اس بات کا کون آسانی سے یقین کرے گا کہ پرستان (تلفظ پرس تان) آتشبازی، رسید، روشندان، سیاہی (بمعنی INK) دست (بمعنی اجابت) پرسہ اور دمہ جیسے متعدد الفاظ جو یا تو خالص فارسی الاصل مفرد الفاظ ہیں یا ایسے مرکبات جن کی تعمیر میں خالص فارسی مواد صرف ہوا ہے۔ فارسی نہیں بلکہ خالص ایسے اردو الفاظ ہیں جن سے اہل فارس مطلق واقف نہیں ہیں۔ اور معنوی دنیا تو آپ کو اور بھی حیرت انگیز نظر آئے گی جس میں آپ کو امیر غریب، اضطراب، اشتہار، عروس، محرر، دلیل، تساہل، مکان، گلاب، عدالت، تراہی، نہتر، تصور، حتیٰ کہ خط اور لفافہ جیسے صدہا الفاظ ملیں گے جو اپنے موجودہ اردو معنوں میں اہل عرب اور اہل فارس کے لیے اجنبی اور نا قابلِ فہم ہیں۔ اس صورت حال میں کیا اب بھی کوئی اردو کو ایک آزاد اور خود مختار زبان سمجھنے کے بجائے عربی و فارسی دخیل الفاظ کی سند کے لیے طہران اور مکہ کی طرف دیکھے گا؟ اردو اور فارسی ایک ہی خاندان السنہ، ہندیورپی خاندان سے تعلق رکھنے کی بنا پر اول الذکر صرف فارسی سے متاثر ہوئی ہے عربی سے نہیں جو سامی خاندان کی زبان ہے۔ فارسی اور عربی سے نئے نئے الفاظ قبول کرنے کے سلسلے میں سجاد حیدر یلدرم نے کیا خوب بات کہی ہے۔

"میں نے ایک اصول قائم کیا ہے۔ یا یوں کہیے کہ یہ میرا ایک نظریہ ہے۔ عربی کے جو الفاظ فارسی کے ذریعے سے ہم تک پہنچے ہیں۔ اردو انھیں ہضم کر لیتی ہے۔ مگر جو الفاظ براہ راست عربی سے لیے جاتے ہیں اردو کا معدہ انھیں قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔" [1]

تصرفاتِ اردو مولفہ ادیب حیدرآبادی کے مقدمہ میں ڈاکٹر مسعود حسین خاں لکھتے ہیں:

---

[1] خطبہ صدارت: ہندوستانی اکیڈیمی مارچ ۱۹۳۰ء منقول از پگڈنڈی سید سجاد حیدر یلدرم نمبر صفحہ ۱۲۲

"اگر تالیف ہٰذا کسی دوسرے علمی سرپھرے کو اس دشت کی سیاحی کے لئے برانگیختہ کر سکی تو میں یقیناً کہوں گا کہ میر صاحب کار ے کردی"

اس تالیف سے تو نہیں البتہ تفحص الفاظ کی لگن سے مجبور ہو کر ہم نے اس دشتِ پرخار میں قدم رکھنے کی جسارت کی ہے اور ان دشوار گذار راہوں سے پہلی بار گزرنا چاہا ہے، جنھیں اب تک کوئی نقشِ پا نہیں ملا تھا۔ اگر ہماری ٹھوکریں بھی راستہ صاف کر سکیں اور ہماری گم کردہ راہی صحیح منزل کا نشان متعین کرنے میں ممد ثابت ہو سکی تو ہمیں یقین ہے کہ ہماری یہ کوشش رائگاں نہیں سمجھی جائے گی۔

آخر میں شکریے کا خوشگوار فرض ادا کرنا ہے۔

میں اپنے ان تمام دوستوں، چاہنے والوں کا شکریہ فرداً فرداً تو ادا نہیں کر سکتا جنھوں نے اس تحقیقی مقالے کی اشاعت میں دلچسپی لی البتہ حکیم رازی ادیب نذیر فتحپوری مدیر اسباق پونا، رشید امتیاز، بشیر احمد انصاری اور اکبر رحمانی کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں، یہ حضرات اگر اس کتاب کی طباعت و اشاعت میں دلچسپی نہ لیتے تو آج یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں نہ ہوتی۔

مجھے امید ہے کہ یہ کتاب ہندوستان کی ہر اس کالج لائبریری اور یونیورسٹی لائبریری کی زینت ہی بن کر نہیں رہے گی جہاں اردو اعلیٰ سطح پر پڑھائی جاتی ہے بلکہ اردو اور اس کی سب سے بڑی محسن زبان فارسی کے باہمی لسانی رشتے میں تحقیقی دلچسپی رکھنے والے طالب علموں اور ریسرچ اسکالروں کے لئے مشعل راہ کا کام بھی دے گی کہ

اک بوند بھی بہت ہے اگر کچھ اثر کرے

عصمت جاوید عفی عنہٗ

ابتدائیہ

عملِ تصرف

زبان ایک انتہائی پیچیدہ عمل ہے جس کی نوعیت ذہنی بھی ہے اور طبیعی بھی،
نفسیاتی بھی ہے اور ثقافتی و سیاسی بھی۔ چونکہ زبان اپنے وجود کے لیے انسان کی محتاج
ہوتی ہے۔ اس لیے حالات کے مطابق بدلتے ہوئے انسان کے ساتھ ساتھ وہ بھی بدلتی رہتی
ہے۔ یوں تو اس کے صوتی صرفی اور معنوی تغیرات کی داستان بڑی پیچ در پیچ ہے۔ لیکن اس میں
تبدیلی کا ایک واضح اور اہم سبب عاریت (BORROWING) ہے۔ جب ایک زبان دوسری
زبان سے ربط میں آتی ہے تو ان دونوں میں الفاظ کا لین دین ہوتا ہے۔ لیکن یہ لین دین
اتنا سادہ نہیں ہوتا کہ چیزوں کی طرح لفظوں کو ادھر ادھر رکھ دیا۔ مستعار الفاظ کسی زبان کی
لفظی فہرست میں بے جان اضافہ نہیں ہوتے ایسا سمجھ لینا اس مسئلے کو ضرورت سے زیادہ
آسان قرار دینا ہے۔ ہر زبان کا اپنا صوتیاتی نظام (PHONETIC SYSTEM) ہوتا ہے
اپنے صرفی و نحوی اصول ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر زبان کے الفاظ اُس کے عضویاتی کُل کا حصہ
ہونے کی حیثیت سے اسی زبان کے صوتی رجحانات صرفی و نحوی اصول اور ذہنی میلانات
کے پابند ہوتے ہیں۔ جب اس زبان کا کوئی لفظ الفاظ یا فقرے دوسری زبان کی قلمرو میں داخل
ہوتے ہیں تو انھیں ایک بالکل نئی اور اجنبی فضا سے واسطہ پڑتا ہے اور اس عالم میں انھیں
استعمال کرنے والا ایک ایسا اجنبی ہوتا ہے جس کی اپنی مادری زبان کی اپنی جداگانہ صوتیات
مختلف صرفی و نحوی اصول اور خود اس کے اپنے سوچنے کا انداز مختلف ہوتا ہے۔ ایسی صورت
میں ان نئے دخیل الفاظ کو اپنی زبان کی امتیازی خصوصیات سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔ اور

ان نئے رجحانات کا نمائندہ بننا پڑتا ہے جو اس نئی زبان کے جملہ الفاظ مجموعی طور پر ایک عضویاتی کل کی حیثیت سے ظاہر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب الفاظ ایک زبان سے دوسری زبان میں داخل ہوتے ہیں تو ان زبانوں کی باہمی قربت یا دوری کے تناسب میں اپنا چولا بدلتے ہیں یہی نہیں بلکہ بعض صورتوں میں ان کی قلب ماہیت بھی ہو جاتی ہے۔ ان دخیل الفاظ کی حیثیت متوطن (NATURALISED) شہریوں کی سی ہو جاتی ہے۔ جنھیں اپنے اختیار کردہ نئے ملک کے قوانین کا پابند ہو کر رہنا پڑتا ہے۔ ہر دخیل لفظ کی تاریخ مابعد اس نئی زبان کی تاریخ کا حصہ بن جاتی ہے جس میں وہ قبول کیا جاتا ہے۔ دخیل الفاظ میں اپنی صوتی، صرفی اور معنوی تبدیلیوں کو اصطلاح میں "تصرف" کہا جاتا ہے۔ تصرف (فی الامر) کے لغوی معنی ہیں۔ "کسی کام میں ہاتھ ڈالنا"، لیکن اردو میں یہ لفظ خود تصرف کے عمل سے گزر کر قبضہ اور رد و بدل کے معنوں میں استعمال ہونے لگا ہے۔ اصطلاح میں تصرف کے معنی ہیں ایک زبان کا دوسری زبان کے کسی لفظ کو قبول کرتے ہوئے اسے اپنے صوتی صرفی اور معنوی رجحانات کا اس طرح پابند بنانا کہ وہ اس زبان کا جزو بن جائے اور اس میں اس حد تک تبدیلی یا تبدیلیاں پیدا ہوں کہ وہ اصل زبان میں بایں ہیئت کذائی ناقابل قبول ہو۔

اردو ہی پر موقوف نہیں دنیا کی ہر وہ زبان جس میں غیر زبانوں کے الفاظ پائے جاتے ہیں تصرف کرتی رہتی ہے۔ ہم "تفریس" اور "تعریب" جیسی اصطلاحوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اردو میں اس عمل کو "تہنید" یا پنڈت دتاتریہ کیفی کی اصطلاح میں "تارید" کہتے ہیں۔ بقول کیفی:

> "تصرف کے اس نظام کو میں 'تارید' کہتا ہوں اور جس لفظ میں تصرف کیا جائے اسے "مورّد"..... جب ایک لفظ "تارید کے عمل سے مورّد ہو گیا پھر وہ لفظ اردو کا ہے۔ اپنے ماخذ سے اب اسے کوئی تعلق نہیں رہا۔ تلفظ صرفی حیثیت، معنی، استعمال کا موقع ان سب باتوں میں وہ اردو کے قاعدے اور رواج کا پابند ہو گیا۔"[1]

---

[1] کیفیہ، کراچی ایڈیشن ۱۹۵۰ء صفحہ ۱۱

تصرف غیر شعوری فطری عمل ہے۔ اس کا اثر و نفوذ ان لوگوں میں زیادہ ہوتا ہے ۔ جو "یک زبانیے" (UNILINGUAL) ہوتے ہیں اور اس مخرجی زبان (SOURCE LANGUAGE) سے بالکلیہ نابلد ہوتے ہیں۔ جس سے نئے الفاظ ان کی شخصی بولیوں (IDIOLECTS) میں فرداً فرداً اپنے ہم زبانوں کے ذریعہ داخل ہوتے ہیں اور پھر اس قدر عام ہو جاتے ہیں کہ ان کے لسانی گروہ کی زبان کا ـــ جو دراصل شخصی بولیوں کا اوسط ہوتی ہے ـ حصہ بن جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جاہلوں اور جاگیردارانہ اصطلاح میں پست کہلائے جانے والے طبقوں کی زبان درست نہیں ہوتی۔ قطع نظر اس کے کہ ان کی زبان پر "غیر ثقہ" اور فحش کلمات چڑھے ہوتے ہیں اور تو تکار عام ہوتی ہے، معیاری لہجے کے لحاظ سے ان کا شین قاف تک درست نہیں ہوتا۔ یعنی تلفظ غلط ہوتا ہے تلفظ کی یہ نام نہاد غلطی پڑھے لکھے مہذب طبقے کو بالعموم ان دخیل الفاظ میں نظر آتی ہے۔ جنھیں صرف مخرجی زبان کی صوتیات و معنیات کی رعایت سے غلط قرار دیا جا سکتا ہے۔ اکثر الفاظ ان کی شستہ و رفتہ زبان کے معیار پر بھی پورے نہیں اُترتے۔ جہلا کی ان غلطیوں سے اجتناب کرنے والے وہ لوگ ہوتے ہیں جو معیاری زبان بولتے ہیں۔ زبانوں کا یہ اختلاف دراصل معاشرتی طبقوں کا اختلاف ہے۔ تصرف تو وہ فطری عمل ہے جو غیر مہذب گفتگو میں بھی ہوتا ہے اور مہذب گفتگو میں بھی، فرق صرف اس قدر ہے کہ غیر مہذب گفتگو میں تصرف کا عمل شدید ہوتا ہے اور مہذب گفتگو میں اس کی رفتار قدرے سست ہوتی ہے۔ اگر مہذب گفتگو کے تصرفات یا انحرافات کو طبقہ اشرافیہ (ARISTOCRACY) جس میں کسی زمانے میں شاہی خاندان شامل ہوتا تھا لیکن جو عصر جدید میں تیزی سے ناپید ہو چلا ہے، کی سند بھی حاصل ہو تو ان کی پیروی فخر کے ساتھ کی جاتی ہے اور اس بات کو اپنی زبان کی برتری کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ لفظوں میں توڑ پھوڑ بچے بھی کرتے ہیں۔ لیکن بالغوں کی زبان میں توڑ پھوڑ قابل قبول نہیں ہوتی اس لیے انھیں تصرف کے ذیل میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ بعض لوگ رو میں کوئی لفظ غلط بھی بول جاتے ہیں، لیکن جو ذاتی ہوتا ہے اور اکثر صورتوں میں درست بھی کر لیا جاتا ہے، تصرف کہلانے کا مستحق نہیں، تصرف کے لیے ضروری ہے کہ اس میں عمومیت ہو۔ یوں تو تصرف عموماً غیر شعوری ہوا کرتا ہے

لیکن کبھی کبھی ارادی بھی ہوتا ہے۔ کوئی با اثر شخصیت (جس میں ایک زمانے میں بادشاہ بھی شامل تھے۔) کسی لفظ میں ارادۃً تصرف کرتی ہے اور اس ہستی کی معاشرتی حیثیت کے اثر سے اُسے قبولِ عام کی سند بھی مل جاتی ہے۔ لیکن اوّلاً تو ایسا شاذ ہوتا ہے اور پھر اس قسم کا ارادی تصرف صرف چند الفاظ تک محدود رہتا ہے۔

تصرف فطری عمل سہی لیکن تعلیم اس فطری رجحان پر روک لگانے کی شعوری کوشش کرتی ہے۔ خصوصاً اس غیر زبان کی تعلیم جو علمی یا ثقافتی اعتبار سے بلند ہو اور جس سے مہذب گفتگو میں الفاظ مستعار لیے جاتے ہوں۔ ایسی صورت میں ایک تعلیم یافتہ "دو زبانیے" کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ دخیل الفاظ کو ان کے "صحیح مخرج" سے اور اصل معنی میں استعمال کرے تاکہ اس کا عالم فاضل ہونا ثابت ہو۔ لیکن وہ اپنی اس کوشش میں کبھی بھی پورے طور پر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جہاں تک صرفی و نحوی اصولوں کا تعلق ہے یہ اصول ہر زبان میں مختلف ہوتے ہیں اور یہ اختلاف ان زبانوں کی صورت میں بنیادی ہوتا ہے جو مختلف خاندان السنہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ ایسی صورت میں معطی زبان (DONOR LANGUAGE) کے صرفی و نحوی اصولوں سے مکمل واقفیت حاصل کرنے کے باوجود ایک تعلیم یافتہ شخص اس زبان کے دخیل لفظ کو اپنی زبان کے صرفی و نحوی اصولوں کا پابند بنانے پر مجبور ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ اتنا ہوتا ہے کہ معطی زبان کے صرف ایک آدھ صرفی اصول کی پابندی کی جاتی ہے اور بس۔ اس کے علاوہ ہر زبان کا اپنا ایک لہجہ ہوتا ہے۔ جو اس زبان کے صوتیاتی نظام کی دین ہوتا ہے۔ ہر لفظ اسی صوتی قماش (PATTERN) کا پابند ہوتا ہے جس میں وہ ادا کیا جاتا ہے۔ اگر کسی زبان میں مختلف زبانوں سے الفاظ قبول کیے گئے ہوں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ گفتگو میں ہر دخیل لفظ کے اصل صوتی قماش کو قائم رکھا جائے۔ یعنی انگریزی لفظ انگریزی، فرانسیسی لفظ فرانسیسی اور روسی لفظ روسی لہجے میں ادا کیا جائے۔ ایسی کوشش اوّل تو بہت دشوار ہے اور اگر چند الفاظ میں یہ کوشش کامیاب بھی ہو جائے تو اس زبان کا صوتیاتی نظام متاثر (DISTURBED) ہو جانے کی وجہ سے مضحکہ خیز بن جاتی ہے۔ اس قسم کی سعیٔ ناشکور اس زبان میں عام طور پر کی جاتی ہے جس میں ایک ہی منبع سے کافی تعداد میں الفاظ مستعار لیے جاتے ہیں۔ مثلاً اردو میں چونکہ

"مفرس عربی" اور فارسی دخیل الفاظ کی کثرت ہے اور ایک تعلیم یافتہ اردو داں عموماً عربی فارسی سے تھوڑا بہت واقف ہوتا ہے اس لیے عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ایسا شخص اردو میں ان دخیل الفاظ کو بالخصوص عربی دخیل الفاظ کو ان کے صحیح مخرج سے ادا کرنے کی کوشش میں "قل اعوذی" اردو بولنے لگتا ہے۔ لیکن کیا دراصل وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ فارسی دخیل الفاظ کے سلسلے میں اس قسم کی کوشش نہیں کی جاتی، کیوں کہ اہلِ اردو اس زبان سے صرف کتابی طور پر واقف ہوتے ہیں۔ لیکن بعض عربی داں حضرات کچھ مفرس عربی دخیل الفاظ کو اُن کے صحیح مخرج سے ادا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ضرور نظر آتے ہیں اور علم تجوید کا سہارا لے کر /ع/ اور /ح/ کو عربی صوتیوں کی طرح ادا کرنے کی جد و جہد کرتے ہیں۔ لیکن وہ بھول جاتے ہیں کہ جن دخیل الفاظ کو وہ عربی سمجھ رہے ہیں وہ عربی نہیں بلکہ 'مفرس عربی' ہیں اور صوتی تصرف کے عمل سے گزر چکے ہیں۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ تعلیم بھی تصرف کے فطری رجحان کو اپنی شعوری کوششوں کے باوجود روک نہیں سکتی۔ البتہ اس کی رفتار سست اور اس کا دائرہ عمل نسبتاً محدود کر سکتی ہے۔ چونکہ اردو میں مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ میں ہونے والے ان تمام تصرفات کو بیک جنبش قلم رد نہیں کیا جا سکتا تھا جو عربی و فارسی جاننے والے تعلیم یافتہ حضرات کی زبان پر چڑھ گئے تھے اس لیے ہمارے اہل زبان کو 'غلط العام' اور 'غلط العوام' میں حد فاصل قائم کر کے 'غلط العام' کے جواز میں فتویٰ صادر کرنا پڑا۔

جب ایک زبان کا کوئی لفظ کسی دوسری زبان میں داخل ہوتا ہے تو وہ اسی زبان کا ہو جاتا ہے اور اگر اس دخیل لفظ میں کوئی نمایاں صوتی یا معنوی تغیر ہو جائے تو صرف اصل زبان کی رو سے غلط ہو سکتا ہے ورنہ مستعار لینے والی زبان میں یہ تغیر جائز ہے۔ انشاء غالباً پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس لسانی حقیقت کو تسلیم کر کے تصرف کے جواز میں فتویٰ دیا اور 'دریائے لطافت' میں ایک سے زائد مقامات پر ان تصرفات کو جائز قرار دیا۔ جو اہلِ اردو مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ اُن کے زمانے تک روا رکھتے آئے تھے۔ پنڈت کیفی نے صحیح کہا ہے کہ "یہ عمل اول سے اردو میں رائج اور جاری رہا ہے۔" لیکن یہ انشاء کی لسانی بصیرت تھی جس نے ان انحرافات پر شرمندہ ہونے کے بجائے ان کو اصولی بنیاد دی

پر صحیح قرار دیا۔ اور اردو کو عربی و فارسی کے تسلط سے آزاد کر کے اسے مطلق العنان حیثیت دی جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی زبان کے مزاج و منہاج سے اچھی طرح واقف تھے۔
بقول مولوی عبدالحق:

"میر انشاء اللہ دلی کی گلی گلی سے واقف تھے اور ہر محلے کی زبان اور ان کی زبان کے فرق اور اہل محلہ کی حقیقت اور ان کے لب و لہجہ اور ان کے خاص خاص الفاظ اور محاوروں سے پورے طور پر باخبر تھے۔ ہر طبقے اور پیشہ ور کی زبان کو بعینہٖ اسی لب و لہجہ اور اسی کے رنگ میں ادا کیا ہے۔"[1]

یہاں انشا کی لسانی بصیرت کا جس کے ثبوت دریائے لطافت میں مختلف مقامات پر ملتے ہیں جائزہ لینے کا موقع نہیں۔ صرف اس قدر کہنا کافی ہوگا کہ انشا نے تحریری زبان کے بجائے بول چال کی زبان کو اہمیت دے کر زبان میں لہجہ اور تصرفات کو توجہ کا مرکز بنایا اور اردو زبان کے صوتیے متعین کیے۔ اس طرح اردو میں توضیحی لسانیات (DESCRIPTIVE LINGU-ISTICS) کو بنیاد اس وقت ڈالی جب یورپ میں صرف تاریخی و تقابلی لسانیات
(HISTORICAL AND COMPARATIVE LINGUISTICS)
کی ابتدا ہوئی تھی۔ دریائے لطافت کے باب ہفتم دوسری فصل میں انشا تصرف کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"جاننا چاہیے کہ جو لفظ اردو میں آیا وہ اردو ہو گیا، خواہ وہ لفظ اردو ہو یا فارسی، ترکی ہو یا سریانی، پنجابی ہو یا پوربی، اصل کی رو سے غلط ہو یا صحیح، وہ لفظ اردو کا لفظ ہے، اگر اصل کے موافق مستعمل ہے تو بھی صحیح اور اگر اصل کے خلاف ہے، تو بھی صحیح، اس کی صحت اور غلطی اس کے اردو میں رواج پکڑنے پر منحصر ہے۔ کیوں کہ جو چیز اردو کے خلاف

---

[1] دیباچہ مرتب بر طبع ثانی دریائے لطافت اورنگ آباد ایڈیشن ۱۹۳۵ء اردو ترجمہ از پنڈت کیفی

ہے وہ غلط ہے، گو اصل میں صحیح ہو، اور جو اردو کے
موافق ہے وہی صحیح ہے خواہ اصل میں صحیح نہ بھی ہو"[1]

اس کے بعد انشا نے اردو تصرفات کی مثالیں دی ہیں۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ اس فہرست میں چند وہ تصرفات بھی شامل ہیں جو یا تو آج ناپید ہو گئے ہیں یا بزبانِ سوقیین" جاری ہیں مثلاً منِحَصِر (بجائے منحصر) مجاز (بجائے مزاج) سفیل (بجائے فصیل) اور کَلَنک (لام کی حرکت کے ساتھ) اسی طرح اس باب کی پہلی فصل میں وہ سہ حرفی الفاظ میں داخلی مصوتہ (INTRUSIVE VOWEL) کے استعمال کی طرف بھی اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"عربی و فارسی بعض سہ حرفی الفاظ کے درمیانی حرف
کو اردو میں ساکن سے متحرک بنا دیتے ہیں جیسے شرم، اور
گرم کی "ر" کو جو ساکن تھی مفتوح کر دیا،
اسی طرح کِبْر، نَرْم، صَبْر، عِلْم، ظُلْم، عَقْل، قَبْر، جَبْر
شَکْل، فِکْر، اَجْر، فَخْر، صُلْح ... مذکورہ الفاظ... اردو
میں بعض قابل لوگوں کے روزمرہ کے سوا جو (عام)
استعمال کا لحاظ نہ کر کے تحقیق پر نظر رکھتے ہیں متحرک الاوسط
تلفظ میں آتے ہیں۔"[2]

اسی طرح لکھتے ہیں:

"لفظ کے حرفِ ثانی کو بھی ترخیم کی حالت میں ساکن
کر دیتے ہیں مثلاً حسّو میں سین ساکن "حسّو" کی اصل
حسن علی خاں یا حسن بیگ یا حسن علی ہے اور ہر جگہ
سین متحرک ہے لیکن اردو (حسّو) میں کوئی سین کو متحرک
ادا کرے تو ہنسا جائے عام استعمال کا اتباع لازم ہے"[3]

---

[1] دریائے لطافت اورنگ آباد ایڈیشن ۱۹۳۵ء اردو ترجمہ پنڈت کیفی صد ۲۵۲
[2] ایضاً صد ۲۵۰ [3] ایضاً صد ۲۵۱

مولوی عبدالحق انشا کے اس لسانی اصول پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"اگر سید انشا کے اس اصول پر عمل ہو رہا ہوتا تو اب تک
اردو میں بہت کچھ وسعت اور شیرینی پیدا ہو جاتی لے"

خود سید انشا کا اپنے اردو کلام میں اس پر عمل نہیں رہا ہے ٢ے کیوں کہ اردو شاعری میں مظہر جانجاناں کی تحریک اصلاح زبان کے بعد یعنی انشا کے عہد سے پہلے ہی شاعری میں مفرس عربی و فارسی کے دخیل الفاظ کے اصل تلفظ کو برقرار رکھنے کی روایت قائم ہو چکی تھی۔ اس لیے ان کے کلام میں ساکن الاوسط سہ حرفی الفاظ کو بول چال کے اتباع میں متحرک الاوسط باندھنے کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ پھر بھی بول چال میں ان تصرفات کی نشان دہی کر کے انھیں جائز قرار دینا انشا کا معمولی اکتساب نہیں ہے۔

قدیم دکنی زبان میں اردو تصرفات سے بڑی آزادی اور فراخدلی سے کام لیا گیا ہے دیوان ولی کی زبان سے متاثر ہو کر شمالی ہند کے دور اول کے شعراء نے بھی اس آزادانہ روش کو اپنایا تھا۔ جسے ولی نے مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ کے سلسلے میں اختیار کیا تھا۔ لیکن مظہر جانجاناں کی تحریک اصلاح زبان کے بعد جن شعرا نے اس روش کو ترک کیا ان میں شاہ حاتم کا نام قابل ذکر ہے۔ لیکن فارسی الفاظ کے ہائے مختفی کو ا = ا میں تبدیل کرنے کے عوامی رجحان کے آگے انھوں نے اپنی بے بسی کا اعلان دیوان زادہ میں اس طرح کیا ہے :۔

"ہائے ہوز را بدل کردن بالف کہ از عام تا خاص در محاورہ
دکنا، دارند، بندہ درایں امر بمتابعت جمہور مجبور است

لے مقدمہ دریائے لطافت ص ۲ ج، ط ٢ے مثلاً انشا نے مندرجۂ اشعار میں صبر کو اصل تلفظ کی رعایت سے ساکن الاوسط ہی باندھا ہے۔

کہاں صبر و تحمل آہ ننگ و نام کیا شے ہے ؛؛ میاں رو پیٹ کر ان سب کو ہم اک بار بیٹھے ہیں
کہا یہ صبر نے دل سے کہ لو خدا حافظ ؛؛ کہ حق بندگی اپنا تمام میں نے کیا

"چنانچہ بندہ را بندا و پردہ را پردا ، شرمندہ را شرمندا
و آنچہ ازیں تبیل باشد ... [1]

اس سلسلے میں نظیر اکبر آبادی کا نام بھی قابل ذکر ہے جنھوں نے اپنے کلام میں عوامی تلفظ کا تتبع بڑی آزادی سے کیا ہے۔ اور اسی لیے اپنی کم معیاری (SUB STANDARD) زبان کے لیے اہل نقد میں مطعون بھی قرار پائے۔ ان کے کلام میں تصرفات کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔

بقول مصنف آب حیات آتش نے اپنے کلام میں اہل اردو کے چند تصرفات کو شعوری طور پر جائز قرار دیا تھا۔ آزاد لکھتے ہیں

"جب انھوں نے (آتش نے) یہ شعر پڑھا :

دختر رز مری مونس ہے مری ہمدم ہے ؛ میں جہانگیر ہوں وہ نورجہاں بیگم ہے

(تو) لوگوں نے کہا کہ حضور بیگم ترکی لفظ ہے۔ اہلِ زبان گاف پر پیش بولتے ہیں اور زبان فارسی کا قاعدہ بھی یہی چاہتا ہے یہ اس وقت کھسگیائے ہوئے بیٹھے تھے۔ (ممکن ہے کھسگیانا آزاد کا اضافہ ہو) کہا کہ ہونہہ ہم ترکی نہیں بولتے، ترکی بولیں گے تو بُیگم کہیں گے ....

اسی طرح جب انھوں نے یہ مصرعہ کہا ع

اس خوان کی نمش کف مارِ سیاہ ہے

لوگوں نے کہا کہ یہ لفظ فارسی اور اصل میں "نمشک" ہے۔ انھوں نے کہا کہ جب فارس جائیں گے تو ہم بھی 'نمشک' کہیں گے۔ یہاں سب 'نمش' کہتے ہیں تو نمش ہی شعر میں باندھنا چاہیے:

بستگی دل کو جو دے وہ اسے تحصیلے - ساری سرکاروں سے ہے عشق کی سرکار جدا

حریفوں نے کہا کہ بستگی ترکیب فارسی سے ہے مگر فارسی والوں کے استعمال میں نہیں۔ انھوں نے کہا "یہ ہمارا محاورہ ہے" [2]

---

[1] دیباچہ دیوان زادہ، مکتبہ خیابانِ ادب لاہور ۱۹۶۴ء صہ ۶۴

[2] آب حیات کلکتہ ایڈیشن ۱۹۶۷ء صہ ۴۶۷

انشا کے بعد محمد حسین آزاد نے اردو میں تصرف کے عمل پر اصولی بحث کی ہے اور صرفی صوتی اور معنوی تصرفات کی طرف واضح اشارے کیے ہیں۔ آبِ حیات ۱۸۸۱ء سے قبل منظرِ عام پر آچکی تھی اور اگرچہ سخندانِ فارس ۱۸۸۷ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی۔ لیکن داخلی اور خارجی شہادتوں کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ اس کتاب کے کچھ حصے آبِ حیات سے پہلے ہی ضبطِ تحریر میں آچکے تھے [۱] ان دونوں کتابوں میں آزاد نے دخیل الفاظ میں ہونے والے تصرفات کا ذکر کیا ہے۔ اور مقدمہ آبِ حیات میں چند ایسے الفاظ کی نشاندہی کی ہے جن میں اہلِ اردو نے صوتی و معنوی تصرفات کیے ہیں۔ مولانا حالی کا مقدمۂ شعر و شاعری ۱۸۹۳ء میں ان کے دیوان کے ساتھ پہلی بار شائع ہوا تھا۔ اس میں انھوں نے واضح الفاظ میں غلط العوام اور غلط العام کے درمیان حدِ فاصل قائم کر کے غلط العام کو جائز قرار دیا، بقول حالی:

> "لکھنؤ کے ایک صاحب نے ۱۸۹۰ء میں ایک رسالہ شعر و سخن سے متعلق رقم کیا تھا جس میں کچھ اوپر پچاس لفظ ایسے لکھے ہیں جن کو خود صاحبِ رسالہ یا/اور اہلِ لکھنؤ واجب الترک خیال کرتے ہیں۔"

اس رسالے پر تبصرہ کرتے ہوئے جو کچھ مولانا حالی نے فرمایا ہے۔ اسے ہم یہاں اختصار کے ساتھ نقل کرتے ہیں:

> "اسی رسالے میں بعضے ایسے الفاظ کو واجب الترک قرار دیا ہے جو اصل زبان کی گرامر یا قیاسِ لغوی کے خلاف برتے اور بولے جاتے ہیں جیسے موسَم بہ فتحِ سین یا میّت بہ فتحِ یا اور نشأۃ بر وزنِ دہشت ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ ایک غلطی ہے جو اکثر ہمارے عربی دانوں کو علمِ لسان کی ناواقفیت سے پیش آتی ہے۔ ان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ ایک زبان کے الفاظ دوسری زبان میں منتقل ہو کر کبھی اپنی اصلی حالت پر قائم

---

[۱] تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کا مضمون "اردو کے لسانیاتی ادب میں دریائے لطافت اور سخندانِ فارس کا حصہ" مطبوعہ اردو ادب شمارہ دوم، ۱۹۶۹ء

نہیں رہ سکتے الا ماشاء اللہ پراکرت دور بھاشا کے صدہا الفاظ اپنی اصل کے خلاف ہماری زبان میں مستعمل ہیں مگر چونکہ (وہ) ان کی اصلیت سے واقف نہیں ہیں اس لیے ان کو صحیح سمجھ کر بے تکلف بولتے اور برتتے ہیں، لیکن عربی یا فارسی جس سے ان کو فی الجملہ واقفیت ہے، جہاں اس کا کوئی لفظ اصل زبان کے خلاف کسی کی اردو نظم یا نثر میں دیکھا اور فوراً ناک چڑھائی حالاں کہ خود عربی کے بہت سے لفظ اصل وضع کے خلاف استعمال کرتے ہیں ...." بات یہ ہے کہ ایسے لفظوں کو جو عربی یا فارسی یا انگریزی سے اردو میں لیے گئے ہیں اور اصل وضع کے خلاف عموماً مستعمل ہوتے ہیں یہ سمجھنا ہی غلطی ہے کہ وہ موجودہ صورت میں عربی یا فارسی یا انگریزی کے الفاظ ہیں، بلکہ اُن کو اردو کے الفاظ ہی سمجھنا چاہیے ...." عام غلطی یا عوام کی غلطی میں بڑا فرق ہے۔ ہاں جو غلط الفاظ صرف عوام اور جہلا کی زبان پر جاری ہوں، نہ کہ خواص اور پڑھے لکھوں کی زبان پر، البتہ ایسے الفاظ کو ترک کرنا واجب ہے جیسے مزاج کو مجاز، منکر کو نا منکر، خالص کو نخالص، ناحق کو بے ناحق، دروازہ کو دروزہ نسخے کو نخسہ وغیرہ"[1]

شبلی نے بھی اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔ مفرس عربی اور فارسی دخیل الفاظ میں ہونے والے تصرفات سے متعلق انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کی روشنی میں بظاہر ان کا شمار "مذبذبین" میں کیا جا سکتا ہے۔ لیکن صحیح معنوں میں ان کا رجحان ان تصرفات کے حق میں زیادہ تھا۔ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین علی گڑھ کے مارچ ۱۸۹۸ء کے شمارے میں مولانا شبلی کا ایک مضمون "املا اور صحت الفاظ" کے نام سے شائع ہوا تھا۔ کسی "معزز" اور "محترم بزرگ" نے انھیں ایک طولانی خط لکھا تھا جس میں دوسری باتوں کے علاوہ یہ

---

[1] مقدمہ شعر و شاعری، مکتبہ جامعہ ایڈیشن ص ۱۲۱-۱۱۹

تحریر فرمایا تھا کہ :

" بے چاری اردو کی ایسی مٹی خراب ہونی شروع ہوئی ہے کہ توبہ
.... لاہور کے ایک غیر انگریزی داں اخبار نویس نے .... جناب کا
مونث 'جنابہ' بنایا .... اب میں دیکھتا ہوں کہ ان کی بدولت
یہ "جنابت" ایسی بری طرح پھیلتی جاتی ہے کہ توبہ ...."

ان کے خیال کے مطابق بجائے ناقبہ کے منفی غلط ہے (شبلی حاشیے میں لکھتے ہیں :
ان حضرت نے خط کشیدہ الفاظ میں تصرف کے جرم کا نادانستہ ارتکاب کیا ہے)

اس خط کے جواب میں مولانا شبلی نے مذکورہ بالا مضمون سپرد قلم کیا تھا جس میں تصرف کو ایک ناگزیر فعل قرار دیتے ہوئے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ :

" سوال یہ ہے کہ آیا یہ عام قاعدہ قرار پا سکتا ہے یا نہیں کہ جو لفظ اصل
لغت کے لحاظ سے غلط ہے اس کا استعمال بھی بالکل غلط ہے ۔ فارسی
زبان میں جب عربی زبان کا اختلاط ہوا تو عربی کے سینکڑوں الفاظ اور
جملے شامل ہو گئے فارسی کے شعرا اور نثار علوم عربیہ میں نہایت مہارت
رکھتے تھے ۔ لیکن عربی الفاظ جو انھوں نے برتنے اس قدر غلط برتے کہ آج کم
مایہ اردو داں اس سے زیادہ غلطی نہیں کر سکتے ۔ تاہم وہی فارسی آج
تک مستند اور فصیح اور شیریں سمجھی جاتی ہے ۔"

فارسی سے چند مثالیں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

" اصل حقیقت یہ ہے کہ زبان کی ابتدا عوام سے ہوتی ہے ۔ اور
یہ گروہ صحت الفاظ سے بالکل بے خبر ہوتا ہے ۔ خواص اسی زبان کو لے
کر کاٹ چھانٹ کر اصلاح کرتے ہیں ۔ اصلاح میں وہ بہت سے الفاظ
کو اسی طرح چھوڑ دیتے ہیں جس کی وجہ کبھی تو یہ ہوتی ہے کہ وہ غلط
الفاظ اس قدر عام استعمال میں رواج پا چکے ہوتے ہیں کہ صحت کے
ساتھ بولے جائیں تو عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں اور کبھی یہ کہ یہ ام

زبان کی عزت اور خود مختاری کی دلیل سمجھی جاتی ہے وکذا، کہ دوسری زبان
کے الفاظ اس میں آئیں تو اسی قالب میں ڈھل کر آئیں۔ فارسی اور
اردو پر موقوف نہیں، ہر زبان میں دوسری زبان کے الفاظ آکر اصل
حالت پر قائم نہیں رہتے۔"

لیکن مولانا شبلی تصرف کو ناگزیر سمجھنے کے باوجود اردو کو اس بنیادی اور فطری حق
سے محروم بھی رکھنا چاہتے تھے اس کی وجہ بھی ملاحظہ فرمائیے، لکھتے ہیں:

"چونکہ اردو کوئی مستقل زبان نہیں ہے بلکہ عربی، فارسی ہندی
کا مجموعہ ہے اس لیے اس کو عربی فارسی وغیرہ کے الفاظ میں تصرف
کا بہت کم حق حاصل ہے اس لیے جہاں تک ہو سکے اس بات کا
التزام زیادہ موزوں ہے کہ غیر زبانوں کے الفاظ صحیح تلفظ اور ترکیب کے
ساتھ قائم رکھے جائیں۔

لیکن مولانا اپنی اس غلط رائے سے خود بھی مطمئن نہیں۔ اسی جملے کے فوراً بعد یہ بھی
فرماتے ہیں:

"لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ اساتذۂ قدیم وجدید
نے عربی وفارسی کے بہت سے الفاظ کو اردو زبان میں غلط طور پر برتا
اور آج وہی غلط استعمالات فصیح اور بامحاورہ خیال کیے جاتے ہیں،
بہرحال اس قسم کے الفاظ کے استعمال اور عدم استعمال کے لیے جو قاعدۂ
کلیہ قرار پا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ جو الفاظ فصحا اور مسلم الثبوت اہل زبان
کے عام استعمال میں آجائیں وہ صحیح الاستعمال ہیں اور جن کو اہل زبان
نے عموماً قبول نہ کیا ہو ان کا استعمال صحیح نہیں۔"

چنانچہ ایک شعر میں شبلی لفظ "مشکور" بہ معنی شکر گزار یا شاکر بھی بڑی بے تکلفی
سے استعمال کرتے ہیں ؎

آپ کے لطف وکرم کا مجھے انکار نہیں ✣ حلقہ در گوش ہوں، ممنون ہوں، مشکور ہوں میں

مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا عبدالماجد دریابادی کے درمیان "حظ و کرب" کے سلسلے میں جو ادبی معرکہ ہوا تھا اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، مولانا عبدالماجد نے انگریزی لفظ (PLEASURE) کا ترجمہ لذت یا مسرت کے بجائے 'حظ'۔ (حظ نفس) کی ترکیب کی شکل میں۔ کیا تھا اور مولانا آزاد کی نظر میں یہ 'جرم' ناقابل معافی اس لیے تھا کہ عربی میں لفظ حظ 'لذت' نہیں بلکہ حصہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے"۔ حظ کے معنی اس آسمان کے نیچے صرف ایک ہی ہیں۔ یعنی قسمت و نصیب" اُن کا استدلال تھا کہ "حظ فارسی میں بمعنی لذت نہیں بولا جاتا"۔[1] اردو، فارسی کی طرح اپنے (کذا) علمی ادبیات میں اب تک عربی کے ماتحت ہے۔ اس کا کوئی خاص علمی لٹریچر نہیں۔ اپنی اصطلاحات نہیں پس اردو کے تراجم علوم میں الفاظِ عربیہ کا استعمال اور اس لیے سند کے لیے اردو بول چال نہیں، عربی لغت اور اصطلاح علوم کا حوالہ مطلوب" مولانا عبدالماجد کا جواب تھا "آپ اپنے دعوے پر عربی سے حجت لاتے ہیں، میں اپنی تائید میں محاورہ و لغت پیش کرتا ہوں میں علم النفس کو عربی میں نہیں اردو میں لکھ رہا ہوں"۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ مولانا آزاد تصرف کے بالکلیہ منکر نہیں تھے۔ وہ بول چال کے علاوہ شعر و ادب میں بھی تصرفات کو جائز سمجھتے تھے لیکن علمی اصطلاحات کے سلسلے میں وہ عربی الفاظ میں کسی معنوی تغیر کے روادار نہیں تھے۔ "چونکہ اردو اپنی علمی ادبیات میں عربی کے زیر اثر اور ماتحت ہے اس لیے لامحالہ عربی اصطلاحات کو مقدم رکھنا پڑے گا۔ اور جب اصطلاحاتِ عربیہ سے کام لیں گے تو اس کے وہی معنی معتبر ہوں گے جو عربی میں لیے جاتے ہیں۔ اصطلاحات دوسری چیز ہیں۔ اور شعر و ادب دوسری شے"۔ قطع نظر اس کے کہ مولانا عبدالماجد کا موقف بالکل صحیح تھا۔ اس بحث سے کم از کم اتنا ضرور واضح ہے کہ مولانا آزاد صرف اصطلاحات کے معاملے میں اصل زبان یعنی صرف عربی کی پیروی لازمی سمجھتے تھے ورنہ

---

[1] یہ درست نہیں فارسی لفظ حظ بمعنی لذت بھی مستعمل ہے دیکھیے جیمز کی "فارسی۔ انگلیسی لغت"۔

ایک زمانے میں عربی سے مرعوب ایسے عالموں کی کمی نہیں تھی۔ جو اردو میں مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ میں تصرف کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان عالموں میں مولانا نظم طباطبائی، نیاز فتحپوری، حسرت موہانی اور احسن مارہروی وغیرہم کے نام قابل ذکر ہیں۔ اپنی تصنیف معائب سخن میں مولانا حسرت موہانی نے نظم طباطبائی کا وہ مضمون نقل کیا ہے جو ان کے رسالے اردوئے معلیٰ کے جنوری ۱۹۱۲ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ جسے ہم یہاں اختصار کے ساتھ نقل کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اردو میں تصرفات کی مخالفت کرنے والے کیا کہتے ہیں۔ نظم طباطبائی لکھتے ہیں:

"اردو لکھنے والے اور نظم کرنے والے اس بات سے بے خبر نہ رہیں کہ اس زبان میں عربی و فارسی کے الفاظ ملے ہوئے ہیں۔ وہ تین طرح کے ہیں۔ (۱) ایک تو وہ الفاظ جن میں اہل ہند نے لفظی و معنی تغیر کچھ نہیں کیا جیسے الم، رقم وغیرہ ایسے الفاظ بے کھٹکے استعمال کر سکتے ہیں[۱]۔ (۲) دوسرے وہ الفاظ جن میں لفظی تغیر ہو گیا ہے۔ مثلاً جو لفظ ساکن الاوسط ہیں اسے متحرک الاوسط بولتے ہیں ..... یا نوسم ..... سید ..... جید وغیرہ میں حرف آخر کے ماقبل فتح کر دیتے ہیں۔ اسی طرح خون، جنون، زمین و آسمان وغیرہ میں ہندی اعلان نون کرتے ہیں اور حالتِ اعلان میں یہ الفاظ ہندی ہو جاتے ہیں۔ ایسے الفاظ کو ترکیب فارسی میں لاکر اعلان نون کا باقی رکھنا غلطی ہے کیوں کہ اہل فارس کی زبان پر اعلان نون نہیں ہے[۲]"

---

[۱] یہاں مولانا سے سہو ہوا ہے۔ لفظ "رقم" کو مبلغ (AMOUNT) کے معنوں میں نہ تو عربی میں استعمال کیا جاتا ہے اور نہ فارسی میں، رقم کی جگہ مبلغ کہتے ہیں۔ [۲] یہاں بھی مولانا سے سہو ہوا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ ان الفاظ میں اہل فارس کی زبان پر اعلانِ نون نہیں ہے جدید فارسی میں تو اعلان نون قاعدہ کلیہ ہے البتہ تورانی فارسی میں جس کی اردو وارث ہے اعلان نون نہیں ہے (اگلے صفحے پر)

(۳) تیسرے وہ الفاظ عربی و فارسی کے جن میں معنوی تغیر پیدا ہو گیا ہے اہلِ زبان اس لفظ کو اور معنوں میں بولتے ہیں، اہلِ ہند اور معنوں میں بولنے لگے۔ مثلاً "محرم" کا لفظ اردو میں 'چھوٹے کپڑے' کے معنی پر بولتے ہیں . . . ان سب الفاظ کو ہندی سمجھنا چاہیے اور ترکیب فارسی یا عربی میں جس طرح ہندی الاصل لفظوں کو لانا غلط ہے۔ اسی طرح ان الفاظ کا استعمال بھی ہر اہلِ قلم کے لیے اضافت و عطفِ فارسی وغیرہ میں ناجائز ہوگا یعنی جس طرح "کپڑائے رنگیں"[۱] کہنا صحیح نہیں اسی 'محرم رنگیں' اور 'چشم نم' کہنا بھی ناجائز ہے . . . . ان تینوں قسموں کے علاوہ ایسے لفظ بھی اردو میں بولے جاتے ہیں کہ جو ہندیوں نے کسی عربی یا فارسی لفظ سے ان کا اشتقاق کر لیا ہے۔ اور اہلِ زبان اس اشتقاق سے بے خبر ہیں۔ مثلاً "تموز" تو فارسی لفظ ہے اس سے ہندیوں نے تمازت[۲] نزاکت کے قیاس پر مصدر عربی بنا لیا اور قیاس ہرگز درست نہیں"۔

پنڈت کیفی نے اس منفی رجحان کی مذمت جس سختی سے کی ہے شاید ہی کسی نے کی ہو۔ انھوں نے کیفیہ اور منشورات میں جا بجا اردو تصرفات کو جائز قرار دینے کے سلسلے میں اپنے موقف کی جو وضاحت کی ہے۔ اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں ان کا صرف یہ قول نقل کر دینا کافی ہوگا۔

---

(۱) حاشیہ کا بقایا، جس کی تقلید کبھی کبھی ایرانی شعراء بضرورت شعری آج بھی کرتے ہیں۔ تعجب ہے کہ مولانا نے اس فہرست میں لفظ "جنون" کیسے شامل کر لیا۔ یہ تو عربی لفظ ہے۔ اسے بغیر نون غنہ کے ساتھ استعمال کرنا تو تورانی فارسی دانوں کا تصرف تھا۔ جیسے یقیں بجائے یقین، ایماں بجائے ایمان، 'جنوں' عربی قاعدے سے بالکل غلط ہے۔

(۲) مولانا "نزاکت" کو اس لیے جائز سمجھتے ہیں کہ یہ اہلِ ایران کا تصرف ہے۔ لیکن "تمازت" کو اس لیے نہیں کہ یہ اہلِ ہند کا تصرف ہے۔ مولانا قیاس (ANALOGY) کو درست نہیں سمجھتے، حالاں کہ لسانی تغیرات میں 'قیاس' بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔

"ہم کو اردو زبان کی ترقی کے لیے جس طرح کیلاش اور بنارس جانے کی ضرورت نہیں، اسی طرح قاہرہ اور تہران جانے کی بھی حاجت نہیں۔"[1]

وہ تعلیم یافتہ حضرات جو اردو کی محبت میں نہیں بلکہ علم فروشی کے جذبے کے زیر اثر اردو میں عربی و فارسی الفاظ کے سلسلے میں عملِ تصرف کی نفی کرتے ہیں اگر وہ اردو میں عمل تصرف کے بھرپور امکانات کا جائزہ لیں جن کا ایک نامکمل خاکہ آئندہ صفحات میں ملے گا۔ تو شاید انھیں اپنا نقطۂ نظر بدلنا پڑے۔ اگر تصرفات سے انکار کرکے زبانِ غیر ہی کو صحت کا اصل معیار قرار دیا گیا تو ع

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے

سبھی اس حمام میں ننگے نظر آئیں گے اور ہم سبھوں کو چلتی پھرتی "قاموس الاغلاط" قرار دینا ہوگا۔ ■

---

[1] "اردو لسانیات" مشمولہ منشورات ۱۹۶۸ء صہ۵

باب اوّل

زبانوں میں عاریت کا عمل

زبان صرف با معنی آوازوں کے حسنِ ترتیب کا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہ انسانی وظیفہ ہے جو انسان کے دیگر طبیعی اور ذہنی وظائف میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ زبان ترسیل خیالات کا وسیلہ بھی ہے۔ اور انسان کے ذہنی اور جذباتی رویوں کا مظہر بھی۔ یہ صرف ذہنی نہیں بلکہ تہذیبی اور معاشرتی عمل بھی ہے۔ دنیا کی ہر زبان اپنے اپنے لسانی گروہ کی ذہنی و تہذیبی تاریخ اور اس کے عروج و زوال کی داستان ہوتی ہے اور اس کے علمی، تہذیبی، معاشرتی اور تاریخی و جغرافیائی حالات کی یکسالے گلے نمائندگی کرتی ہے۔ زبانیں شہری بھی ہوتی ہیں، دیہی بھی، علم و ادب سے کوری بھی ہوتی ہیں اور علمی و ادبی بھی۔ یہ مہذب بھی ہوتی ہیں اور گنوار بھی۔ ان کے درمیان تاریخی روابط اور خاندانی رشتے بھی ہوتے ہیں۔ اور ان میں تاثیر و تاثر اور داد و ستد کا عمل اسی طرح کارفرما ہوتا ہے جس طرح مختلف قوموں کے درمیان ہوا کرتا ہے۔ یہ قدیم بھی ہوتی ہیں جدید بھی، یہ پیدا بھی ہوتی ہیں، مر بھی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زبانوں کی زندگی، ان کی موت اور نئی زبانوں کی پیدائش کے بارے میں اس طرح گفتگو کی جاتی ہے جیسے یہ بھی کوئی زندہ عضویے ہوں اور نباتات و حیوانات کی طرح قوت نامیہ رکھتی ہوں۔ محمد حسین آزاد سخندانِ فارس میں لکھتے ہیں:

"تم لفظوں کو فقط اتنا ہی سمجھو کہ برائے نام خاص خاص چیزوں پر اشارے کرتے ہیں۔ غور کرو گے تو پاؤ گے کہ وہ بھی اور چیزوں کی طرح پیدا ہوتے ہیں، ترقی و تنزل کرتے ہیں۔ سفر کرتے ہیں اور اس میں طبیعت اور

رنگ بدلتے ہیں اور مر بھی جاتے ہیں۔ ان کے حالوں، چالوں اور انقلابوں کو دیکھو گے تو معلوم ہوگا کہ جس طرح قوموں کی تاریخیں اپنے حالات و مقامات سے کھلائے ہوئے دلوں کو شگفتہ کرتی ہیں، لفظوں کی تاریخیں اپنے لطف و خوبی کے ساتھ اس سے زیادہ دماغوں کو شاداب کرتی ہیں۔[1]

مولوی عبدالحق اور پنڈت کیفی نے بھی لفظوں کی زندگی اور موت، جوانی، بڑھاپا اور انسان کی طرح ان کے ادنیٰ سے اعلیٰ، شریف سے رذیل اور رذیل سے شریف ہونے کا ذکر کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لفظوں کی زندگی اور موت کا ذکر کرنا استعارے کی زبان ہے۔ ورنہ ان کا قائم بالذات وجود نہیں۔ لیکن پھر بھی وہ اپنے استعمال کرنے والے لسانی گروہ کی باطنی کیفیات اور خارجی حالات سے اس حد تک مربوط ہوتے ہیں کہ یہ استعاراتی انداز بیان کہ لفظوں یا زبانوں کی اپنی زندگی ہوتی ہے۔ حقائق کی تہہ تک پہنچنے میں حائل نہیں ہوتا۔ بشرطیکہ اس استعارے کو اپنی حد سے آگے بڑھا کر اس سے نظریہ سازی کا کام نہ لیا جائے۔

یہ طے شدہ امر ہے کہ زبان کا تجزیہ کرنے یا اس کی تاریخ قلمبند کرنے کے سلسلے میں لسانی عوامل کے ساتھ ساتھ غیر لسانی حالات (NON LANGUISTIC - CONDITIONS) کا ذکر بھی ناگزیر ہو جاتا ہے اور لسانیات کو دوسرے علوم کی سرحدوں میں داخل ہونا پڑتا ہے۔ اور اس طرح کے مشترک علم (JOINT DISCIPLINE) کو مابعد اللسانیات (METALINGUISTICS) کہتے ہیں کیونکہ بات صوتیات و صرفیات سے آگے بڑھ کر نفسیات و فلسفہ سے ہوتے ہوئے بشریات (ANTHROPOLOGY) نسلیات (ETHNOLOGY) عمرانیات، مذہب، تاریخ، معاشرتی تغیرات اور تہذیبی و طبیعی اثرات تک پہنچتی ہے۔ چونکہ انسان خود ایک تغیر پذیر نامیہ ہے اور اس کی تقدیر تاریخ، سیاسیات، معاشرتی لین دین، اور ثقافتی تاثیر و تاثر کے ہاتھوں بنتی بگڑتی رہتی ہے۔ اس لیے کسی زبان کی تاریخ دراصل ایک لسانی گروہ کی کلامی عادات کی تبدیلیوں کی تاریخ ہے اور ان تبدیلیوں کو ان غیر لسانی عوامل کے تناظر میں سمجھا جا سکتا ہے۔ جو ان کلامی عادات کو متاثر کرتی ہیں۔ لیکن زبان چونکہ عضلاتی فعل بھی ہے اور ذہنی عمل بھی اس لیے اس کے تجزیے میں صوتیات کے طبیعی اصولوں کی کارفرمائی کے ساتھ ساتھ نفسیاتی اور فلسفیانہ

[1] سخندان فارس ص۳

مباحث بھی جگہ پاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ جدید لسانیات کا مرکزی موضوع انسان نہیں بلکہ اس کی زبان ہے۔

دنیا کی ہر چیز نہ ایک حالت پر قائم رہی ہے اور نہ رہ سکتی ہے۔ قدرت کے کارخانے میں صرف تغیر کو ثبات حاصل ہے۔ قوموں کی طرح زبانیں بھی مستقل تبدیلیوں کی زد میں ہوتی ہیں۔ زبان اردو کا ارتقائی سفر اس میں ہونے والے صوتی، صرفی نحوی اور معنوی تغیرات ہی کی نشاندہی نہیں کرتا بلکہ ان تاریخی اور ثقافتی اثرات کی بھی کہانی سناتا ہے جنھوں نے اس کے خط وخال میں نمایاں تبدیلیاں بروئے کار لانے میں تخلیقی کردار ادا کیا ہے۔ زبانوں میں تغیرات کا عمل اس قدر تہہ در تہہ ہوتا ہے کہ ان کے بنیادی اسباب کا کھوج لگانا جان جوکھوں کا کام ہے۔ تغیرات صوتی بھی ہوتے ہیں معنوی بھی، فطری بھی ہوتے ہیں اور ارادی بھی، ذاتی بھی ہوتے ہیں اور اجتماعی بھی لیکن زبانوں میں سب سے نمایاں اور بڑا سبب لسانی فرقوں کا باہمی اختلاط وارتباط ہے اور اس کا واضح ترین مظہر لفظوں کے لین دین کا وہ عمل ہے جسے "عاریت" کہا جاتا ہے۔

ایک قوم مختلف لسانی فرقوں پر بھی مشتمل ہو سکتی ہے۔ اور ایک یا دو لسانی گروہوں پر بھی۔ ان میں باہمی اختلاط وارتباط ناگزیر ہوتا ہے۔ تاریخ عالم کے سرسری مطالعہ سے یہ بات واضح ہے کہ اگر کوئی قوم علیحدہ رہ کر جینے کی کوشش کرے تو وہ مر جاتی ہے۔ کسی قوم کی تہذیب دوسری اقوام سے اس کے ثقافتی و تاریخی تعامل کا نتیجہ ہوتی ہے۔ قومیں ایک دوسرے سے رابطہ قائم رکھنے پر مجبور ہیں۔ سیاسی، مذہبی اور تجارتی تعلقات، معاشی ضروریات، جارحانہ حکمرانوں کی ملک گیری کی ہوس، مسابقت کا فطری جذبہ اور ایسے نہ جانے کتنے اسباب ہیں۔ جن کی بنا پر ایک قوم دوسری قوم کے قریب آتی ہے۔ اسے کچھ دیتی ہے اور اس سے کچھ لیتی ہے، اسے متاثر کرتی ہے یا اس سے متاثر ہوتی ہے۔ اور داد و ستد کا یہ سلسلہ اُن کی زبانوں تک جا پہنچتا ہے۔ ایک تہذیب دوسری تہذیب کو یا تو جذب کر لیتی ہے۔ یا دونوں کی آمیزش سے ایک نئی تہذیب ابھرتی ہے۔ قوموں کی طرح زبانیں بھی ایک دوسرے سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتیں اور ان کے

لفظی خزانوں میں بیرونی سکوں کا اضافہ ایک ایسا ناگزیر امر ہے جس پر کسی زبان کو فخر کرنے یا شرمانے کی ضرورت نہیں۔ الفاظ میں لین دین کا عمل صرف مختلف اقوام کی زبانوں تک محدود نہیں ہے۔ یہ لین دین ایک ہی ملک کے لسانی فرقوں میں بھی ہوتا ہے۔ ایک ہی سیاسی اکائی کے مختلف لسانی خطوں میں یہ عمل ہمسائیگی کے باعث میل جول، احساس یگانگت اور زبانوں کے مشترکہ نسبی رشتوں کی وجہ سے اور دو مختلف قوموں میں حفظِ جان کی جبلت، تاریخی جبر اور بقائے باہمی کی فطری ضرورت کی بنا پر ہوا کرتا ہے۔ جب ایک قوم دوسری قوم پر فاتحانہ قبضہ کر لیتی ہے۔ جب دو قوموں کے درمیان تجارتی تعلقات وسیع پیمانے اور استوار بنیادوں پر قائم ہو جاتے ہیں۔ جب ایک قوم اپنی پڑوسی قوم کو اپنی ثقافتی برتری کی بنا پر متاثر کرتی ہے، جب سیاسی انتشار اور غیر یقینی طبعی یا سیاسی حالات قوموں کو انبوہ در انبوہ اور گروہ در گروہ ایک ملک سے دوسرے ملک کو ہجرت کرنے پر مجبور کرتے ہیں جہاں وہ عام صورت حال میں مستقل طور پر بس جاتے ہیں تو ان کی وجہ سے اور ان جیسے متعدد پیچ در پیچ اسباب کی بنا پر زندگی متاثر ہوتی ہے۔ ماحول متاثر ہوتا ہے، فکری زاویے اور ذہنی رویے بدلتے ہیں۔ معاشرتی اور معاشی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اور ایک قوم کی ثقافت دوسری قوم کی ثقافت کو متاثر کرتی ہے۔ ان خارجی تبدیلیوں کا اثر زبان پر بھی پڑتا ہے اور وہ بھی طرزِ تعمیر، طریقۂ بود و باش، رسوم و عادات عقائد اور اندازِ فکر و نظر کی طرح اور ان کے ساتھ ساتھ بدل جاتی ہے۔ زبان یوں بھی اپنے زمانی سفر میں تغیر سے گزرتی رہتی ہے۔ یہ تغیرات صوتی اور معنوی بھی ہوتے ہیں اور صرفی و نحوی بھی۔ انسان کی ذہنی فضا اور اس کا مادی ماحول دونوں ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ اس لیے اس کے فکری و جذباتی مطالبے اور اس کی مادی ضروریات اسے اظہار معنی کے لیے نئے نئے الفاظ کی تلاش میں سرگرداں رکھتی ہیں۔ نئے خیالات، نئے تاثرات، نئی اشیا اور نئے حالات زمانے کی کوکھ سے جنم لیتے رہتے ہیں اس لیے زبانوں کا دھیرے دھیرے اور غیر محسوس طریقے سے بدلتے رہنا فطری عمل ہے۔ لیکن زبانوں میں ایک ایسا تغیر بھی کارفرما ہوتا ہے جو دوسرے لسانی تغیرات کی طرح بتدریج نہیں ہوتا بلکہ اچانک

رونما ہو کر اس کے ظاہری خط و خال کو نمایاں طور پر بدل ڈالتا ہے۔ کسی زبان میں غیر ملکی زبان کے دخیل الفاظ اس تغیر کا نمایاں مظہر ہیں۔ جب زبانیں دوسری زبانوں سے الفاظ فقرے انداز بیان اور نحوی تماثل مستعار لیتی ہیں یا ان کے زیر اثر اپنے پرانے الفاظ میں نئے نئے معانی داخل کرتی ہیں تو دو مختلف زبانوں میں لفظی لین دین کے اس عمل کو انگریزی میں (BORROWING) کہا جاتا ہے جس کا ترجمہ ہم نے 'عاریت' کیا ہے۔

عاریت کا عمل 'دو زبانوں'، دو بولیوں (DIALECTS) یا شخصی بولیوں (IDIOLECTS) کے باہمی ارتباط کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے جب دو شخصی بولیاں بالمشافہ گفتگو کی سطح پر ایک دوسرے سے رابطہ قائم کرتی ہیں تو ان میں سے ایک یا دونوں غیر شعوری طور پر تھوڑا بہت متاثر ضرور ہوتی ہیں۔ اگر یہ رابطہ بالواسطہ یعنی صرف سننے کی حد تک یا مطالعے کی شکل میں ہو تو یہ عمل لازمی طور پر یک طرفہ ہوگا۔ جب دو شخصی بولیوں میں ارتباط قائم ہوتا ہے تو اس میں عاریت کا عمل ہوگا یا نہیں اس کا انحصار کئی باتوں پر ہوتا ہے۔ جس میں سے ایک یہ ہے کہ یہ دونوں شخصی بولیاں ایک دوسرے سے کس حد تک مماثل یا متغائر ہیں۔ اگر یہ شخصی بولیاں ایک دوسرے سے کافی حد تک ملتی جلتی ہیں تو عاریت کا امکان نہیں ہوگا۔ اس طرح اگر یہ بولیاں ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہوں کہ ایک کی بات دوسرے کے لیے سمجھنا محال ہو تو اس صورت میں بھی عاریت ممکن نہیں۔ البتہ ان دونوں انتہائی صورتوں کے درمیان ایسی صورتیں بھی ہیں جن میں عاریت کا امکان قوی ہوتا ہے۔ عملی سطح پر ماہرین لسانیات نے ان امکانی صورتوں کو دو حصوں میں بانٹا ہے۔ پہلے حصے میں وہ بولیاں آتی ہیں جو آپس میں مشترکہ بنیاد (COMMON CORE) اور مشترکہ خصوصیات رکھتی ہیں۔ ایسی صورت میں عاریت کے عمل کو بولی عاریت (DIALECT BORROWING) کہا جاتا ہے۔ دوسرے حصے کے تحت وہ شخصی بولیاں آتی ہیں جن میں مشترکہ خصوصیات تو نہیں ہوتیں البتہ یہ شخصی بولیاں استعمال کرنے والے افراد "دو زبانیے (BILINGUAL) یا "نیم دو زبانیے" ہوتے ہیں۔ اس صورت میں عمل عاریت کو لسانی عاریت (LANGUAGE BORROWING) کہا جاتا ہے۔

ہم نے سطور بالا میں عاریت کے متعدد اسباب پر روشنی ڈالی ہے ان میں سے دو نمایاں سبب ایسے ہیں جنھیں ایک دوسرے سے بآسانی ممتاز کیا جا سکتا ہے۔ ایک سبب تو ثقافتی لین دین کی ضرورت ہے اور دوسرا سبب سیاسی یا دیگر غیر معمولی حالات کا ظہور۔ اس اعتبار سے عاریت کو پھر دو قسموں میں بانٹا جا سکتا ہے ــ (۱) ثقافتی عاریت (CULTURAL BORROWING) اور (۲) اِتصالی عاریت (INTIMATE BORROWING)

ثقافتی عاریت ثقافتی لین دین کے نتیجے میں ہوتی ہے۔ یہ سیاسی دباؤ کے زیر اثر نہیں ہوتی۔ یہ لین دین یا تو سیاسی اعتبار سے برابر کی سطح پر ہوتا ہے۔ یا تہذیب یافتہ مفتوح قوم، نیم تہذیب یافتہ فاتح قوم کو دینے کے موقف میں ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں ایران و عرب کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ مفتوح ایران کی زبان فارسی سے فاتح عربوں کی زبان عربی نے جو الفاظ مستعار لیے۔ ان کا شمار ثقافتی عاریت کے ذیل میں ہوتا ہے۔ انسانی تاریخ میں ایسا دور کبھی نہیں آیا۔ جس میں ایک قوم نے دوسری قوم سے کچھ سیکھا نہ ہو تاریخ دراصل مختلف قوموں کے درمیان ثقافتی لین دین کی کہانی ہے۔ اس طرح ہر قوم کی تہذیب عالمی تہذیب کا ایک جزو اور اس کا تکملہ ہوتی ہے۔ ایک ملک اپنا چراغ دوسرے ملک کے چراغ سے جلاتا ہے علم ہندسہ ہندوستان سے ہوتا ہوا یونان ملک عرب اور دوبارہ یورپ پہنچتا ہے۔ اہل بابل گھنٹوں، منٹوں اور سکنڈوں کا تصور دیتے ہیں۔ 'صفر' ہندوستان سے نکل کر عالمی ریاضیات کا جزو لاینفک بن جاتا ہے۔ اہل چین کے ایجاد کیے ہوئے آتشیں آلات حرب ساری دنیا میں پہنچ جاتے ہیں۔ عرب اہل یورپ کو آلۂ قطب نما دیتے ہیں۔ رصد گاہیں تعمیر کرتے ہیں۔ یونیورسٹی (جامعہ) کا تصور دیتے ہیں۔ اور یونانی علوم کا یورپ سے بالواسطہ تعارف کراتے ہیں۔ ہر قوم اپنی پڑوسی قوم سے بہت کچھ سیکھتی ہے کبھی کبھی وہ اس کے مخصوص طرز عمل سے بھی متاثر ہوتی ہے اور اگر یہ پڑوسی قوم ثقافتی اعتبار سے بلند ہو تو اس سے انفرادی سیرت کے مخصوص انداز تک مستعار لیتی ہے۔ عادات و اطوار، رسوم و روایات، عقائد، تصورات اور مختلف اشیاء ملک ملک سیر کرتی ہیں اور اپنے نام بھی ساتھ لے جاتی ہیں۔ عام طور پر جب کوئی نیا تصور، نیا خیال، نیا کھیل، نئی ایجاد، نیا فیشن یا نئی چیز دساور سے آتی ہے

تو اُسے اُس کے نام سمیت قبول کر لیا جاتا ہے کیوں کہ نئی بات یا نئی چیز کے لیے نیا نام اختراع کرنے کی نسبت اُسے اصلی نام سے پکارنا زیادہ سہولت بخش ہوتا ہے [1] یہ نیا نام صوتی تبادل (PHONETIC SUBSTITUTION) کے بعد قبول کر لیا جاتا ہے۔ جب تک کوئی منظم تحریک مخالف سمت میں کھلے بندوں یا پس پردہ کام نہ کرے یہ نئے نام غیر شعوری طور پر قبول کر لیے جاتے ہیں۔ اہلِ روما نے یونانیوں سے تحریر کا فن سیکھا۔ اس لیے لاطینی میں فن تحریر سے متعلق تمام الفاظ یونانی ہی ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ سائنس، قانون، رسوم عبادت عسکری تنظیم، وزن، پیمائش، فن تعمیر اور ملبوسات سے متعلق لاطینی الفاظ پر یونانی الفاظ کی گہری چھاپ بآسانی نظر آتی ہے۔ انگریزی میں (ARABIC NUMERALS) [جو در اصل ہندی الاصل ہیں اور عربی میں انھیں "الارقام الھندیۃ" کہا جاتا ہے] کی اصطلاح اور الجبرا (الجبر والمقابلہ) اپنے ماخذ کا پتہ دیتے ہیں۔

اکثر و بیشتر طبیعی پیداوار ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچ کر اپنے خفیف بدلے ہوئے ناموں کی صورت میں اپنے اصلی وطن کی نشاندہی کرتی ہے۔ طبیعی پیداوار میں ــــ اشیائے خوردنی و رُستنی اور معدنیات شامل ہیں۔ اکثر اوقات رنگ برنگے پھول، انواع و اقسام کے پھل اور درخت کسی ایک خطے میں پیدا ہو کر دوسرے خطوں میں منتقل ہوتے ہیں اور اپنے ساتھ اپنے نام بھی لے جاتے ہیں جو بادنیٰ تغیر اِن خطوں کے باشندوں کی زبان پر چڑھ جاتے ہیں۔ چونکہ ریگزار عرب میں انواع و اقسام کے پھل پھول اور درخت نہیں پائے جاتے اس لیے ایران سے جب وہ عرب پہنچے یا اہل عرب ان سے ایران میں واقف ہوئے تو ان چیزوں کے ایرانی نام عربی میں داخل ہو گئے۔ مثلاً بنفج، نسرین، خیری، سوسن

[1] مانوس ہونے کے بعد اکثر اوقات ان نئی اشیاء، تصورات اور نئی ایجادات کا اپنی زبان میں ترجمہ کر لیا جاتا ہے۔ اسے "عاریت بالترجمہ" (TRANSLATION LOAN) کہتے ہیں۔ اس کی تفصیل آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیے۔

مرزنجوش، یاسمین، جلنار، صنوبر، چاردس، سرو، جوز، بادنجان وغیرہ [1] کئی یورپی زبانوں میں فارسی اور عربی کے دخیل الفاظ اشیائے طبیعی کے سفر کی کہانی سناتے ہیں۔
چونکہ عرب و ہند کے درمیان تجارتی تعلقات قبل ظہور اسلام سے قائم تھے اس کے نتیجے میں اکثر سنسکرت اور پراکرت الفاظ عربی میں داخل ہو گئے۔ عرب و ہند کے تعلقات میں سید سلیمان ندوی نے ایسے الفاظ کی فہرست پیش کی ہے۔ یہ الفاظ زیادہ تر مسالوں، خوشبوؤں اور دواؤں سے متعلق ہیں۔ مثلاً صندل (سنسکرت چندن) تنبول (سنسکرت [illegible]) کافور (سنسکرت [illegible]) قرنفل (سنسکرت [illegible]) نیلوفر (سنسکرت [illegible]) جائفل (سنسکرت [illegible]) اطریفل (سنسکرت [illegible]) وغیرہ

"قرآن پاک میں تین ہندی الفاظ" کے زیر عنوان سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

> "ہم ہندیوں کو فخر ہے کہ ہمارے دیس کے بھی چند لفظ ایسے خوش نصیب ہیں جو اس پاک اور مقدس کتاب میں جگہ پا سکے۔ اس میں شک نہیں کہ جنت کی تعریف میں اس جنت نشان ملک کی تین خوشبوؤں کا ذکر ہے۔ یعنی مسک (مشک) زنجبیل (سونٹھ ادرک) اور کافور (کپور) [2]"

ذیل کے الفاظ بھی عربی میں ہندی الاصل ہیں۔ "شیت" (چھینٹ) زط۔ زوط (جاٹ (قوم)) تکر (ٹھاکر) سینغ (سکھ) رُخ (شطرنج کے مہرے کا نام 'رتھ' سے ماخوذ) اوج (اُچ۔ ہیئت کی اصطلاح)

سنسکرت جیسی دیوبانی بھی ثقافتی نوعیت کے دخیل الفاظ سے خالی نہیں ہے گریرسن، رابرٹ کالڈویل (ROBERT CALDWELL) ایف کیٹل (F. KITTLE) اور

---

[1] زبان شناسی و زبان فارسی از دکتر پرویز ناتل خان لری (مضمون: اقتباس لغت بیگانہ)
[2] عرب و ہند کے تعلقات ص ۱۰۲

ڈاکٹر گنڈرٹ (DR. GUNDERT) نے سنسکرت کے لفظی خزانے میں دراوڑی الاصل الفاظ کا کھوج لگایا ہے۔ سنسکرت میں یونانی، پہلوی اور چینی زبانوں کے دخیل الفاظ کا بھی پتہ لگایا جا چکا ہے۔ اسی طرح یونانی اور لاطینی میں کئی سنسکرت الفاظ ملتے ہیں۔

عربی نے فارسی سے جو الفاظ مستعار لیے ہیں ان کی فہرست خاصی طویل ہے۔ یہاں صرف چند مثالیں پیش ہیں: برکار (پرکار)، بفتہ (بافتہ - ایک قسم کا کپڑا) ابریق (آب ریز بوتا) آفتابہ (آب + تابہ)، دیباج (دیبا)، اسطوانہ (ستون)، فیل (پیل)، سراج (چراغ) جوہر (گوہر)، سنجف (شنگرف) کہربہ (اصل کاہ + ربا = برقی قوت کے معنوں میں) شامیں طاس (تست، تشت جیسے طشت لکھنے لگے) طراز (تراز = نقش) فرسخ (فرسنگ) فولاد (پولاد) لجام (لگام) بستان (بوستان) جوارش (گوارش) وغیرہ [1]

یہی نہیں بلکہ عربی نے دوسری قدیم و جدید زبانوں سے اپنا خزانہ مالا مال کیا ہے علمی اصطلاحیں یونانی سے اور مذہبی اصطلاحات عبرانی اور سریانی سے مستعار لیں۔

بہر تو ہی ثقافتی عاریت جو یک طرفہ نہیں ہوتی اور نہ سیاسی دباؤ کے تحت ہوتی ہے۔ لیکن اتصالی عاریت کا تعلق بالعموم سیاسی حالات سے ہوا کرتا ہے اور وہ یک طرفہ ہوتی ہے۔ ثقافتی عاریت کے برخلاف اتصالی عاریت دور رس اثرات کی حامل ہوتی ہے ثقافتی عاریت ضرورتاً ہوا کرتی ہے۔ لیکن اتصالی عاریت کے پیچھے معاشرتی حیثیت کا احساس کار فرما ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں مستعار لینے والی زبان میں جو بالعموم مفتوحوں اور ثقافتی اعتبار سے کم درجہ کے لوگوں کی زبان ہوتی ہے ایسے الفاظ بھی راہ پاتے ہیں جن کے مترادفات اس زبان میں پہلے سے موجود ہوتے ہیں اور اکثر صورتوں میں اظہار معنی کی زیادہ قوت رکھتے ہیں پھر بھی ترک کر دیئے جاتے ہیں۔ اگر کوئی زبان سیاسی اقتدار کی حامل ہو اور اس کا کسی دوسری زبان سے ایک طویل عرصے کے لیے رابطہ قائم ہو جائے تو موخر الذکر میں اول الذکر کے الفاظ فراخدلی سے قبول کیے جاتے ہیں۔ انگلینڈ میں نارمن فتحیابی اور نارمن سلطنت

---

[1] ماخوذ از لغات جدیدہ طبع سوم ۱۹۲۷ء

کے قیام کے بعد انگریزی میں فرانسیسی الاصل الفاظ کا نفوذ اس کی نمایاں مثال ہے۔ دو زبانوں میں لسانی رابطہ قائم ہونے کی صورت میں اتصالی عاریت کا رخ غالب یا حاکم زبان سے مغلوب یا محکوم زبان کی طرف ہوا کرتا ہے۔ یوریل وینریخ (URIAL VEINREICH) اپنی کتاب (LANGUAGES IN CONTACT) میں لکھتا ہے:

"لسانی اختلاط پر سماجی کنٹرول دو زبانوں پر غیر مساویانہ اثر رکھتا ہے۔ رومانش زبانوں میں جرمن عناصر کے نفوذ کو بغیر کسی روک ٹوک کے انتہائی فراخدلی سے برداشت کیا جاتا ہے لیکن اس کے مخالف رجحان کو یعنی جرمن میں رومانش کے اثرات کو محدود رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جرمن زبان کا علم تہذیب کے لیے ضروری اور لازمی سمجھا جاتا ہے۔"[۱]

زبانوں میں طویل المدت اتصالی رابطے کی صورت میں عموماً ادنیٰ زبان ملکی ہوتی ہے اور اسے بولنے والے اکثریت میں ہوا کرتے ہیں اور اعلیٰ زبان فاتحوں کی ہوتی ہے جو عام طور پر اقلیت میں ہوتے ہیں ایسی دو زبانوں میں رابطہ قائم ہونے سے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں ان کا دار و مدار مختلف النوع عوامل و حالات پر ہوتا ہے۔ اس لیے انھیں ٹکے بندھے اصولوں کی شکل میں پیش کرنا درست نہیں۔ دو زبانوں کے اتصال سے ایک نئی زبان ــ جس کی اساس مفتوحوں کی زبان پر ہوتی ہے۔ پیدا ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔ کبھی کبھی اعلیٰ یا فاتح زبان ادنیٰ یا مفتوح زبان کو کھدیڑ کر اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ لیکن اس صورت میں وہ اپنے اصلی خط و خال باقی نہیں رکھتی۔ بلکہ مفتوح زبان کا لہجہ اور لفظوں میں مفتوحوں کی متعین کی ہوئی معنوی تبدیلیاں قبول کرتی ہے۔ ایک زمانے میں ہندوستان میں فارسی کو درباری زبان کا درجہ حاصل تھا اور ایک عرصے تک ہندی الاصل مسلم دانشور طبقہ شعر و ادب اور علوم و فنون کے لیے اسی زبان کا استعمال کرتا تھا۔ لیکن یہ

---

[۱] LANGUAGES IN CONTACT

ہندوستانی فارسی ایرانی فارسی سے کئی حیثیتوں سے مختلف تھی اور ہندی الاصل فارسی دانوں کے اس دعوے کے باوجود کہ "ملا! شما فارسی را از پیرزالہای خود آموختہ اید و ما از فصحای شما مثل انوری و خاقانی"[۱] وہ استعمال ہند کے طنز اور شیخ علی حزیں جیسے اہل زبان کے طعنوں سے بچ نہیں سکتے تھے۔ البتہ اگر فاتحین ہی یہ زبان استعمال کرتے رہیں اور ان کا تعلق اپنے وطن سے برقرار رہے جہاں اس کی معیاری حیثیت مسلم ہو تو وہ مفتوح زبان سے صرف اس حد تک استفادہ کرتی ہے جس حد تک وہ اپنی پڑوسی زبانوں سے ثقافتی الفاظ مستعار لینے کے سلسلے میں کرتی ہے۔ اسی لیے ایرانی فارسی میں ہندی الاصل دخیل الفاظ کی تعداد صرف گنے چنے الفاظ تک محدود ہے۔ ہندوستان میں فارسی کے قدم اسی وقت اکھڑتے ہیں جب عہد عالمگیری تک پہنچتے پہنچتے اس کا رشتہ ایران سے منقطع ہو جاتا ہے۔ ہندوستان میں فارسی کا خاتمہ اور شاہی خانوادے کا عہد محمد شاہی تک پہنچتے پہنچتے مقامی بولی — کھڑی بولی — کو اختیار کر لینا اس بات کا ثبوت ہے کہ فاتح اور مفتوح کی زبانوں میں تصادم کی صورت میں کبھی کبھی مفتوح کی زبان فاتح کی زبان کو پچھاڑ دیتی ہے اور فاتح اپنے آبا و اجداد کی زبان بھول جاتا ہے۔ یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب اعلیٰ زبان بولنے والے فاتحین اپنے وطن سے دور اور کم تعداد میں ہوتے ہیں اور مفتوحوں سے ازدواجی رشتے قائم کر کے مفتوحہ ملکوں میں بس جاتے ہیں۔ بہرحال فاتح زبان

---

[۱] یہ جملہ مثمر مصنفہ سراج الدین علی خان آرزو سے بحوالہ مباحث (ڈاکٹر سید عبداللہ) صفحہ ۱۰۲ سے نقل کیا گیا ہے۔ غالب نے اپنے ایک خط میں اسے اس طرح نقل کیا ہے — "ابوالفضل نے عرفی کے طنز کے جواب میں کہا، فارسی از انوری و خاقانی فرا گرفتہ ایم و شما از پیرزالان آموختہ اید، عرفی فرمود "انوری و خاقانی نیز از پیرزنان آموختہ اند" ادبی خطوط غالب صفحہ ۵، لیکن ایک دوسرے خط میں غالب پہلا فقرہ ابوالفضل کے بجائے فیضی سے منسوب کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "فیضی بولا جو کچھ تم نے گھر کی بوڑھیوں سے سیکھا ہے وہ ہم نے انوری و خاقانی سے اخذ کیا ہے۔ ادبی خطوط غالب صفحہ ۱۰۱

زندہ رہے یا مفتوح زبان، دونوں صورتوں میں زندہ بچ رہنے والی زبان ہی عاریت کے عمل میں سرگرمی دکھاتی ہے۔ حاوی ہو جانے کی صورت میں مفتوح زبان راہ فرار اختیار کرنے والی فاتح زبان کے لفظی خزانے سے بے شمار دخیل الفاظ لوٹ کر اپنا دامن بھر لیتی ہے۔ دنیا کی کئی زبانیں اس کلیے کو ثابت کرتی ہیں۔ بقول بلوم فیلڈ:

"اگر ادنیٰ زبان زندہ بچ رہے تو اس پر اس تصادم کے نشانات بکثرت دخیل الفاظ کی شکل میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس کی عمدہ مثال انگریزی زبان ہے جس میں نارمن، فرانسیسی کے کئی دخیل الفاظ اور لاطینی فرانسیسی کی نیم عالمانہ لفظیات کی کافی دبیز تہہ ملتی ہے"[1]

فارسی اور اردو بھی اس صورت حال کی نمایاں مثالیں ہیں۔ فارسی کا تصادم ایران میں عربی سے اور ہندوستان میں کھڑی بولی سے ہوا۔ ایران میں وہ مفتوح زبان تھی اور ہندوستان میں فاتح۔ ایران میں اس نے عربی کے بڑھتے ہوئے قدم روک کر اسے شکست دی۔ لیکن ہندوستان میں وہ کھڑی بولی کے ہاتھوں ہار گئی۔ ایک میدان میں مفتوح ہو کر اس نے فاتح کو ہرایا۔ لیکن ہارنے والے فاتح کے خزانے سے اپنا خزانہ جی کھول کر بھر لیا۔ اور دوسرے میدان میں وہ فاتح ہو کر مفتوح سے ہار گئی۔ لیکن جاتے جاتے اپنے خزانے سے بہت کچھ دینے کے بعد رخصت ہوئی۔ فاتح عربی نے پسپا ہوتے ہوئے صرف فارسی ہی کو فیضیاب نہیں کیا بلکہ اندلس اور پرتگال میں یہی تاریخ دہرائی گئی۔ اس نے جاتے جاتے ان ملکوں کی زبانوں کو اپنے خزانے سے اتنا کچھ دیا کہ ان دو زبانوں میں دوزی اور انگلیمن نامی دو صاحبان نے مل کر ایسی لغت مرتب کی ہے جو صرف عربی دخیل الفاظ اور ان کے مشتقات پر مشتمل ہے۔[2] جہاں تک فارسی میں عربی کے دخیل الفاظ کا تعلق ہے ان کے استعمال کے متعلق فرہنگ جامع فارسی۔ انگلیسی کے مرتب سلیمان حئیم لکھتے ہیں:

---

[1] LANGUAGE بلوم فیلڈ، موتی لال بنارسی داس ایڈیشن ۱۹۶۳ء صفحہ ۴۶۴

[2] تمدن عرب صفحہ ۳

" فارسی میں عربی الفاظ کے استعمال کے لیے اصولی طور پر کوئی حد مقرر نہیں کی گئی ہے۔ کیوں کہ عربوں کے نفوذ کے آغاز ہی سے عربی مصادر اور ان کے تمام اوزان بغیر کسی رکاوٹ یا پابندی کے استعمال ہوتے چلے آئے ہیں۔ ہر لکھنے والا عام اس سے کہ وہ شاعر ہے یا مورخ ہر وہ لفظ فارسی میں استعمال کرتا ہے جو اسے سوجھ جائے اور آج عربی زبان فارسی میں اس قدر گھل مل گئی ہے کہ وہ فارسی کے لیے وہی حکم رکھتی ہے جو لاطینی اور یونانی مادے یورپی زبانوں کے لیے رکھتے ہیں۔

......." ایسے اور بھی سینکڑوں عربی مصادر و اوزان ہیں جنھیں ایرانی اپنی تحریروں میں استعمال کرتے ہیں اور اب بھی ان پر روک نہیں لگائی جا سکتی کہ استعمال نہ کریں۔ ..... " لیکن ان کی غرابت کے پیش نظر نیز اس فرہنگ کی عدم گنجائش کا خیال کرتے ہوئے انھیں ترک کر دیا گیا ہے"[1]

ہمایوں فرخ لکھتے ہیں:

" اگرچہ سامانیوں اور صفاریوں نے فارسی زبان کی ترویج و اشاعت شروع کر دی تھی اور اس کے احیاء کے لیے قدم اٹھائے تھے۔ لیکن پہلی صدی ہجری ہی میں فارسی کے اکثر الفاظ بھلا دیے گئے تھے اور اسی زمانے میں عربی الفاظ نے ان کی جگہ لے لی تھی"[2]

فارسی پر عربی کے اس حد تک اثر انداز ہونے کے متعدد اسباب ہیں۔ ایک بڑا سبب تو یہ ہے کہ یہ فاتحوں کی زبان تھی۔ دوسرا سبب مذہب ہے۔ عربی اس مذہب کی نمائندہ زبان تھی جسے پورے ایران نے قبول کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ جب عرب ایران میں

---

[1] فرہنگ مذکور۔ دیباچہ ص۴ اور ص۲۰، اصل اقتباس فارسی

[2] دستور جامع زبان فارسی ص۴ اصل اقتباس فارسی

نا تخانہ داخل ہوئے تو اس وقت ایران میں متعدد بولیاں رائج تھیں اور وہ لسانی وحدت سے محروم تھا۔ صرف فارسی دری (یا ' پارسی') کو اہمیت حاصل تھی جو خطۂ 'فارس' میں بولی جاتی تھی اور اس کا رسم الخط انتہائی پیچیدہ اور رموز تھا۔ دین اسلام قبول کرنے کے بعد جب ایرانیوں نے اپنا رسم الخط عربی رسم الخط کی وضع پر ڈھالا تو اس کے نتیجہ میں فارسی پر عربی اثرات کی رفتار حیرت انگیز طور پر تیز ہو گئی اور ایران میں عربی زبان نے اس قدر فروغ پایا کہ محکوموں کے درمیان حاکموں کی زبان کی اس حد تک مقبولیت کی بہت کم مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں۔ بقول رضازادہ شفق:

> "عربی زبان نے ایران پر اپنا اثر اس قدر ڈالا اور دو سو سال کی مدت میں عربی زبان نے ایران میں ایسا رواج پایا کہ تاریخ عالم میں اس کی نظیر شاید ہی کہیں ملے۔ بہت سے ایرانی عالموں نے اس زبان میں شعر کہے...... اس زبان میں خط و کتابت کی اور اس زبان کی ترویج و تعلیم میں کوشاں رہے" [1]

عربوں کے استیلا کے بعد بقول محمد حسین آزاد:

> "تقریباً تین سو برس تک زبان مذکور (اشارہ فارسی کی طرف) موت کی نیند سوتی رہی" [2]

اور عرب تسلط کے بعد تقریباً دو صدیوں تک اہلِ ایران علمی و ادبی مقاصد کے لیے فاتحین کی زبان عربی کا استعمال کرتے رہے۔ سوائے ان ایرانیوں کے جو اپنے آبائی مذہب پر قائم تھے ایران نے عربی زبان کے بڑے بڑے عالم پیدا کیے۔ جن میں امام ابو حنیفہ، امام غزالی، شہرستانی، زمخشری، بخاری، ابو نواس، ابن موسیٰ خوارزمی، ابن مقفع، طبری، بلاذری، البیرونی، بو علی سینا، اور امام فخر الدین رازی کے نام قابل ذکر ہیں۔ تقریباً تین صدیوں کے بعد مفتوحوں کو اپنی

---

[1] تاریخ ادبیات ایران، مترجمہ مبارز الدین رفعت دہلی ایڈیشن ۱۹۶۹ء ص ۴۳

[2] سخندان فارس، تیسرا لیکچر ص ۴۵

زبان کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے۔ ۳۴۲ھ میں تمام دفاتر فارسی میں ہوئے۔ ۳۵۰ھ میں تاریخ طبری کا فارسی میں ترجمہ ہوا اور بقول آزاد:

"جب کئی سو برس کے بعد سیکھی سکھائی زبان چھوڑ کر اپنے عزیز لوگوں کی بولی بولنے اور لکھنے کا موقع پایا تو طبعی آوازیں پھر نکلنے لگیں"۔[1]

اس کے باوجود عربی الفاظ زبانِ فارسی میں اس حد تک نفوذ کر چکے تھے کہ اس زبان نے اس کی صوتیات اور قواعد کو بھی متاثر کیا۔ مثلاً جمع، سالم و مکسر کے عربی اصول منوّن اور مشدّد کلمات کا بلا تکلف استعمال، عربی صوتیہ /ق/ کا فارسی صوتیاتی نظام میں دخول عربی علاماتِ تانیث اور تثنیہ کا استعمال، مرکبات توصیفی میں صفت و موصوف میں متابعت کی پیروی وغیرہ

اگرچہ فارسی نے عربی خزانے سے بے شمار الفاظ مستعار لے کر اپنا دامن مالا مال کیا۔ لیکن اس نے ان الفاظ کو جوں کا توں قبول نہیں کیا۔ بلکہ اپنے لسانی مزاج کے مطابق ڈھال کر انھیں اپنا لیا۔ حسنِ اتفاق سے فارسی جس خاندان السنہ سے تعلق رکھتی ہے وہ عربی کے خاندان سے قطعی مختلف ہے۔ ورنہ اس کا قوی امکان تھا کہ وہ عرب فتوحات کے سیلاب میں بہہ جاتی اور اپنا انفرادی وجود تک کھو بیٹھتی۔ ہمایوں فرخ نے بالکل صحیح کہا ہے:

"فارسی زبان کا سامی خاندان کی زبانوں سے کسی قسم کا تعلق اور اور رشتہ نہ تھا اور نہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ عربی زبان کو (ایران میں) مہمان کی حیثیت سے آئے ہوئے تیرہ سے زیادہ صدیاں ہو چکی ہیں اور فارسی میں عربی الفاظ نے کثیر تعداد میں اپنی مستقل جگہ بنالی ہے۔ پھر بھی مذہبی و سیاسی اثرات کے باوجود فارسی نے اپنی اساس و انفرادیت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا"۔[2]

---

[1] سخندانِ فارس تیسرا لیکچر صفحہ ۴۶ [2] دستور جامع زبانِ فارسی صفحہ ۱ (اصل اقتباس فارسی)

انفصالی عاریت کے سلسلے میں ہم بتا چکے ہیں کہ مفتوح یا ادنیٰ زبان میں دخیل الفاظ سماجی سیاسی اور تاریخی حالات کے دباؤ سے قبول کیے جاتے ہیں۔ جب یہ دباؤ ختم ہو جاتا ہے اور طوفان گزر جاتا ہے تو یہی دخیل الفاظ ماضی کی ناگوار یادیں بھی بن جاتے ہیں اور نو ترقی یافتہ قوموں کی آنکھوں میں کھٹکنے لگتے ہیں۔ اکثر اوقات اس قوم کے انتہا پسند عناصر جذبۂ قومیت سے سرشار ہو کر انھیں "زبان بدر" کرنے کی منظم تحریک چلاتے ہیں۔ اگرچہ اکثر صورتوں میں یہ الفاظ زبان کا اٹوٹ حصہ بن جاتے ہیں۔ پھر بھی پاک سازی یا خالصیت کا انتہا پسندانہ رجحان سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اس کے ترک بالجبر کا حکم صادر کرتا ہے۔ جرمن زبان نے لاطینی و فرانسیسی دخیل الفاظ کو زبان بدر کرنے کی مہم چلائی۔ یونانی تہذیب کے پرستاروں نے اپنی زبان سے ترکی دخیل الفاظ کو نکال باہر کرنے کی کوشش کی۔ ترکوں اور ایرانیوں نے اپنی اپنی زبانوں کے عربی دخیل الفاظ کے ساتھ کم و بیش یہی سلوک کیا۔ زیکوسلواکیہ کے باشندوں نے جرمن اسمائے خاص کا لفظی ترجمہ کرنے کے بعد ان ناموں کو اس لیے ترک کیا کہ ان کے ذہنوں سے اہل جرمنی کے مظالم کی یاد محو ہو جائے جن کے وہ ماضی میں شکار رہ چکے تھے۔ اردو ہندوستان میں انتہا پسندوں کی نگاہوں میں اس لیے مردود و مطعون قرار پائی کہ اس نے مفرس عربی و فارسی الفاظ کی جی کھول کر پذیرائی کی اور اس طرح غیر ملکی عناصر کی تہذیبی و ثقافتی برتری کی یادیں ہمیشہ کے لیے محفوظ کرلیں۔ اگر یہ دخیل الفاظ اپنی موجودگی سے کسی زبان کے لسانی مزاج کو نقصان پہنچائیں تو انھیں ترک کرنا مناسب بلکہ ضروری ہے لیکن اگر وہ اس زبان میں اس طرح گھل مل گئے ہوں کہ انھیں اس زبان کی بانت (TEXTURE) کو نقصان پہنچائے بغیر الگ نہیں کیا جا سکتا تو ایسی صورت میں ان الفاظ کو ترک کرنے سے ان کا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ البتہ نقصان اسی زبان کا ہوگا۔ اس طرح الٹی گنگا بہانے سے اس زبان کے جلال و جمال کے مٹ جانے کا امکان ہوتا ہے۔

عاریت کبھی کبھی بالواسطہ بھی ہوتی ہے — جسے اصطلاح میں "عاریت بالترجمہ" (LOAN TRANSLATION) کہتے ہیں۔ عاریت بالترجمہ میں غیر زبان کے الفاظ براہِ راست قبول نہیں کیے جاتے بلکہ ان الفاظ کے مفہوم کی ترجمانی کے لیے دیسی مواد سے کام لیا جاتا

ہے۔ بعض صورتوں میں معطی زبان سے محاورے، فقرے اور ضرب الامثال راست مستعار نہیں لیے جاتے۔ بلکہ ان کا لفظی ترجمہ کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً ایرانیوں نے "بالرأس والعین" کا لفظی ترجمہ "بسر و چشم" کیا۔ اور اہلِ اردو نے "سر آنکھوں پر" کر لیا۔ اردو نے اپنے تکوینی دور میں فارسی کے صدہا محاورے بذریعہ ترجمہ منتقل کر لیے۔ جس میں سے کچھ تو رواج پکڑ گئے اور اکثر مسترد قرار پائے۔ گزشتہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ نئے تصورات اور نئی چیزیں اپنے نام بھی ساتھ لاتی ہیں۔ لیکن کبھی کبھی ان ناموں اور اصطلاحوں کے ترجمے کر لیے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی دیسی مواد کی جگہ بدیسی مواد سے کام لیا جاتا ہے۔ یورپ میں نشاۃ الثانیہ کے بعد یورپی اقوام نے سائنسی، ادبی، فلسفیانہ اور فنی تصورات کی ترجمانی کے لیے مردہ کلاسیکی زبانوں مثلاً لاطینی اور یونانی سے الفاظ لے کر انھیں مرکبات کی شکل میں وضع کرنا شروع کیا۔ اور ان نئی اصطلاحوں کو نئے نئے معانی کا حامل بنا دیا گیا۔ ان مرکبات کے لاطینی اور یونانی اجزا کو وہ معانی پہنائے گئے جو اصل زبانوں میں نہیں تھے۔ وضع اصطلاحات کے سلسلے میں ایشیائی زبانوں نے بھی قدیم زبانوں سے یہی کام لیا ہے۔ جہاں تک ہندوستانی زبانوں کا تعلق ہے۔ جدید ہندی، بنگالی، مراٹھی اور گجراتی وغیرہ نے سنسکرت سے اور اردو نے عربی و فارسی سے صرفیے (MORPHEMES -) اور ریشے (STEMS) مستعار لے کر اس طرح کی صدہا اصطلاحیں گھڑ لی ہیں۔

غرض عاریت لسانی تاریخ کے ہر دور اور ہر منزل کی امتیازی خصوصیت رہی ہے۔ جس طرح کوئی قوم یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اس کی تہذیبی اور ثقافتی ترقی میں کسی دوسری قوم کا تھوڑا بہت بھی ہاتھ نہیں رہا۔ اسی طرح دنیا کی کوئی ترقی یافتہ زبان یہ دعویٰ پیش نہیں کر سکتی کہ اس میں غیر زبان کا کوئی لفظ شامل نہیں ہے۔ اردو بھی اس باب میں نہ تو اپنی پاک دامنی کا ادعا کرتی ہے اور نہ اس بات پر شرمندہ ہے کہ اس کے دامن میں رنگ برنگے پھول ہیں۔

اردو کے ذخیرۂ الفاظ میں مختلف زبانوں کے دخیل الفاظ پائے جاتے ہیں۔ اس لیے اس زبان کے متعلق یہ غلط فہمی عام ہے کہ یہ چوں چوں کا مربہ ہے۔ اور اس کا دامن اس قدر

وسیع ہے کہ اس میں دنیا کی ہر زبان کے الفاظ سما سکتے ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر شوکت سبزواری اپنی تصنیف داستان زبان اردو میں فرماتے ہیں:

"منطق کی طرح اردو کٹر اصول پرست نہیں، سیال اور لچکیلی زبان ہے۔ الفاظ کی حد تک اردو آزاد منش اور بڑی ملنسار واقع ہوئی ہے، اس نے ہر زبان سے فیض اٹھایا۔ ہر گوشے سے تمتع حاصل کیا۔ عربی فارسی ترکی، پنجابی، پوربی، برج، پرتگالی، اطالوی، انگریزی، ہر زبان کے لفظ اس نے دل کھول کر قبول کیے، جہاں کوئی لفظ نظر پر چڑھا اس نے آنکھوں سے لگایا۔ اور ادنیٰ تصرف کے بعد اپنا یا۔ اردو کی اس فطرت کو دیکھ کر لوگ طعنہ دیتے ہیں کہ: وہ ست بھیجڑا اناج ہے"۔ [1]

ہمیں اس رائے سے اختلاف ہے۔ بے شک اردو دنیا کی کچھ اور زبانوں کی طرح مخلوط زبان ہے۔ لیکن مخلوط ہونے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ اس میں دنیا کا ہر لفظ سما سکتا ہے۔ یہ تصور کہ اردو دیوانی ہانڈی ہے جس قدر عام ہے۔ اسی قدر غلط بھی ہے۔ زبانیں ان معنوں میں مخلوط نہیں ہوا کرتیں دنیا کی کوئی زبان اس قدر فراخدل ہونا بھی چاہے تو نہیں ہو سکتی۔ ہر زبان کی قوت پذیرائی (POWER OF RECEPTIVITY) لامحدود نہیں ہوا کرتی۔ اس کی کوئی نہ کوئی حد ضرور ہوتی ہے حتیٰ کہ پڈگن (PIDGIN) کریول (CREOL) اور اسپرنٹو جیسی مصنوعی زبان کی بنیاد بھی کسی نہ کسی ایک زبان پر ہوتی ہے۔ پڈگن انگلش کا دارومدار انگریزی زبان پر ہے۔ اسی طرح اسپرنٹو جس میں کئی یورپی زبانوں کے الفاظ شامل ہیں۔ معنیات، صرف و نحو اور صوتیات کے اعتبار سے یورپی زبانوں کے تحت آتی ہے۔ ہائیٹین کریول فرنچ (HAITIAN CREOL FRNCH) بھی شمالی فرانسیسی کی ایک شاخ ہے۔ ماہرین لسانیات کی یہ رائے ہے کہ دنیا کے کسی حصے میں دنیا کی ایسی کوئی مخلوط زبان، جو مختلف زبانوں سے مل

---

[1] داستان زبان اردو کراچی ایڈیشن ۱۹۶۰ء صفحہ ۷۶ - ۱۷۵

کر بنی ہو۔ موجود نہیں۔ جدید البانوی سب سے زیادہ مخلوط زبان سمجھی جاتی ہے۔ اتنی کہ ابھی تک ماہرین لسانیات یہ طے نہیں کر پا رہے تھے کہ یہ زبان کس خاندان السنہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس میں لاطینی کے علاوہ رومانس زبانوں، یونانی، سلیوک اور ترکی کے بے حد حساب دخیل الفاظ ملتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اس میں کئی سو خالص البانوی لفظ بھی مستعمل ہیں۔ اور اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ البانوی زبان ہند یورپی خاندان کی ایک آزاد شاخ ہے۔ دوسری مخلوط زبانوں کی طرح اردو میں بھی مختلف ماخذوں سے دخیل الفاظ آئے ہیں۔ لیکن اس بنیاد پر اس کی لامحدود قوت پذیرائی کا دعویٰ کرنا لسانیات کی ابجد سے اپنی ناواقفیت کا ثبوت دینا ہے۔ دراصل ہر زبان ایک صوتیاتی نظام ہوتی ہے اور اس کے مخصوص صرفی و نحوی قواعد ہوتے ہیں۔ اس سے مل کر ہی اس کی لسانی ساخت بنتی ہے اس ساخت کی تعمیر میں بعض الفاظ تعمیری حیثیت رکھتے ہیں۔ مثلاً افعال، شخصی ضمائر اور حرف وغیرہ، لیکن اکثر الفاظ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس لسانی ساخت کے حدود میں اپنی صوتی و معنوی قدروں کا اظہار کرتے ہیں۔ انھیں ذخیرۂ الفاظ، یا صرف لفظیات، کہا جاتا ہے۔ اس ذخیرے میں صرف بیرونی الفاظ ہی راہ پاتے ہیں۔ جو عموماً اسما و صفات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ عاریت کا عمل اسما و صفات پر زیادہ آسانی سے ہوتا ہے۔ جو کسی زبان کی لسانی ساخت کو نقصان پہنچائے بغیر اس کے لفظی خزانے میں آتے رہتے ہیں اردو کے بھی اپنے تعمیری الفاظ ہیں اور اس کی لسانی ساخت متعین ہے ہر زندہ زبان کی طرح اس کے ذخیرۂ الفاظ میں بھی سیاسی، ثقافتی، اور معاشرتی تبدیلیوں کے زیر اثر رد و بدل ہوتا رہتا ہے۔ یہ درست ہے کہ اردو میں دخیل الفاظ کی کثرت ہے۔ لیکن اس نے صرف وہی الفاظ قبول کیے ہیں جو اس کے مزاج کے عین مطابق ہیں۔ یا جنھیں وہ اپنے مزاج کے مطابق ڈھال سکتی ہے۔ اس لیے اردو چوں چوں کا مربہ ہرگز نہیں ہے۔

اردو میں عربی فارسی کے علاوہ جن دوسری زبانوں کے دخیل الفاظ پائے جاتے ہیں ان میں انگریزی، پرتگالی اور ترکی قابل ذکر ہیں۔ پرتگالی الفاظ کی فہرست "اردو میں دخیل یورپی الفاظ" مرتبہ محمد عمر میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مرتب نے فرانسیسی، ولندیزی،

جرمن اور اطالوی دخیل الفاظ کی مثالیں دی ہیں۔ لیکن چونکہ یہ تمام الفاظ انگریزی کے توسط
سے اردو میں آئے ہیں اس لیے انھیں مفرّج (ANGLICIZED) قرار دیکر انگریزی متصور
کرنا زیادہ مناسب ہے۔ ترکی اور پشتو دخیل الفاظ کے لیے دیکھیے۔ مولانا امتیاز علی عرشی
اور ڈاکٹر ارکان ترکمان کے مضامین۔ مولوی عبدالحق نے "اردو میں دخیل الفاظ" نامی مضمون
میں دو چار چینی ایک دو تامل اور ایک آدھ جاپانی دخیل الفاظ کی نشاندہی کی ہے۔ لیکن
ان کی لسانی اہمیت چنداں نہیں۔ اردو کو موجودہ شکل دینے میں مفرس عربی و فارسی
دخیل الفاظ کا زبردست ہاتھ رہا ہے۔ جس کا تجزیہ آئندہ ابواب میں ملے گا۔

باب دوم

اردو میں مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ کا تاریخی پس منظر

اب یہ بات جاننے کے لیے کسی خاص لسانی بصیرت کی ضرورت نہیں کہ اردو کھڑی بولی کا بدلا ہوا روپ ہے۔ جو ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے قبل بھی شورسینی اپ بھرنش کی کسی نہ کسی شکل میں اپنا وجود رکھتی تھی۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مسلمانوں کے ورودِ ہند کے بعد ہی سے اس نے شمال سے جنوب کی طرف پھیلنا اور اپنا روپ نکھارنا شروع کیا۔ اس لیے ہمارے مورخین اردو زبان کی تاریخ ہندوستان میں مسلم فاتحین کی تاریخ سے شروع کرتے ہیں[1] اس عہد میں جب ہند آریائی زبانیں اپ بھرنش کی سطح سے گزر کر جدید روپ اختیار کر رہی تھیں ہندوستان میں مسلم حملہ آوروں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ یہ بیرونی حملہ آور جو زبانیں اپنے ساتھ لائے ان میں عربی فارسی اور ترکی قابل ذکر ہیں۔ لیکن جس زبان نے اردو کو سب سے زیادہ متاثر کیا وہ فارسی تھی۔ اردو پر عربی اور ترکی کے اثرات بہت کم پڑے۔ اور جو بھی پڑے وہ فارسی کے

---

[1] ڈاکٹر شوکت سبزواری کو اس نظریے سے اتفاق نہیں وہ اردو کے وجود کو مسلمانوں کے داخلۂ ہند سے بہت قبل کی چیز سمجھتے ہیں اور اس کا سلسلہ شورسینی اپ بھرنش کے بجائے پالی سے ملاتے ہیں۔ ان کی رائے میں دو زبانوں کے اختلاط سے کسی تیسری زبان کے پیدا ہونے کا نظریہ ہی مہمل ہے۔ ہم اگلے صفحات میں اس نظریے سے اپنے اختلاف کے وجوہ بیان کریں گے۔

توسط ہی سے پڑے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جب مسلم حملہ آور ہندوستان میں آنا شروع ہوئے اس زمانے میں عربی ایک ترقی یافتہ زبان ہونے کے علاوہ علمی و مذہبی زبان بھی تھی اور یہ زبان مسلم عربوں کے ساتھ جس جس لسانی خطے میں گئی وہاں اس نے اپنے دیرپا نقوش چھوڑے ہیں۔ سیاسی برتری، مذہبی تقدس اور خود اپنے بھرپور لسانی خزانے کے بل پر ادران زبانوں کی کم مایگی کی وجہ سے جن سے یہ دوچار ہوئی۔ ان پر اس نے اپنے دور رس لسانی اثرات ڈالے اس نے ایسی زبانوں پر بھی چھاپے مارے جو اس سے مختلف خاندانوں کی تھیں۔ اس لیے وہ اگرچہ انھیں پچھاڑ نہیں سکی۔ پھر بھی ان کے رگ و ریشے میں ضرور سرایت کر گئی۔ اس نے فارسی اور ترکی دونوں زبانوں کو کافی حد تک متاثر کیا۔ اس کے اسباب سیاسی، مذہبی اور ثقافتی ہونے کے ساتھ لسانی بھی ہیں۔ لیکن ایران میں تقریباً تین صدیوں تک علمی و ادبی حلقوں میں رائج کرنے کے باوجود وہ مقامی زبانوں کو ہٹا کر ان کی جگہ نہیں لے سکی اور جس زمانے میں ایران سے مسلم فاتحین کی ہندوستان میں آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس وقت ایران میں سامانیوں کے حسن توجہ سے فارسی نے اپنا جائز مقام حاصل کرنا شروع کر دیا تھا اور اعلیٰ ادبی سطح پر اپنا وجود منوانے کی جدوجہد میں مصروف تھی۔ تاریخ طبری اور تفسیر طبری کے فارسی ترجمے عالم وجود میں آ چکے تھے اور رودکی کی غزل سرائیوں سے ایوانِ ادب گونجنے لگا تھا۔ عہد سامانی میں عربی داں ایرانی علما کی بھی کمی نہ تھی۔ لیکن فارسی زبان ایرانی دربار میں باریاب ہو چکی تھی۔ ہندوستان پر شمال سے حملہ کرنے والا مسلم فرماں روا محمود غزنوی جسے عباسی خلیفہ سے "یمین الدولہ، امین الملک" کا خطاب ملا تھا۔ فارسی زبان و ادبیات کا بڑا قدرداں تھا۔ اسی نے عنصری، فرخی اور فردوسی جیسے شاعروں کی سرپرستی کی تھی اور خود بھی فارسی پر عبور رکھتا تھا۔ عربی زبان، سامی خاندان السنہ سے تعلق رکھنے کی بنا پر کبھی بھی ہند ایرانی لسانی خطے میں بول چال کی زبان کا مقام حاصل نہیں کر سکی۔ اور مسلم فاتحین کی شمال کی طرف سے ہندوستان میں آمد کے بعد بھی وہ اگرچہ ہندوستان میں علمی و مذہبی حلقوں میں رائج رہی لیکن شمالی ہند کی بولیوں پر اس کا براہ راست اثر بہت کم

پڑا۔ اگرچہ ہمیں یہ تسلیم کرنے میں عذر نہیں کہ ہندوستان میں عہد غزنی سے لے کر قیام "سلطنت دہلی" کے ایک عرصہ بعد تک یعنی کم از کم حملۂ تیموری تک ہندوستان میں عربی کا تسلط برقرار رہا۔ محمود غزنوی کے علاوہ سلاطین دہلی مثلاً شمس الدین التمش، علاؤ الدین خلجی، غیاث الدین تغلق، اور محمد بن تغلق عباسی خلفاء سے خلعت و خطاب حاصل کرتے تھے اور ان خلفاء کی سیادت و قیادت کو تسلیم کرتے تھے[1] لیکن اس کے باوجود جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں، شمالی ہند کے مسلم حکمرانوں میں فارسی کے مقابلے میں عربی کا اثر محدود تھا۔ کیوں کہ دربار کی زبان فارسی تھی اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو کے ارتقاء میں عربی نے براہ راست حصہ نہیں لیا ہے۔ البتہ اردو کے لفظی خزانے میں ایسے عربی دخیل الفاظ کی کثرت ہے جو مفرس عربی ہیں۔

اب ترکی کو لیجیے۔ جو مسلم حملہ آور ہندوستان آئے۔ ان میں اگرچہ ترکوں کی اکثریت تھی۔ لیکن اردو پر اس کے لسانی اثرات صرف چند دخیل الفاظ تک محدود ہیں۔ خود اردو کا نام ۔ اردو ۔ ترکی لفظ ہے۔ خاندان غلاماں کے تمام بادشاہ ترک تھے۔ غیاث الدین تغلق قرونیہ ترکوں میں سے تھا[2]۔ اس خانہ بدوش قوم نے چھٹی صدی عیسوی ہی میں منگولیا اور چین کی شمالی سرحد سے لے کر بحر اسود تک وسیع سلطنت قائم کر لی تھی مغربی ایشیا اور مشرقی یورپ پر ترکوں کے متعدد شدید اور تباہ کن حملے شروع ہوئے اور خلیفہ ولید بن عبدالملک (۷۰۵ - ۷۱۳) کے عہد میں انھوں نے تاشقند، کاشغر، کاشان، فرغنہ بخارا، بارغیس، سغد، خوارزم اور سمرقند وغیرہ پر حملہ کر کے بیشتر علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا قبول اسلام کے بعد ترکوں کا اثر و نفوذ عہد عباسیہ کی فوج میں بڑھ گیا تھا۔ کیوں کہ وہ بالعموم سپاہی پیشہ ہوتے تھے۔ لیکن یہ تاریخی حقیقت قابل غور ہے کہ ترکوں اور

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے "سلطنت دہلی کا نظم و نسق اور اس پر عباسی اثرات" از پروفیسر ڈاکٹر سید عبدالباری، مطبوعہ "سب رس" مارچ ۱۹۵۲ء

[2] اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد چہارم کراچی ص ۴۸

ترکمانوں کی طویل المدت حکمرانی کے باوصف ترکی زبان ایک عرصہ تک صرف بول چال کی زبان رہی اور اس کی علمی و ادبی ترقی تاخیر سے شروع ہوئی۔ ہندوستان میں ترکی النسل مسلمانوں کے حملوں کا آغاز تقریباً گیارہویں صدی سے ہوتا ہے۔ لیکن اس وقت تک ایشیائے کوچک میں ترکی ادب کی ابتدا بھی نہیں ہوئی تھی ۔ بقول مؤلف دائرہ معارف اسلامیہ:

"یہ ہمیں تحقیقی طور پر معلوم نہیں کہ آیا اس ادب کا آغاز تیرہویں صدی سے پہلے ہو چکا تھا یا نہیں۔ یہ البتہ ہمیں معلوم ہے کہ ..... تیرہویں صدی میں .... علم و ادب نے ایشیائے کوچک میں معتد بہ ترقی کی اس علمی و ادبی تحریک کے بعض آثار عربی میں لکھے گئے۔ لیکن زیادہ تر فارسی میں تلمبند ہوئے ...... ادبی زبان کا مرتبہ حاصل کرنے کے لیے اناطولی ترکی کو عربی و فارسی سے عرصے تک مقابلہ کرنا پڑا ہوگا۔ عربی کا غلبہ تو صاف ظاہر ہے .... فارسی کا اثر اس سے بھی زیادہ تھا.... ترکی زبان کا استعمال غالباً صرف اسی وقت ہوتا تھا جب عوام سے معاملہ پڑتا تھا..... "ایشیائے کوچک کی اعلیٰ تہذیب زیادہ تر ایرانی نمونے کی تھی"۔

ترک حکمرانوں کے عہد میں فارسی کے بڑے بڑے شاعر مثلاً ناصر خسرو، خیام انوری، معزی، عطار اور ان کے علاوہ امام غزالی جیسے جید عالم پیدا ہوئے تھے۔ جلال الدین رومی، قونیہ کے سلجوقی خاندان کی سرپرستی میں تھے۔ تیموری اصلاً ترک تھے۔ لیکن انھوں نے بھی فارسی زبان و ادب کی ترقی میں جی کھول کر حصہ لیا۔ اور ان کے عہد میں سعدیؔ، حافظ اور جامی جیسے عظیم شاعر اور کئی مورخ پیدا ہوئے۔ بقول ڈاکٹر مسعود حسین خان:

"ترکوں نے فارسی کو علمی حیثیت سے اس طرح اپنایا کہ ترکی

بولیاں صرف گھر اور بازار میں محدود ہو کر رہ گئیں۔ نواح کابل و غزنی میں اس کا ذفارسی کا) سابقہ ایرانی زبان کی دور افتادہ بولی افغانی (پشتو) سے پڑتا ہے۔ جو ترکی بولیوں کی بہ نسبت زیادہ آسانی سے مطیع ہو جاتی ہے۔

چنانچہ مشرقی ایران، سمرقند و بخارا اور کابل و غزنی میں یہ تہذیبی اور لسانی شکل مرتب ہو جانے کے بعد ہی اسلامی فارسی ترک افغان قیادت میں محمود غزنوی کے فتوحات کے ذریعہ ہندوستان میں داخل ہوتی ہے[1]

اس تفصیل سے صاف ظاہر ہے کہ ترکی النسل حکمراں فارسی کو ترکی سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اور ہندوستان میں ان کے درباروں کی زبان فارسی ہی رہی اور انھوں نے فارسی ہی کی ترویج واشاعت میں حصہ لیا۔ اردو میں جتنے بھی ترکی دخیل الفاظ ملتے ہیں وہ فارسی ہی کے راستے سے آئے ہیں۔ اسی طرح افغانی حکمرانوں نے بھی پشتو کی جگہ فارسی ہی کو ثقافت اور ادب کی زبان سمجھا الغرض کھڑی بولی کو جس زبان نے براہِ راست متاثر کیا ہے وہ عربی آمیز فارسی ہی ہے۔ یوں تو اسلامی فارسی نے ہندوستان کی مختلف زبانوں کو بڑی حد تک متاثر کیا ہے جن میں بنگالی، مراٹھی، پنجابی اور گجراتی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ لیکن وہ زبان جسے عربی آمیز فارسی نے اس حد تک متاثر کیا کہ وہ لسانی نقطۂ نظر سے بھی ایک نئی زبان کہلانے کی مستحق بنی، دہلی اور نواح دہلی میں بولی جانے والی وہ کھڑی بولی تھی۔ جسے امیر خسرو اور ان کی تقلید میں ابوالفضل نے "زبان دہلوی" کے نام سے موسوم کیا ہے۔

ہمارے بزرگوں میں میر امن نے اردو کا زمانۂ پیدائش عہد اکبری میں (دیکھیے مقدمۂ باغ و بہار) اور سر سید احمد خان نے عہد شاہجہانی میں (ملاحظہ ہو آثار الصنادید حصہ سوم) متعین کیا ہے۔ لیکن بعد کے علماء (مثلاً حافظ محمود شیرانی (پنجاب میں اردو) ڈاکٹر محی الدین زور (اردو شہ پارے) پنڈت کیفی (کیفیہ) اور ڈاکٹر مسعود حسین خان (مقدمۂ تاریخ زبان اردو) نے اردو کے مقام پیدائش پنجاب یا دلی اور زمانۂ پیدائش عہد غزنوی و عہد غلاماں

---

[1] ہندوستان میں اردو کا عروج و زوال۔ شعر و زبان ص ۳۵-۳۴

میں متعین کیا ہے اور اس طرح اردو کے ماضی میں تقریباً ٥٠٠ سال کا اضافہ کر کے اس کا رشتہ شورسینی اپ بھرنش تیسری پراکرت سے ثابت کیا ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں شمالی ہند میں یہ لگ بھگ پانچ صدیاں اردو کے صرف تکوینی دور سے تعبیر کی جا سکتی ہیں۔ اور اس کے ادب کی تاریخ ۱۳۲۷ء کے بعد کسی وقت متعین کی جا سکتی ہے۔ جب محمد تغلق دہلی سے دیوگری اپنا دارالخلافہ منتقل کرتا ہے اور گجرات میں حملۂ تیموری یعنی ۱۳۹۸ء کے بعد یہ تاریخ تلاش کی جا سکتی ہے۔ جب دہلی اور نواح دہلی کے باشندوں کی کثیر تعداد تلاش امن میں گجرات پہنچتی اور وہیں بس جاتی ہے۔ البتہ اردو زبان کی صبح کاذب عہد شاہجہان کے بعد غالباً اوائل عہد عالمگیری میں دہلی میں طلوع ہوتی ہے اور شمال میں اس کے ادب کی تاریخ (عہد جہانگیری میں افضل کی بارہ ماسہ کے استثناء کے ساتھ) عہد عالمگیری ہی میں کسی وقت شروع ہوتی ہے۔ اور عہد محمد شاہی میں اس کے خط و خال متعین ہو جاتے ہیں۔

شمالی ہند کی بولیوں کے اسلامی فارسی سے ارتباط کو تین اہم مرحلوں میں اور ہر مرحلے کو دو ذیلی حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ مرحلۂ اول (۲) ۷۱۲ء ۔ ۹۹۹ء

شمالی ہند میں مسلمان فاتحانہ حیثیت سے اس وقت قدم رکھتے ہیں جب محمد بن قاسم سندھ کو ۷۱۲ء میں فتح کرتا ہے اور یہاں عربوں کی حکومت تین صدیوں تک قائم رہتی ہے۔ اور اس زمانے کے سیاحوں مثلاً ابن حوقل اور اصطخری وغیرہ کے بیانات سے یہ واضح ہے کہ عربی زبان سندھ میں اپنا سکہ بٹھا چکی تھی۔ اور خلافت عباسیہ میں کئی ہندو علماء، فضلا، حکماء اور اطبا کی دربارِ بغداد میں موجودگی یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ لوگ عربی زبان سے واقف تھے اور قیاس یہ ہے کہ یہ لوگ سندھ سے وارد بغداد ہوئے تھے۔ کیوں کہ :۔

"عباسیوں کے عہد کی عربی کتابوں میں سندھ کے اہل علم
اور ارباب قلم کے نام ملتے ہیں"۔ [۱]

اور صفاریوں کے فتح سندھ کے بعد ایرانی اثرات نے بھی اس علاقے میں نفوذ کیا تھا اور
"سندھ اور بلوچستان میں فارسی کا اچھا خاصہ رواج تھا"۔ [۲]

لیکن ان اثرات کا براہ راست تعلق سندھی، ملتانی، بلوچی اور مکرانی جیسی زبانوں سے تھا جن کا صوتی و صرفی نظام اُس زبان سے مختلف ہے جس کی ترقی یافتہ صورت زبان اردو ہے۔ اس لیے ہم بحث کے اس پہلو سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔ یہاں یہ بات بتا دینا غالباً بے محل نہ ہوگا کہ علاقۂ سندھ میں عربوں کی سہ صد سالہ حکومت کے باوجود عربی کا اثر یہاں کی اور نواحی علاقوں کی زبانوں پر بہت کم پڑا۔ اور ابن حوقل اور اصطخری کے بیانات صرف اعلیٰ سوسائٹی اور عرب خاندانوں کے مشاہدات پر مبنی ہوں گے۔ کیوں کہ عربی کا رواج اعلیٰ سوسائٹی تک محدود تھا۔ بقول ڈاکٹر ہر دیو بہری:

"حکومت کا عام انتظام برہمنوں کے ہاتھ میں تھا۔ عرب حکمراں فیاض تھے اور انھوں نے یہاں کے قدیم رسوم اور قدیم اداروں کو قائم رکھا۔ بقول ایلیٹ "عربوں نے اہل روما کی حکمت عملی کی تقلید کرتے ہوئے مقامی عمال کو متعین کیا تھا"۔ [۳]

(ب) ۹۹۹ء تا ۱۲۰۵ء

ہندوستان میں محمود غزنوی کے حملوں کا آغاز ۹۹۹ء سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد سے اسلامی فارسی اور پنجاب کی بولیوں کے درمیان ارتباط قائم ہوتا ہے۔ یہ ارتباط تقریباً

---

[۱] اور [۲] ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، ڈاکٹر سید عبداللہ، انجمن ترقی اردو ایڈیشن ۱۹۴۲ء صـ ۱

[۳] PERSIAN INFLUENCE ON HINDI

پونے دو سو سال تک قائم رہتا ہے۔ اس طویل عرصے میں مسلمانوں کی کثیر تعداد بسلسلۂ تجارت و فوجی ملازمت لاہور میں آباد ہو جاتی ہے اور اس طرح پنجابی اور اسلامی فارسی کے درمیان اختلاط کے مواقع پیدا ہو جاتے ہیں۔ مشہور ہے کہ عہد غزنوی میں خواجہ مسعود سعد سلمان ہندی میں اپنا ایک دیوان مرتب کرتے ہیں جس کی اطلاع محمد عوفی لباب الالباب میں دیتے ہیں اور تائید امیر خسرو دیباچۂ غرۃ الکمال میں کرتے ہیں۔ لیکن ہماری رائے میں مسعود کا بزبان ہندی دیوان مرتب کرنا مستبعد ہے۔ رشید ہاشمی مرتب دیوانِ مسعود سعد سلمان، مسعود کے ہندی دیوان کو مشکوک بتاتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ نہ امیر خسرو نے اس دیوان کو دیکھا تھا۔ نہ عوفی نے۔ ہو سکتا ہے کہ مسعود نے بزبان لاہوری کچھ اشعار کہے ہوں۔ بہرحال عہد غزنوی میں شمالی ہندوستان میں فارسی کو فروغ حاصل ہوا اور غزنین اور لاہور میں شعرائے فارسی اتنی کثیر تعداد میں تھے کہ عوفی نے لباب الالباب میں ان کے لیے ایک مستقل فصل قائم کی ہے۔ ان حالات کی روشنی میں مصنف پنجاب میں اردو یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ:

> "اس عرصے میں مسلمان اور ہندو قوم کی ایک نئی زبان کا پیدا ہونا لازمی بات ہے۔" [1]

لیکن حافظ صاحب کی یہ قیاس آرائی خوش فہمی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ کیوں کہ ایک طویل عرصے تک دو زبانوں کے پہلو بہ پہلو ہونے سے یہ ضروری نہیں کہ لازماً ایک نئی زبان پیدا ہو۔ بقول وینرخ:

> "ارتباط لسانی کی کچھ صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں ایک نئی تیسری زبان پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن دیگر صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں یہ نئی تیسری زبان پیدا نہیں ہوتی۔" [2]

ہم سمجھتے ہیں کہ پنجاب میں عہد غزنوی میں ایک نئی زبان کے پیدا ہونے کے امکانات ہی نہیں تھے۔ حکمراں طبقہ تازہ ولایت تھا۔ کوئی تعجب نہیں اگر اس نے اپنی مادری زبان کو مقامی

---

[1] پنجاب میں اردو صفحہ ۶۳، ۶۴
[2] LANGUAGES IN CONTACT URIAL WEIGNREICH ص ۵

اثرات سے محفوظ رکھنے کی شعوری کوشش کی ہو۔ مسعود سعد سلمان پنجاب میں پیدا ہوئے تھے اور انھوں نے لاہور کو مادرِ وطن بھی کہا ہے۔ لیکن ان کے فارسی دیوان میں مقامی زبان کے صرف دو دخیل الفاظ ملتے ہیں۔ (۱) برشگال اور (۲) مارا مار۔ وہ بھی اس طرح کہ برشگال سے سنسکرت (वर्षाकाल) کی تفریس ہے اور چونکہ یہ موسم ہندوستان کے لیے مخصوص ہے اس لیے اسے اصطلاح کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ "مارا مار" کا محل استعمال بھی مخصوص ہے۔

"چو رعد از ابر بغرید کوس محمودی، برآمد از پس دیوار حصن "مارا مار"

بلاشبہ محمود اور اس کے جانشین ہندوؤں کو فوج میں ملازم رکھتے تھے لیکن ان کی زبان سمجھنے اور انھیں زبانِ فارسی سمجھانے کے لیے ترجمان بھی تو مقرر تھے۔ صرف راجگانِ ہند سے خط و کتابت کے لیے "تلک" کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ اہالیانِ غزنہ میں یقیناً سیاسی منافرت رہی ہوگی۔ جس کا ذکر خود حافظ صاحب نے کیا ہے۔ اور اسی جذبے کے ماتحت وہ الگ تھلگ رہے ہوں گے۔ جہاں تک ہندوؤں کا تعلق ہے، انھیں صرف عہدِ غزنوی میں نہیں بلکہ عہدِ اکبری تک فارسی جانے بغیر سرکاری ملازمتیں خصوصاً صیغۂ مال میں مل جاتی تھیں۔ عوفی نے تذکرۂ لباب الالباب میں غزنہ اور لاہور کے فارسی گو شعرا کا تو ذکر کیا ہے۔ لیکن اس فہرست میں بقول ڈاکٹر سید عبداللہ "ہمیں کسی ہندو شاعر کا تذکرہ نہیں ملتا۔" حافظ صاحب نے صوفیائے کرام کی تبلیغی سرگرمیوں کا بھی حوالہ دیا ہے۔ لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ ان صوفیائے کرام نے تبلیغ کے لیے مقامی بولی ہی کا استعمال کیا ہو۔ جیسا کہ بہار گجرات اور دکن میں کیا گیا۔ حافظ صاحب نے کھڑی اور پنجابی میں جو صرفی قواعد کا اشتراک متعدد مثالوں کے ذریعہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے تو یہ اشتراک اس عہد کی ایک ہی خاندان کی دیگر زبانوں میں بھی ملتا ہے۔ اور اس سے کھڑی بولی اور پنجابی کا صرف متحد الاصل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کھڑی بولی پنجاب میں بولی جاتی تھی اور اس میں فارسی کی آمیزش سے اردو زبان پیدا ہوئی۔

مرحلہ دوم (۲):

معزالدین غوری نے (جو شہاب الدین غوری یا محمد غوری کے نام سے مشہور ہے) راجپوتانے پر پہلا حملہ ۱۱۹۱ء میں کیا تھا اور پرتھوی راج چوہان سے شکست کھانے کے بعد دوسرے ہی سال اسی راجہ کو شکست دی اور قطب الدین ایبک کو مفتوحہ علاقوں کا حاکم مقرر کیا۔ قطب الدین ایبک کے زمانے میں جب مسلم حکومت کا دارالخلافہ لاہور سے دلی منتقل ہوتا ہے تو:-

> "مسلمان پنجاب سے فارسی آمیز جدید پنجابی بولتے ہوئے دلی میں داخل ہوتے ہیں۔ دلی اور اس کے اطراف میں ان کی مڈبھیڑ کئی بولیوں سے ہوتی ہے۔ آس پاس کے علاقوں میں ہریانی اور کھڑی کی قدیم شکلیں رائج ہوں گی۔ چونکہ کسی قدیم زمانے میں مشرقی پنجابی خود انہی دونوں بولیوں کے زیر اثر پیدا ہوئی تھی اس لیے پنجابی بولنے والوں کو برج بھاشا کی نسبت کھڑی اور ہریانی اپنی زبان سے زیادہ قریب نظر آتی ہیں، اس لیے ان کی نظر انتخاب غیر شعوری طور پر برج کے مقابلے میں ان بولیوں پر پڑی۔ جسے وہ بہت جلد بولنا سیکھ گئے اور جس کی ابتدائی شکل کو انھوں نے اپنی لغت اور محاورے سے بھی متاثر کیا"۔ [1]

جہاں تک پنجاب کے علاوہ دوسرے لسانی خطوں کا سوال ہے۔ ہماری رائے میں اس عہد میں سلطنت غزنہ میں پنجاب کے شامل ہونے (۱۰۲۴ تا ۱۱۵۱ء) کی وجہ سے جہاں تک مقامی زبانوں پر فارسی کے اثرات کا تعلق ہے مدھیہ پردیش کی زبانیں، (راجستھانی، مشرقی و مغربی ہندی وغیرہ) غیر متاثر تھیں۔ ان زبانوں پر فارسی کے اثرات ثابت کرنے کے سلسلے میں پرتھوی راج راسو نامی تصنیف کو پیش کیا جاتا ہے۔ جس میں عربی فارسی دخیل الفاظ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ یہ رزمیہ چند بردائی سے منسوب ہے۔ جو پرتھوی راج کا درباری اور اس کا

---

[1] لسانیاتی مقدمہ، ڈاکٹر مسعود حسین خان، علی گڑھ تاریخ ادب اردو، جلد اول

مستور ہیں
نادرست

?

ہم پیالہ و ہم نوالہ تھا۔ ایک اندازے کے مطابق بقول شیرانی "پرتھوی راج راسو میں دس فیصد مفرس عربی و فارسی الفاظ ہیں"۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ پرتھوی راج راسو کے زمانۂ تصنیف میں راجستھانی پر فارسی کے اثرات اس حد تک نہیں پڑ سکتے تھے۔ دس فیصد مفرس عربی و فارسی الفاظ کی موجودگی کو ناقابلِ یقین سمجھنا مناسب ہے۔ صرف یہ کہنا کہ چند ربردائی کے آباؤ اجداد لاہور کے رہنے والے تھے جیسا کہ سر جارس لائل نے کہا ہے کافی نہیں ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ چند ربردائی لاہوری تھا تو بھی ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اس کے مخاطب اور ممدوح دونوں غیر پنجابی اور فارسی سے نابلد تھے۔ لسانی اعتبار سے بھی یہ تصنیف چوں چوں کا مربہ ہے جس میں برج ہریانی اور راجستھانی کے ملے جلے عناصر پائے جاتے ہیں۔ بعض نقادوں کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اس ضخیم تصنیف کا اکثر و بیشتر حصہ الحاقی ہے۔ اس کے بعض حصوں کی تو زبان قدیم ہے۔ لیکن بعض کی جدید۔ شیرانی لکھتے ہیں :۔

> "راسا میں آتشیں اسلحوں کا ذکر بھی موجود ہے جو راسا کے مفروضہ زمانے سے کئی صدیوں بعد ہندوستان میں رائج ہوتے ہیں۔"[1]

اس لیے وہ اسے سولھویں اور سترھویں صدی کی تصنیف بتاتے ہیں۔ لیکن اکثر نقادوں کا یہ خیال ہے کہ یہ کتاب پرتھوی راج کے عہد میں تصنیف ہوئی۔ لیکن بہت بعد تک اس میں بھاٹ شعر اضافے کرتے رہے۔ بہرحال اس عہد میں مقامی بولیوں پر فارسی کے اثرات جاننے کے سلسلے میں یہ کتاب ہمارا ساتھ نہیں دیتی۔

اس سلسلے میں پرتھوی راج کی بہن پرتھا بائی کے ایک خط کا بھی حوالہ دیا جاتا ہے جو لگ بھگ جنوری ۱۱۹۲ء میں لکھا گیا تھا۔ اس خط کو پنڈت کیفی نے کیفیہ میں درج کیا ہے اور ڈاکٹر مسعود حسین خان نے مقدمہ تاریخ زبان اردو میں نقل کیا ہے۔ وہ خط یہ ہے :

---

[1] پنجاب میں اردو ص ۱۵۱

دوسری حضور سمر (جنگ) میں مارے گئے اور ان کے سنگ
رشی کیش جی بھی بیکنٹھ سدھارے۔ رشی کیش جی ان چار لوگوں میں
ہیں جو دلی سے میرے سنگ دہیز (جہیز) میں آئے تھے۔ اس لیے
ان کے بنجوں (دیکھنے والوں) کی خاطری (خاطرداری) راکھنے اور پاچھے
ماراں چیاری گراں (چاکری گر) منشاں (آدمیوں) کی خاطر راکھ جو۔
ای (یہ) مارا جیو کا چاکر ہے جو تھا سو (تم سے) کدی (کبھی) حرام
خوری نیو گا (حرام خوری نہیں کرے گا۔) [1]

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے پنڈت کیفی لکھتے ہیں:

"اس سے بداہت کے ساتھ ثابت ہے کہ رئواس اور
مخدرات تک کی زبان میں اس قدیم زمانے میں عربی فارسی کے
الفاظ اپنائے گئے ہیں"۔ [2]

مسعود حسین خان لکھتے ہیں:

"پنڈت اوجھا اور پروفیسر شیرانی ان پروانوں کی زبان کے
نئے پن کو دیکھ کر انھیں جعلی قرار دیتے ہیں۔ لیکن سمت درج ہونے کی
صورت میں انھیں اب تک صحیح مانا جاتا ہے۔ [3]

ہمارے خیال میں پنڈت اوجھا اور پروفیسر شیرانی کی رائے معقول ہے۔
اس پروانے کی زبان نحوی ترکیب کے اعتبار سے جدید ہے۔ اور انگریزی نحو کی یاد دلاتی
ہے۔ اس پر کسی صورت میں قدامت کا گمان نہیں ہو سکتا۔ کیا ہم یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے
کہ پروانے پر جو سمت درج ہے۔ وہ بھی جعلی ہے؟ پروفیسر شیرانی اس عہد کے

---

[1] ڈاکٹر مسعود حسین خان نے خاطر کی جگہ "کھاتر"، خاطری کی جگہ "کھاتری" اور حرام خوری
کی جگہ "حرام کھوری"، نقل کیا ہے اور یہی مناسب بھی ہے۔ [2] کیفیہ

[3] مقدمہ تاریخ زبان اردو ص ۱۱۳

دوسرے فرامین کو بھی جن میں کچھ فارسی دخیل الفاظ ملتے ہیں اور جنھیں شیام سندر داس نے ۱۹۰۳ء میں شایع کیا تھا جعلی قرار دیتے ہیں۔ راجستھان کے سرکاری کاغذات، فرامین اور کتبات (۱۱۵۰ تا ۱۱۷۵ء) پر ڈاکٹر بہری کے شاگرد راجندر رائے نے تحقیقات کی ہے۔ اس کی روشنی میں ڈاکٹر بہری نے مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ اپنی کتاب (PERSIAN INFLUENCE IN HINDI) میں نقل کیے ہیں۔ اس فہرست کی ایک دل چسپ بات یہ ہے کہ ۱۱۵۰ء سے ۱۴۰۰ء تک کے کاغذات میں صرف یہ تین عربی و فارسی دخیل الفاظ "محمد" "اسلام" اور "سلحدار" ملے ہیں۔

اس عہد کی کچھ اور تصنیفات ہیں جیسے نرپتی نالہ کی بیسل دیو راسو، کھمن دیو راسو، گورکھ ناتھ کی بانیاں وغیرہ جن میں کچھ مفرس عربی اور فارسی دخیل الفاظ ملتے ہیں جیسے چادر، کلا (کلاہ)، منجل (منزل)، نیجا (نیزہ)، نسان (نشان)، ترکس (ترکش)، تیجی (تازی۔ اسپ تازی)، انام (انعام)، محل، تاجنو (تازیانہ) وغیرہ لیکن ان تصنیفات کا اکثر و بیشتر حصہ الحاقی ثابت ہو چکا ہے۔ جنھیں بھاٹوں نے کچھ کا کچھ کر دیا ہے۔ اس لیے ان کی روشنی میں وثوق کے ساتھ یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ اس عہد میں کھڑی، راجستھانی اور دوسری ہندوستانی زبانوں پر اسلامی فارسی کے اثرات کس حد تک پڑے تھے۔ گمان یہی ہے کہ یہ اثرات انتہائی محدود تھے۔

شمالی ہند کی بولیوں پر جن میں اردو کی قدیم شکل کھڑی بولی شامل ہے، اسلامی فارسی کے اثرات صحیح معنوں میں اس وقت شروع ہوتے ہیں۔ جب ۱۲۰۶ء کے بعد 'سلطنت دہلی' مستقل طور پر قائم ہوتی ہے۔ اور دہلی، قنوج، گوالیار، اجین، بہار اور بنارس کے صوبے بدیسی مسلمانوں کے زیر اقتدار آجاتے ہیں۔ خلجیوں نے (۱۲۹۰ تا ۱۳۲۰ء) تیس سال تک حکومت کی اور تغلق خاندان ۱۳۲۰ء سے ۱۴۱۴ء تک حکمراں رہا۔ علاؤالدین خلجی، جلال الدین خلجی کے عہد حکومت میں دکن کی طرف یلغار کرتا ہے اور قلعہ "دیوگیر" (جو اصل میں 'دیوگری' یعنی دیوتاؤں کا پہاڑ تھا) فتح کر لیتا ہے اور اس طرح پہلی بار مسلمان حکمرانوں کے قدم سرزمین دکن میں پہنچتے ہیں۔ تخت دہلی پر قابض ہونے کے بعد علاؤالدین خلجی گجرات پر حملہ کرنے کے لیے ایک فوج روانہ کرتا ہے۔ اور یہ صوبہ دہلی کے زیر اقتدار آجاتا ہے۔ پھر وہ ملک کافور کو دوبارہ دیوگری بھیجتا ہے

جس کے فاتحانہ قدم ورنگل تک پہنچتے ہیں۔ اس طرح زبان دہلوی دکن کا رخ کرتی ہے۔ اس کے بعد سیاست سے زیادہ تاریخ زبان کا ایک انقلابی واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے اور محمد تغلق دہلی سے دیوگری (دولت آباد) کو اپنا دارالخلافہ منتقل کرتا ہے جس کے لسانی اثرات دوررس اور پائیدار ثابت ہوتے ہیں۔ اس کی تفصیل ہم مرحلہ دوم (ب) کے تحت بیان کریں گے۔

قیام سلطنت دہلی (۱۲۰۶ء) سے لے کر امیر خسرو (۱۲۵۳ء تا ۱۳۲۵ء) کے ملک چھجو کی سرپرستی قبول کرنے تک تقریباً ستر سال کا زمانہ ہے۔ اس عرصے میں مقامی زبان کھڑی بولی کا جسم پر اس وقت برج، راجستھانی، پنجابی اور ہریانی کے اثرات نمایاں تھے۔ حکمرانوں کی فارسی سے متاثر ہونا کوئی تعجب خیز بات نہیں۔ البتہ کھڑی بولی پر اثر اندازی کی یہ رفتار اتنی تیز ہرگز نہیں تھی، جتنی عام طور پر سمجھی جاتی ہے۔ امیر خسرو کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی تھی، ان کی والدہ ہندی نژاد تھیں اور ان کی تربیت اپنے ہندی نژاد سیاہ فام نانا عماد الملک کے زیر سایہ ہوئی تھی۔ پھر امیر خسرو کئی زبانوں کے ماہر تھے۔ عربی فارسی اور ترکی کے علاوہ سنسکرت کی بھی شد بد رکھتے تھے۔ جیسے مثنوی نہ سپہر میں وہ ع

کمتر از عربی و بہتر از دری

قرار دیتے ہیں۔ وہ ہندی موسیقی کے رسیا تھے۔ اور اس فن میں بھی انھیں نائک کا درجہ ملا تھا۔ قول، قلبانہ اور ترانہ کے موجد بھی تسلیم کیے جاتے ہیں۔ وہ فارسی راگ راگنیوں سے بھی واقف تھے۔ انھیں اپنے ہندوستانی ہونے پر ناز تھا۔ اس لیے انھوں نے "زبان دہلوی" میں بھی یقیناً طبع آزمائی کی ہوگی۔ غرۃ الکمال کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"جزو چند نظم ہندوی نیز نذر دوستاں کردہ شدہ است"

انھوں نے اپنے فارسی کلام میں چند ہندی الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔ لیکن اس باب میں بڑی احتیاط بھی برتتے تھے۔ اسی دیباچے میں فرماتے ہیں:

"لفظ ہندوی در پارسی لطیف آوردن چنداں لطفے ندارد مگر بضرورت۔ آنجا ضرورت بودہ است آوردہ شد"

چنانچہ انھوں نے اپنے فارسی کلام میں صرف وہی ہندی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جن کا بدل

فارسی میں نہ تھا۔ مثلاً بک، چمپیرہ، چوترہ، گل بیلی، بہرہ (بیڑا) کتارہ وغیرہ انھیں ہندوستانی پھول تو پسند تھے لیکن ان کے ہندی نام نہیں ج

گل مارا ہندی نام زشت است ۔ دگرنہ ہر گلے باغِ بہشت است

محمد حسین آزاد نے آب حیات میں جو نقصے امیر خسرو سے متعلق درج کیے ہیں۔ ان سے ایک عوامی شاعر کی تصویر ابھرتی ہے۔ لیکن امیر کی معاشرتی حیثیت کو دیکھتے ہوئے یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی۔ بہرحال آگے چل کر امیر خسرو کی شخصیت افسانوی (LEGENDARY) حیثیت اختیار کر گئی ہے اور کئی دوسخنے، انمل، پہیلیاں اور مکرنیاں ان کے نام سے منسوب ہوگئیں ہو سکتا ہے کہ انھوں نے کچھ پہیلیاں کہی ہوں کیوں کہ ان میں صنائع لفظی و معنوی کا کمال دکھانے کی صلاحیت تھی۔ لیکن ان سے منسوب اکثر پہیلیوں کی زبان جدید ہے اور ان میں چلم اور بندوق کا بھی ذکر آتا ہے جو عہد خسرو کے بعد کی ایجادات ہیں اس لیے بداہۃً الحاقی ہیں۔ بقول عزیز احمد

"صرف انھی ہندی اشعار کو ہم وثوق کے ساتھ ان کا مستند کلام سمجھ سکتے ہیں جن کو انھوں نے دیباچہ غرۃ الکمال میں پیش کیا ہے۔" [1]

اور یہ کلام اس قدر کم ہے کہ اس کی روشنی میں نہ تو ہم ان کے عہد کی زبان دہلوی کا ٹھیک اندازہ لگا سکتے ہیں اور نہ اس کا کہ وہ کس حد تک فارسی آمیز ہو رہی تھی۔ خالق باری بھی ان کی تصنیف نہیں ہے اگر ہو بھی تو اس کا اکثر حصہ الحاقی ثابت ہو چکا ہے۔

دہلی میں ایک طویل عرصے تک مسلمانوں کی حکومت کے باوجود اور نومسلموں کی روز افزوں تعداد کے باوصف جو مفرس عربی و فارسی الفاظ اس عہد کی زبان دہلوی میں داخل ہو رہے تھے ان کی بنیاد پر اسے اردو نہیں بلکہ اردو کی ابتدائی شکل کہا جا سکتا ہے۔ یہ زبان اسی ابتدائی شکل میں محمد تغلق کے ساتھ دکن پہنچتی ہے۔ جہاں وہ مسلمانوں سے مخصوص ہو کر صوفیائے کرام کی تبلیغی سرگرمیوں اور ہندی نژاد مسلم حکمرانوں کی پشت پناہی سے ادب کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔

---

[1] STUDIES IN ISLAMIC CULTURE IN THE INDIAN ENVIRONMENT OXFORD UNIVERSITY PRESS 1964 PAGE 117.

اس ابتدائی شکل کی تفصیل ہم مرحلہ دوم (ب) کے تحت بیان کریں گے اور پھر مرحلہ دوم (الف) کی طرف رجوع کریں گے۔ تاکہ زمانی تسلسل قائم رہے۔

مرحلہ دوم (ب):

علاؤالدین خلجی کی فتوحات دکن (۱۲۹۲ء تا ۱۳۰۷ء) کے سیلاب کے ساتھ زبان دہلوی کی لہریں دکن میں اپنے عارضی نقوش چھوڑتی ہیں۔ جالنہ (مراٹھواڑہ) میں علاؤالدین کا فوجی کیمپ اور دکن میں ترک امیران صدہ کی موجودگی اس زبان کو دکن میں قیام کا موقع فراہم کرتی ہے۔ [۱] دکن خصوصاً دیوگری میں صوفیائے کرام کی آمد کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ دیوگری دکن کے اس حصے میں واقع ہے جس نے جین مت اور بدھ مت کا عروج و زوال دیکھا تھا۔ اب تک دکن میں صرف شخصی بولیوں نے ہجرت کی تھی۔ لیکن زبان دہلوی کا زبردست سیلاب دکن میں اس وقت پہنچتا ہے جب محمد تغلق دیوگری کو دارالخلافہ بنانے کے لیے دہلی کو اجاڑ دیتا ہے اور صرف حکومت کے کارندوں، فوجیوں اور درباریوں ہی کو نہیں بلکہ اہل دہلی کو حکم سفر دیتا ہے تاکہ دیوگری دہلوی آبادی کی بدولت دلی کا نمونہ نظر آئے۔ [۲] محمد تغلق کے اس اقدام سے دلی اُجڑ گئی تھی اور مورخین کے بیانات کو مبالغہ تصور کرنے کے باوجود یہ ماننا پڑے گا کہ دہلی کی آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ نقل مکانی پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ ان لوگوں میں صوفیائے کرام کی بھی بڑی تعداد تھی۔ جن میں سے اکثر کے مزار آج بھی ضلع اورنگ آباد میں مرجع خاص و عام ہیں۔ یہیں سے اکثر صوفی مزید جنوب کی طرف گلبرگہ، بیجاپور اور دکن کے دوسرے مقامات کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ محمد تغلق کے اس اقدام سے نہ صرف زبان دہلوی کا مستقر تبدیل ہوا بلکہ صوفیوں کی تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے یہ زبان یہاں کے نومسلموں میں بھی مقبول ہوتی گئی اور ایک دو نسلوں کے بعد اُن کے گھروں میں بھی پہنچ گئی۔ اور رفتہ رفتہ دکن کے ہندی نژاد شاہی خاندانوں کی منظور نظر بنی اور قیام سلطنت

---

[۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ "دکنی زبان" از پروفیسر عبدالقادر سروری اردو معلی لسانیات نمبر

[۲] اردو ادب بہمنی دور میں عبدالقادر سروری

بہمنی کے بعد ادب کی منزل میں داخل ہوئی۔ یہ مقام شمالی ہند میں اسے بہت دیر میں حاصل ہوا۔ شمالی ہند میں زبان دہلوی ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی مشترکہ ملکیت تھی۔ لیکن دکن اور گجرات پہنچ کر جہاں مراٹھی، کنڑ اور گجراتی علاقائی زبانوں کی حیثیت سے موجود تھیں۔ یہ زبان دکنی اور گوجری کے علاقائی ناموں کے ساتھ صرف ہندی مسلمانوں کے لیے مخصوص ہو کر رہ گئی۔

زبان دہلوی دکن کی طرح گجرات کا بھی رخ کرتی ہے۔ چونکہ گجرات بحیرۂ عرب سے لگا ہوا ساحلی علاقہ ہے اس لیے طلوع اسلام کے بعد ہی سے اس میں عربوں اور ایرانی النسل مسلمانوں کی آبادیاں قائم تھیں۔ حملۂ تیموری کے بعد ان میں ساکنانِ دہلی کی بھی آمیزش ہوتی ہے۔ جو اپنے ساتھ زبان دہلوی لائے تھے۔ اس ہجرت کے بعد گجرات کے آخری صوبیدار ظفر خان نے خود مختاری کا اعلان کیا اور گجرات ایک آزاد ریاست بن گیا۔ قطب عالم اور ان کے صاحبزادے شاہ عالم کے جو ہندی اقوال مصنف گل رعنا نے نقل کیے ہیں ان سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حضرات گھر میں گجراتی نہیں بلکہ زبانِ دہلوی بولتے تھے اور بھی کئی صوفی واردِ گجرات ہوئے۔ یہ زبانِ دہلوی گجرات میں "بولی گجرات" گجری یا گوجری کہلائی۔ اس زبان میں جیو گام دھنی، قاضی محمود دریائی اور خوب محمد چشتی شاعری کرتے ہیں۔ لغات گجری کی تدوین اسی خطے میں ہوتی ہے۔ مولانا فضل الدین بن قوام الدین اپنی فارسی لغت بحر الفضائل منافع الافاضل یہیں، ۱۴۳۳ء میں ترتیب دیتے ہیں۔ جس میں:

"نہ صرف بہت سے لفظوں کے اردو معنی دیے بلکہ اس میں ایک مستقل باب مندرجہ ذیل عنوان کے تحت مرتب کیا:

"باب چہارم در بعض الفاظ ہندی کہ در نظم ہندی استعمال کنند" [1]

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ دکنی اور گجری دو مختلف بولیاں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی بولی کے دو علاقائی نام ہیں اور ان میں صرف چند علاقائی الفاظ کا فرق ہے۔

۱؎ منقول از "گجرات میں اردو عہد ولی سے پہلے" نجیب اشرف ندوی

مرحلہ دوم (الف) جاری:

دکن اور گجرات سے ہم دہلی کی طرف لوٹتے ہیں خاندان تغلق کے بعد سیدوں نے ۱۴۱۴ء سے ۱۴۵۰ء تک اور ۱۴۵۱ء سے ۱۵۲۶ء تک حکومت کی۔ سکندر لودھی نے پہلی بار ہندوؤں کو فارسی پڑھنے کی طرف رغبت دلائی تو برہمن اور راجپوتوں نے تو اس طرف توجہ نہیں کی لیکن کایستھ اس طرف راغب ہوئے۔ فارسی گو بدیسی مسلمانوں کے داخلۂ ہند کے بعد یہ پہلا موقع تھا جب ہندوؤں کا ایک مخصوص طبقہ فارسی سیکھنے کی طرف مائل ہوتا ہے۔

اسی زمانے میں گرونانک (۱۴۱۲ - ۱۴۷۹) منظر عام پر آتے ہیں اور آدی گرنتھ تصنیف کرتے ہیں جس میں کچھ فارسی دخیل الفاظ جیسے سجدہ، قدرت، پیکامبر (پیغمبر)، سالک صادق شہید، مشائخ، قاضی، ملا، درویش اور شہید وغیرہ مذہبی اصطلاحوں کی حیثیت سے بے تکلفی سے استعمال ہوئے ہیں۔ گرو گرنتھ میں دوسرے گروؤں کی جو تخلیقات شامل ہیں بشمول کلام فریدالدین ابراہیم ان میں بھی کئی مفرس عربی اور فارسی دخیل الفاظ ملتے ہیں۔ کبیر (۱۴۴۰-۱۵۱۵) نے جس زبان میں شاعری کی اسے ملی جلی، سدھکڑی یا پھکڑی بھاشا کہتے ہیں جس میں برج اور کھڑی کی آمیزش ہے۔ کبیر کے کلام میں مفرس عربی و فارسی کے دخیل الفاظ کثرت سے ملتے ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ آج کبیر کا کلام بھی اپنی اصلی شکل میں نہیں ملتا۔ ان کے نام سے ایسے اشعار بھی منسوب کیے گئے ہیں جن میں اذان خالہ زاد بہن سے شادی اور مرغا کھانے کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ کچھ اشعار میں بندوق، تمباکو اور دوربین کا ذکر آتا ہے جو کبیر کے بعد کی چیزیں ہیں۔ اسی لیے کبیر کے اصل کلام سے مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ کی فہرست پیش کرنا ناممکن ہے۔ یہ معلوم کرنا بھی مشکل ہے کہ انھوں نے فارسی پڑھی تھی بھی یا نہیں۔ قیاس یہی ہے کہ وہ ان پڑھ تھے۔ لیکن اولیاء اللہ خصوصاً اپنے پیر شیخ تقی کی صحبت میں رہ کر ممکن ہے انھوں نے مولانا روم، فردوسی، حافظ اور خیام کے فارسی اشعار اور ان کا مطلب سنا ہو کیوں کہ ان کے کلام میں ان شاعروں کے کچھ اشعار کے حوالے یا ترجمے ملتے ہیں۔ شیخ باجن (وفات ۱۵۰۶ء) ہندی کے شاعر تھے وہ اپنی ایک

نظم "صفت دنیا" کی زبان کو زبان دہلوی کہتے ہیں۔ اس نظم میں صرف ایک لفظ "فتنی" ملتا ہے۔ جو فتنہ کی اردو تانیث ہے۔

سلطنت مغلیہ کے بانی بابر کا ایک شعر جو صنعت ذو لسانین میں ہے اور جس میں مانک و موتی اور پانی و روتی جیسے ہندی الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ کافی مشہور ہے۔ ایک شعر میں اس نے چوما دے (بمعنی، بوسہ دے) فارسی چو + ما کی رعایت سے استعمال کیا ہے۔

چو ما دے چو ما مبتلائے توایم

بابر کی تخت نشینی سے سات سال قبل موید الفضلا نامی لغت مرتب ہوتی ہے۔ یہ ذو لسانی لغت ہے جس میں فارسی الفاظ کے ہندی مترادفات دیے گئے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان ہندی مترادفات میں وہ مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ بھی شامل ہیں جو اس وقت کی بول چال کا جزو بن چکے تھے اور ان معنوں میں خود عربی و فارسی میں مستعمل نہیں تھے۔ جیسے انگشتانہ، کچکول، انباری (عماری) بردہ (بمعنی کنیز)، بیت (بید) وغیرہ[1]

اسی زمانے کے لگ بھگ ایک اہم تصنیف پدماوت منظر شہود پر جلوہ گر ہوتی ہے۔ یہ بزبان اودھی ہے۔ اس میں مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ معقول تعداد میں مل جاتے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ فارسی صرف کھڑی بولی ہی کو نہیں بلکہ دوسری جدید ہند آریائی زبانوں کو بھی متاثر کر رہی تھی۔[2]

یوں تو علاؤالدین خلجی ہی کے زمانے میں مولانا فخر الدین مبارک غزنوی قواس (کمان گر) فرہنگ نامہ کے نام سے ایک لغت ترتیب دیتے ہیں جس کی قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فرہنگ نگار نے فارسی الفاظ بالخصوص دواؤں کے ہندی مترادفات بھی لکھے ہیں جس کا مقصد غالباً یہ تھا کہ طب یونانی کے نسخوں میں جن دواؤں کے عربی اور فارسی نام استعمال ہوتے ہیں ان کے ہندی نام بھی معلوم ہو سکیں تاکہ ہندوستانی عطاروں کی

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے "فارسی لغات سے اردو کی قدامت کی شہادت۔ پنجاب میں اردو ص ۲۲۸

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم الحروف کا مضمون پدماوت مطبوعہ نگار۔

دُکان سے خریدنے میں لوگوں کو سہولت ہو اس کے بعد ہندوستان میں متعدد فرہنگیں تالیف ہوئیں۔ جن میں رفتہ رفتہ فارسی الفاظ کے ہندی مترادفات بھی درج کیے جانے لگے۔ مؤید الفضلا کے علاوہ ادات الفضلا اور مفتاح الفضلا میں بھی یہی التزام کیا گیا ہے۔ عہد بابری میں حکیم یوسفی نے ایک منظوم لغت قصیدہ در لغات ہندی کے نام سے قلمبند کیا تھا۔[۱] حافظ شیرازی نے اسی مصنف کی ریاض الادویہ سے فارسی الفاظ کے ہندی مترادفات پنجاب میں اردو میں نقل کیے ہیں[۱]

عہد شیر شاہی میں فارسی کو دھکا پہنچا ہے اور سکندر لودھی کے زمانے میں ہندوستانیوں میں فارسی دانی کی جو مہم شروع ہوئی تھی وہ قدرے ماند پڑ جاتی ہے اگرچہ افغانی بالعموم فارسی نواز تھے۔ لیکن اس دور کے افغان فارسی دانوں کو اپنا دشمن سمجھنے لگے تھے۔ اس عہد کے ایک صاحب لکھتے ہیں:

"بحکم آنکہ جہل و سختی بر افغانان غالب است تا ہر کہ بزبانِ فارسی نطق و تکلم کند اورا دشمن می گیرند"[۲]

لیکن جلد ہی عہد اکبری میں فارسی کا ستارہ چمکنے لگتا ہے اور اس کے پرتو سے مقامی ادبی بولیاں فیض یاب ہوتی ہیں۔

مرحلۂ سوم (الف) ۱۵۶۰ء تا ۱۶۴۷ء

اسلامی فارسی اور مقامی زبانوں کا امتزاج ارتقا کی تیسری منزل میں اس وقت داخل ہوتا ہے جب جہانگیر جی سمراٹ استحکام سلطنت کی خاطر ہندو حکمرانوں کو برابر کا درجہ دیکر ان سے ربط و ضبط بڑھاتے ہیں۔ اکبر سے پہلے بہت سے حکمران آئے اور چلے گئے۔ پانچ صدیوں سے زیادہ کے اس طویل عرصے میں فارسی نہ تو ہندوستان میں مقبول ہوئی اور نہ فارسی

---

[۱] پنجاب میں اردو

[۲] پنجاب میں اردو

الفاظ کو شمالی ہند کی مقامی بولیوں میں سوائے اشد ضرورت کے قبول کیا گیا۔ راجہ ٹوڈرمل نے ملکی حساب کتاب کو فارسی میں لکھنا لازمی قرار دیا۔ اس فرمان کی زد میں وہ تمام ہندو آتے تھے جو صیغۂ مال میں ملازم تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں نے فارسی پڑھنی شروع کردی اور ساتھ ہی ساتھ اکبر کی فیاضیوں سے برج اور اودھی کو بھی زبردست فروغ حاصل ہوا۔ فارسی میں دیگر زبانوں کے علوم کے ترجمے ہوئے۔ سنگھاسن بتیسی، اتھروید، مہابھارت لیلاوتی، نل دمن، تاجک اور ہری بنس کو فارسی کا لباس پہنایا گیا۔ بقول ابوالفضل، ہندوؤں کے لیے جو نصاب مقرر ہوا تھا اس میں ہندی علوم مثلاً "بیاکرن، نیائے، بیدانت اور پاتنجل" کو شامل کیا گیا تھا۔ عہد اکبری میں فیضی، نظیری، عرفی ابوالفضل اور محمد منوہر کے ساتھ ساتھ سورداس اور تلسی داس بھی پھلتے پھولتے ہیں۔ تلسی داس کی تصانیف میں مفرس عربی فارسی الفاظ کثرت سے ملتے ہیں۔ یہی حال سورداس کے کلام کا ہے۔ اکبر نے ہندوؤں سے جو رشتے قائم کیے ان کے دوررس اثرات شاہی خاندان کی زبان پر بھی پڑے۔ اور ان میں بدیسی سے دیسی کی طرف نقل لسانی کا عمل شروع ہوگیا۔ ایک طرف دربار میں برج اور اودھی کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا تو دوسری طرف شاہی محلات میں راجستھانی نے بھی قدم رکھے۔ بقول مولف ظہیر الانشاء

> "شاہزادگان، ہرگاہ اندرون محلسرا رفتند بیک قلم زبان ہندی و چوں بیرون محلسرا خرامیدند زبان فارسی ..... مرکب بہ ہندی شنیدند...... چوں شاہزادگان بہ سن شعور رسیدہ نوبت سریر سلطنت رسید دعر دس ہندی مع ہمراہیان ہندی بمحل داخل کردند لامحالہ بجانب ہندو زبان و زبان ہند غالب تر شدند، ازاں جملہ حکایات و ماندو بود ظاہری اکبر بادشاہ در یش تراشی باد و تاثیرات بیربل فیضی خود بمتون تاریخ مملوست [۱]
> ے۔

---

[۱] منقول از۔ جلوہ خضر، صغیر بلگرامی۔ تحتی حاشیہ صہ ۴۴

اس ملی جلی معاشرت کا اثر فارسی پر بھی پڑنا تھا سو پڑا۔ اس میں ہندی الفاظ اور گنگا جمنی ترکیبیں بے تکلفی سے استعمال ہونے لگیں، محل میں کفش پائے شاہی 'چرن دھرن' بن گیا۔ کفش بردار، 'چرن بردار' کہلایا، آرام و استراحت فرمودن کہنے کی جگہ "سکھ فرمودن" کہا جانے لگا اور دیدارِ شاہی کے لیے 'درشن' وہ کھڑکی جہاں سے بادشاہ عوام کو اپنا دیدار کراتا تھا۔ "جھروکہ درشن" کہلائی۔ برقع 'چتر گپت' موباف 'کیس گھن' اور محل 'بھون' سہ ہزاری، پنج ہزاری اور کروری جیسی اصطلاحیں وضع ہوئیں۔ کرمنگ "سرنگ" بن گیا۔ دولی (ڈولی) کچہری، گزالٹی، چیلہ، دونہ (دونا۔ پتوں کا پیالہ) وغیرہ الفاظ فارسی میں بے تکلف استعمال ہونے لگے۔ جہانگیر 'شیخو جیو' مراد 'پہاڑی' اور شاہجہاں کی منہ بولی اکبر 'شاہ بابا' اور جہانگیر 'شاہ بھائی' کہلایا۔ جہانگیر کی والدہ راجہ بہاری مل والیٔ جے پور کی بیٹی تھی اور خود جہانگیر کی شادی راجپوت گھرانے میں دو مرتبہ ہوئی تھی۔ وہ ایک مخصوص قسم کی شراب کو 'رام رنگی' اور بقول مولف "تاریخ ادب فارسی در عہد سلاطین مغلیہ سنگترے کو "رنگترہ" کہتا تھا۔ (حالاں کہ انشا اور ان کی تقلید میں محمد حسین آزاد "رنگترہ" محمد شاہ رنگیلے کا تصرف بتاتے ہیں)، توزکِ جہانگیری میں جہانگیر مندرجہ ذیل ہندی الفاظ استعمال کرتا ہے: جگت جوت، برکھ (वृक्ष - درخت) لذیذہ (معنوی تغیر کے ساتھ) تمباکو، کنول رس باجرہ وغیرہ۔ ابوالفضل کی تصانیف میں بھی کئی ہندوستانی الفاظ ملتے ہیں۔ بقول سید سلیمان ندوی جہانگیر کے ہمعصر قاسم فرشتہ نے لفظ 'ڈاک چوکی' استعمال کیا ہے۔

عہدِ اکبری و جہانگیری کے ادبی نمونے زیادہ تعداد میں نہیں ملتے۔ مصنف جلوۂ خضر نے اکبر اور نور جہاں سے جو اردو رباعیاں منسوب کی ہیں وہ بداہتہً غلط اور انھیں کی یا کسی اور کی اختراع معلوم ہوتی ہیں۔ عہدِ اکبری میں گنگ کوی نے ایک کتاب "چھند برن کی مہما" کے نام سے کھڑی بولی میں لکھی ہے۔ اس کتاب کے دو اقتباسات ڈاکٹر مسعود حسین خان نے رام چندر شکل کی کتاب "ہندی ساہتیہ کا اتہاس" سے اپنے مضمون 'لسانیاتی مقدمہ' میں نقل کیے ہیں۔ ان میں کچھ فارسی دخیل الفاظ مل جاتے ہیں۔ ان کا تعلق درباری اصطلاحوں سے ہے۔ مثلاً آم (دیوانِ عام) کھاس (دیوانِ خاص) تکھت (تخت) تاجیم (تعظیم)،

پاتساہی برکھاس (برخواست) وغیرہ البتہ بیربل نے جو بھگوت گیتا کا ترجمہ کیا ہے۔ اس میں عربی، فارسی دخیل الفاظ برائے نام ہیں۔ الوری اور سعدی کاکوروی عہد اکبری کے شاعر بتائے جاتے ہیں۔ الوری جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ فیضی کا دوست تھا۔ اس سے تذکرہ نویسوں نے مندرجہ ذیل شعر منسوب کیا ہے۔ ع

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد :: بچارہ لوری نہ کرے ہے نہ ڈرے ہے

اس طرح سعدی کاکوروی سے ایک غزل منسوب ہے جسے انھوں نے ریختہ کہا ہے۔ اور یہ اصطلاح شعر و موسیقی دونوں کے لیے استعمال کی ہے:

قند دیدم برزخت گفتم کہ یہ کیا ریت ہے :: گفتا کہ دور ہو باورے اس شہر کی یہ ریت ہے

ہم نا تمن کو دل دیا، تم دل لیا اور دکھ دیا :: ہم یہ کیا تم وہ کیا ایسی بھلی یہ بیت ہے

سعدی کہ گفتہ ریختہ، در ریختہ، دُر ریختہ :: شعر و سخن آمیختہ، ہم شعر ہے ہم گیت ہے

عہد جہانگیری میں ایک شاعر افضل جھنجھانوی گذرا ہے۔ جسے ڈاکٹر مسعود حسین خان نے بجا طور پر شمالی ہند میں اردو کا پہلا مستند شاعر کہا ہے۔ اس نے بارہ ماسہ لکھی اس سے عہد جہانگیری میں اردو کی ابتدائی شکل کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس تصنیف میں فارسی ترکیبوں کی بہتات ہے۔ ایک مصرع کی بندش آدھی فارسی میں ہے، آدھی ہندی، بیں حتیٰ کہ افعال و ضمائر فارسی تک سے کام لیا ہے۔ کہیں ساکن الاوسط سہ حرفی الفاظ کو متحرک الاوسط کر دیا ہے جیسے درَد (بہ تحریک اوسط) ظُلُم، عَہَد، کہیں فارسی دخیل الفاظ صوتی تبادل کے بعد، استعمال کیے ہیں۔ جیسے نکارا (نقارہ) اندسیا، کاگد، لرجا (لرزہ) وغیرہ، افضل کے بعد کوئی دوسرا شاعر اس روایت کو آگے نہیں بڑھاتا۔ اس لیے ہم محض بارہ ماسہ کے پیش نظر عہد جہانگیری کو اردو ادب کی صبح کاذب کی ابتدا تو نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ صرف اس صبح کے ابتدائی دھندلے آثار کہہ سکتے ہیں۔ مشہور ہندی شاعر بہاری عہد جہانگیری کا شاعر ہے۔ اس کی ست سئی میں بھی اکثر معرّب عربی و فارسی دخیل الفاظ ملتے ہیں۔ راجستھان کے سرکاری کاغذات فرامین اور کتبات میں جو معرّب عربی و فارسی دخیل الفاظ ۱۴۰۰ء سے ۱۶۰۰ء تک کے درمیانی زمانے میں ملتے ہیں۔ ان کی ایک فہرست ڈاکٹر مہری نے رام چندر رائے کے حوالے سے

(PERSIAN ONFLUENCE IN HINDI) میں پیش کی ہے۔ ان کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ راجستھانی میں بھی کئی فارسی الفاظ داخل ہو چکے تھے۔ عہد اکبری و جہانگیری دراصل برج اور اودھی کے عروج کا زمانہ تھا۔ افضل اور گنگ کی کوششوں کے علاوہ اس عہد کی کھڑی بولی کی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔ البتہ دکن میں شاہی سرپرستی کے زیر سایہ یہ زبان عہد اکبری و جہانگیری تک ادبی ترقی کی کئی منزلیں طے کر لیتی ہے۔

ہمارے قدیم مورخ زبان اردو کے آغاز کے سلسلے میں عہد اکبری کے بعد عہد شاہجہانی کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ حالانکہ شاہجہاں کا عہد بھی عہد اکبری و جہانگیری کی طرح برج بھاشا کے عروج کا زمانہ تھا۔ البتہ فرق یہ تھا کہ اب آگرے کی جگہ دلی کو دارالخلافہ بنایا گیا تھا۔ جو کھڑی بولی کا گھر تھا۔ ملا عبدالحمید لاہوری نے بادشاہ نامہ میں لکھا ہے کہ شاہجہاں فصیح و بلیغ فارسی میں گفتگو کرتے تھے۔ لیکن جو لوگ فارسی نہیں جانتے تھے ان سے 'ہندوستانی' میں بات چیت کرتے تھے۔ یہاں 'ہندوستانی' سے کھڑی بولی مراد ہے۔ لیکن شاہجہاں کے دربار میں کھڑی بولی کے نہیں بلکہ برج بھاشا کے مشہور شعرا مثلاً سندر داس مہاکوی رائے اور شرومنی وغیرہ تھے۔ اس لیے ڈاکٹر بنارسی پرساد سکسینہ اپنی تصنیف THE HISTORY OF SHAH JAHAN OF DELHI میں کھڑی بولی کا ذکر کرتے ہوئے بالکل صحیح فرماتے ہیں:

> "اس زبان کی ترقی کا سہرا شاہجہاں کے سر باندھنا غلط ہے کیوں کہ تاریخی شواہد سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ شاہجہاں نے نہ تو اس زبان کی سرپرستی کی اور نہ ہمیں شمالی ہند میں کوئی شاعر یا مصنف جو اس زبان میں نمایاں حیثیت رکھتا ہو ملتا ہے۔" [1]

فارسی کا پہلا صاحب دیوان ہندو شاعر چندر بھان برہمن لاہوری جو شاہجہاں کے دربار سے منسلک تھا۔ اس سے کھڑی بولی میں لکھی ہوئی ایک غزل منسوب کی جاتی ہے۔ جس کے متعلق

---

[1] THE HISTORY OF SHAHJAHAN OF DELHI

پنڈت کیفی فرماتے ہیں:

"بعض محقق اسے اردو کی پہلی غزل مانتے ہیں"[۱]

اس غزل کا مطلع ہے:

خدا نے کس شہر اندر ہمن کو لائے ڈالا ہے ؛ نہ دلبر ہے نہ ساقی ہے نہ شیشہ ہے نہ پیالا ہے

ہمیں یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ "بعض محقق" کون ہیں۔ البتہ دیوان برہمن کے مرتب ڈاکٹر محمد عبدالحمید فاروقی دیوان برہمن کے مقدمہ میں اس غزل کو برہمن کی طرف منسوب کرنے سے انکار کرتے ہیں[۲]۔ ڈاکٹر سید عبداللہ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ میں برہمن کے ترجمے میں اس غزل کا ذکر نہیں کرتے۔ پنجاب میں اردو میں برہمن کا کہیں ذکر نہیں۔ البتہ ایک ریختہ منشی دلی رام سے منسوب کیا گیا ہے۔ جو عہد شاہجہانی میں تھا۔ غالباً پنڈت کیفی ہی کی سند پر مقدمہ تاریخ زبان اردو (مسعود حسین خاں) اور لسانیاتی مقدمہ (مسعود حسین خاں) میں برہمن کی طرف منسوب مذکورۂ بالا غزل نقل کی گئی ہے۔ بہر حال ان دونوں مشتبہ اردو غزلوں کے علاوہ ہمیں عہد شاہجہانی میں کھڑی بولی کا کوئی نمونہ نہیں ملتا۔

مرحلہ سوم (ب)

اب ہم لسانی ارتقا کی اس منزل میں داخل ہوتے ہیں۔ جہاں اردو اپنی موجودہ شکل اختیار کرتی ہے۔ عہد عالمگیری فارسی اور برج بھاشا کے زوال اور کھڑی بولی کے ادبی زبان بننے کا

۱؎ کیفیہ ص ۲۳-۲۴ ۲؎ بقول ڈاکٹر فاروقی "کوئی داخلی یا خارجی شہادت ایسی نہیں ہے جس کی بنیاد پر یہ نتیجہ نکالا جائے کہ برہمن اردو میں بھی داد سخن دیتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ اپنی تحریروں میں اس کا بخوشی ذکر کرتا۔ پنڈت کیفی کے اس دعوے پر کئی مصنفوں مثلاً فرحت اللہ بیگ اور مصنف دلی کا دبستان شاعری نے شک کا اظہار کیا ہے۔

(اصل اقتباس انگریزی) چندربھان ص ۱۱۷

زمانہ ہے۔ بقول ڈاکٹر بنارسی پرساد سکسینہ:

"عالمگیر فارسی اور ترکی کے علاوہ لغت ہندی سے بھی واقف تھا۔"

"عہد شاہجہانی میں ایران سے قریبی تعلق رکھنے کی وجہ سے فارسی تازہ قوت حاصل کرتی رہی تھی۔ عالمگیر کے عہد حکومت میں یہ ربط ٹوٹ گیا اور اس کے بعد اردو شمال میں تیزی سے ترقی کرنے لگی۔ [۱]

عالمگیر فارسی اور ترکی کے علاوہ لغت ہندی سے بھی واقف تھا۔ بقول ملا محمد کاظم مصنف عالمگیر نامہ:

"اگرچہ اکثر اوقات بزبانِ سلیس ملیح فارسی تکلم می نمایند لیکن ترکی جغتائی را خوب میدانند و باجمعی از اہل ہند کہ فارسی نمی دانند یا نیکو نمی توانند گفت بہ ضرورت بہ لغت ہندی لب می کشایند [۲]

عالمگیر کی فارسی پر بھی ہندی اثرات واضح نظر آتے ہیں۔ مثلاً مزہ کچری (کھچڑی)، چہار گری (چار گھڑی) درشنیان، جھروکہ درشن وغیرہ، عالمگیر کی زندگی کا بڑا حصہ دکن میں گزرا ہے۔ جہاں کھڑی بولی راج کر رہی تھی۔ بحری کی من لگن، ۱۷۰۰ء میں لکھی گئی۔ جس میں عالمگیر کی مدح ہے۔ دربار عالمگیری کے معز الدین موسوی خان فطرت سے منسوب ذیل کا شعر تذکروں میں ملتا ہے۔

در زلف سیاہ تو بدل دوم پری ہے ⁂ در خانہ (گلشن) آئینہ گھٹا جوم پری ہے

یوں تو فارسی میں منظوم نصاب کی ابتدا عہد اکبری سے ہو چکی تھی۔ دستور الصبیان ۱۵۸۲ء میں لکھی گئی ہے [۳] اسی طرح عہد شاہجہانی میں لکھی ہوئی ایک منظوم لغت "اللہ خدائی" کی نشاندہی مسعود حسین ادیب کرتے ہیں۔ [۴] اسی زمانے میں ایک اور منظوم نصاب فرح صبیان کے نام سے لکھا جاتا ہے۔ [۵] لیکن عالمگیر کے زمانے میں زبان دہلوی سیکھنے کی طرف

---

[۱] THE HISTORY OF SHAH JAHAN OF DELHI ص ۲۶۱ [۲] عالمگیر نامہ ص ۱۰۹۵ منقول از مباحث ڈاکٹر سید عبداللہ ص ۹۶ [۳] ادب اور لسانیات ابو اللیث صدیقی ص ۱۰۱ [۴] اردو زبان کے لغت ہندوستانی جنوری ۱۹۳۰ء [۵] مباحث ص ۱۱۴

خصوصی توجہ دی جاتی ہے اور درجنوں منظوم نصاب عالم وجود میں آتے ہیں جس سے اس زبان کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے [1]۔ اسی عہد میں تحفۃ الہند لکھی جاتی ہے۔ جس میں لغات و مصطلحات و کنایاتِ اہلِ ہند" کی فصل ہے۔ سید میراں بھیک چشتی عہد عالمگیری میں ہندی کے شاعر تھے۔ اور بقول مصنف پنجاب میں اردو" قوال ان کے شعر اب بھی گاتے ہیں [2]۔ اسی عہد عالمگیری میں عبدی فقہ ہندی کے نام سے ایک منظوم مذہبی رسالہ رقم کرتے ہیں۔ مصنف پنجاب میں اردو نے اس نظم کے کئی اشعار (ص ۶۴-۲۶۱) نقل کیے ہیں۔ انھوں نے فقہ ہندی کی زبان کو" پنجابی اردو" سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن اس اقتباس کو غیر جانبداری سے پڑھنے والا یہی رائے قائم کرے گا کہ یہ زبانِ دہلوی کا نمونۂ عہد عالمگیری ہے۔ ان اشعار میں مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ کثرت سے ملتے ہیں۔ ان میں اکثر دینی اصطلاحیں ہیں اور چند خالص عربی فقرے بھی۔ ان اشعار کے مطالعے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شاہی سرپرستی سے "اردو" ادبی مقام حاصل کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھی۔ منقولہ اشعار میں مندرجہ ذیل مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ ملتے ہیں :-

حمد، ثنا، رب، خالق، کل، جہاں، لائق، علم شریعت، رسول، قبول، پارسا، فضل، سجدہ، درود، نبی، محمد مصطفےٰ، خوشنود آل، اصحاب، تمام، احباب سلام، مسلہ (مسئلہ کی جگہ)، یقین، مطلب، فرض عین، ایمان، بالغ، عورت، مسلمان، قیاس، توحید، نماز، روزہ، حیض، نفاس، فرقہ، دوزخی، تعبۂ شیطان، رافضی، خارجی، جبریہ، مرجیہ، قدریہ، بہشتی، سنت جماعت، امام، رکن اسلام، نام نظام، تفضیل، شیخ، دوستی، داماد، نماز کرنا (نماز کردن سے)، قبلہ، جنازہ، مسح، موزہ عبد، سلطان، راضی، نسخہ، تقدیر، گواہی، گناہ کبیرہ، لازم، اشتراک باللہ، ناحق سحر کرنا (سحر کردن)، غلبیرہ کنارہ، عاق، مسلم، پندار، مال، یتیم، متفق، کبیرا (گناہ کبیرہ)

---

[1] تفصیل ملاحظہ ہو۔ اردو کے بعض قدیم نصاب۔ مباحث سید عبداللہ اور خالق باری حافظ شیرانی۔ [2] پنجاب میں اردو ص ۱۴۸

زنا، خمر، تدبیر، سر، جبہ سائی، رفع کرنا، صاحبِ تدبیر، فرق، جدی [جدا کی اردو تانیث]
رکوع، قعدہ، وقت، حی علی الفلاح، قد قامت الصلوٰۃ، شروع کرنا، طرف، لب، بینی
چھیلا چبیدن کا امر، ختنہ، سنت، استنجا، خاک، چوب، برف، یمنی رو راست، عیدگاہ، راہ، تکبیر
فساد وغیرہ

اس رسالے کے عہد عالمگیری میں تصنیف ہونے کی داخلی شہادت مندرجہ ذیل شعر میں ملتی ہے۔ ع

سنہ ہزار چوہتر بیچ ماہِ رمضان تمام :: اورنگ شاہ کے دور میں نسخہ ہوا تمام

عہد عالمگیری کے ایک اور شاعر ہیں۔ شاہ برکت اللہ پیمی مارہروی۔ ان کا ہندی کلام پیم پرکاش کے نام سے ۱۶۹۸ء میں شائع ہوا۔ برج میں کبت اور دوہے کہنے کے علاوہ انھوں نے چند ریختے بھی لکھے ہیں۔ ایک ریختہ ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے اپنے تحقیقی مقالے مقدمہ تاریخ زبان اردو میں ص ۱۶۵ پر نقل کیا ہے۔ اس ریختے کی ردیف ہے "سیج پری"[1] عہد عالمگیری کے شاعر عطا ٹھٹھوی کے فارسی دیوان میں چھ اردو غزلیں ملتی ہیں۔ لیکن بقول نور الحسن انصاری:

"ان کی روانی اور صفائی دیکھتے ہوئے انھیں عطا کی تصنیف ماننے میں تامل ہے۔"[2]

ناصر علی سرہندی سے بھی تین اردو غزلیں منسوب ہیں:

وفات عالمگیر کے بعد کا زمانہ بڑے انتشار کا زمانہ ہے، مرزا عبد القادر بیدل

---

[1] اسی زمین میں ایک اور غزل عیسی احمد نامی شاعر نے لکھی ہے۔ جسے مصنف پنجاب میں اردو نے ص ۲۸۴ پر نقل کیا ہے۔ اس ریختے میں ذیل کے شعر کا مصرع ثانی تقریباً یکساں ہے
برکت اللہ پیمی۔ تکیہ جو مخملی و دگر سیج چھوڑ کر :: جب اینٹ زیر سیس دھری تب سیج پری
احمد۔ تو شک تہالیوں سے مجھے نکرنا ہوا :: جب ریت زیر سیس دھری تب سیج پری

[2] فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص ۲۳۷

جو شہزادہ محمد اعظم کے دربار سے منسلک تھے۔ ان کی طرف ذیل کے دو شعر منسوب ہیں۔ جو میر و قائم کے تذکروں میں ملتے ہیں۔

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم ہیں :: اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم ہیں

جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا :: پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم ہیں

عالمگیر کے بعد کئی بادشاہ آتے ہیں۔ اور سیاسی شاطروں کی چالوں سے مات کھا کر بساط شطرنج سے ہٹ جاتے ہیں۔ اسی دور میں میر جعفر زٹلی منظر عام پر آتے ہیں۔ وہ عالمگیر کے سال جلوس اول ۱۶۵۹ء میں پیدا ہوئے۔ (جس سے جناب رشید حسن خاں نے اپنے مضمون میر جعفر زٹلی، مطبوعہ گفتگو، شمارہ ۲ ۱۹۶۷ء میں جزوی طور پر اختلاف کیا ہے۔) اور تقریباً ۶۰ برس تک زندہ رہ کر فرخ سیر کے زمانے میں اس کے حکم سے مار ڈالے گئے۔ جعفر زٹلی کی نظم و نثر نہ تو خالص فارسی ہے اور نہ خالص کھڑی بولی۔ اس لیے اسے اس عہد کی زبان کے طور پر پیش بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ یہ خالص تصرفات زٹلی ہیں۔ رائج الوقت بولی کا نمونہ نہیں۔ ان کی ہندی عربی پیوند کاریاں مثلاً "چوں گھڑ گھڑاہٹ الرعد فی الغمام" "کڑکڑاہٹ البرق" اور فارسی قواعد کے مطابق ہندی افعال کی تصریف، بلکہ "تلدیا لبطرز قواعد فارسی ہندی الاصل الفاظ سے اسمائے فاعل بنانا" جیسے لٹکندہ، مٹکندہ وغیرہ۔ جعفر کی ایجادیں ہیں۔ لیکن ان کے کلام میں کہیں کہیں اردو کے پورے شعر یا غزلیں اور نظمیں بھی مل جاتی ہیں۔ اور انھوں نے اپنی گنگا جمنی فارسی نثر میں اردو ضرب الامثال بھی استعمال کی ہیں۔ جعفر زٹلی کے کلام اور ان کی نثر سے اتنا ضرور واضح ہے کہ عہد عالمگیری کے بعد پڑھا لکھا طبقہ "دو زبانیہ" (BI-LANGUAL) بن چکا تھا۔ بول چال میں زبان دہلوی کا استعمال ہوتا تھا۔ جو اب "اردو" بننے کی منزل میں داخل ہو چکی تھی۔

محمد شاہ کا عہد وہ زمانہ ہے جب شاید قلعۂ معلیٰ کی زبان فارسی سے اردو میں منتقل ہونے کی منزل میں داخل ہو چکی تھی، اور شاہی سطح پر نقل لسانی کا عمل پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ محمد شاہ پہلا بادشاہ ہے۔ جس نے کھڑی بولی کی باقاعدہ سرپرستی کی تھی۔ وہ کھڑی بولی جو اب 'اردو' بن چکی تھی۔ اگرچہ اس نے برج کو نظر انداز نہیں کیا۔

اسی بادشاہ کے زمانے میں یا احمد شاہ کے عہد میں شمالی ہند میں غالباً قصہ مہر افروز دلبر اور حتمی طور پر کربل کتھا جیسی نثری تصانیف منظر عام پر آتی ہیں۔ فضلی اپنی کتاب کی زبان "ہندی" بتاتا ہے۔ اس کتاب کی جو وجہ تصنیف مصنف نے بیان کی ہے اس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اچیر گھرانوں کی عورتیں بھی فارسی سے بے بہرہ ہو چلی تھیں۔ کیوں کہ کربل کتھا کا فارسی سے آزاد ترجمہ 'عورات' ہی کے لیے کیا گیا تھا یہ بڑی اہم اطلاع ہے کیوں کہ جس زبان کا رواج گھر سے اٹھ جاتا ہے وہ زبان متعلقہ لسانی خطے میں زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہ سکتی۔ جلوس محمد شاہی کے دوسرے سال یعنی ۱۷۱۹ء میں جب دلی کا دیوان دلی پہنچا تو گویا دو بچھڑی ہوئی بہنیں گلے ملیں اور شمالی ہند میں اردو شعر و شاعری کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

ہمارے دورِ حاضر کے لسانی مورخین بجا طور پر اردو کو عہد اکبری و شاہجہانی سے نکال کر اس کا سلسلہ شمال میں بدیسی مسلمانوں کے ورودِ ہند سے جوڑتے ہیں۔ زبانِ اردو کی تاریخ کے اس اہم پہلو پر زور دینا شاید بے محل نہ ہو کہ قیام سلطنت دہلی سے لے کر اوائل عہد عالمگیری تک کی لسانی تاریخ دراصل اردو کی نہیں بلکہ فارسی آمیز کھڑی بولی کی تاریخ ہے۔ جسے اردو کی قدیم شکل کے ساتھ جدید ہندی کی قدیم شکل سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس طویل مدت میں اردو سیّال حالت میں تھی۔ اس کی کوئی معینہ شکل نہیں بنی تھی۔ اسی لیے ابتدائی ادوار میں اسے مختلف ناموں مثلاً (۱) زبانِ دہلوی (۲) ریختہ (۳) ہندی (۴) ہندوی (۵) ہندوستانی اور (۶) بقول انگریز مورس (MORRIS) کی زبان۔ کھڑی بولی بہت بعد کا نام ہے۔ لیکن جب اس زبان نے متعین شکل اختیار کر لی تو "اردو" نام سے موسوم ہو گئی۔ اس کے ایک نام "ریختہ" سے یہ غلط فہمی عام ہوئی کہ یہ گری پڑی زبان تھی۔ ریختہ دراصل موسیقی اور فنِ تعمیر کی اصطلاح ہے۔ کھڑی بولی ایک طویل عرصے تک صرف بول چال کی سطح پر رہی اور برج بھاشا اور اودھی کے آگے اس کا چراغ نہیں جل سکا۔ لیکن جب اس نے 'اردو' کا روپ دھار لیا تو وہ گری پڑی زبان نہیں رہی اور نہ وہ کبھی صرف 'بازاری زبان' تھی۔ جس میں شرفا گفتگو کرنا پسند

نہیں کرتے تھے۔ حکمرانوں کی زبان فارسی سے رنگ و روغن لے کر کھڑی بولی اردو بنی۔ اور اسے باوقار حیثیت دینے میں قلعے کی شاہی زبان نے بڑا اہم رول ادا کیا۔ شخصی حکومتوں میں دارالخلافے کی زبان ہمیشہ ٹکسالی مانی جاتی رہی ہے۔ یہ قلعے کی شاہی زبان ہی تھی۔ جو دلی کی بول چال کی زبان کے لیے معیار بنی۔ اور دلی والوں نے اس معیاری زبان پر ہمیشہ فخر کیا۔ بازاری زبان پر کوئی فخر نہیں کرتا۔ بقول سید احمد دہلوی (مولف فرہنگ آصفیہ)

"دلی میں ایک ماں کی دو بیٹیاں بڑے راؤ چاؤ سے پرورش پا رہی تھیں۔ بڑی بیٹی کا مسقط الراس قلعۂ معلی تھا۔ اور چھوٹی کا دلی شہر"

چونکہ اہل دلی نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ یہ ایک علیحدہ محاورہ ہے (جس کا ایک نام محاورۂ شاہجہاں آباد بھی تھا۔) اس لیے اس کا نام اردو (بازار) کی رعایت سے زبانِ اردو یعنی "اردو کی زبان" پڑ گیا۔ پھر 'اردو' ہو گیا اور اس طرح اس کی قدیم غیر یقینی اور سیال شکل کے جو مختلف نام تھے۔ وہ سب ترک ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ میر تقی میر نے سب سے پہلے اصطلاح "زبان اردو" استعمال کی۔ جس کی تقلید ان کے صاحبزادے میر کلو عرش نے کی۔ مصحفی نے صرف لفظ 'اردو' استعمال کیا۔ نثر میں سراج الدین علی خاں آرزو عطا حسین تحسین اور میر امن نے یہی اصطلاح استعمال کی۔ ظاہر ہے کہ یہ لفظ ان حضرات نے اپنی طرف سے گھڑا نہیں ہوگا۔ بلکہ ان معنوں میں یہ اصطلاح زبانوں پر چڑھی ہوگی۔ اس لیے یہ سوال اتنا اہم نہیں ہے کہ اس زبان کو 'اردو' سب سے پہلے کس نے کہا۔ اصل اور بنیادی سوال یہ ہے کہ اس زبان کو ایک علیحدہ مستقل نام کیوں دیا گیا۔

اس کا جواب واضح ہے۔ یہ زبان کھڑی بولی پر قائم ہوتے ہوئے بھی اس سے ایک ممتاز بولی۔ ایک نئی زبان تھی۔ اس کا ایک مخصوص صوتیاتی نظام بن گیا تھا اس کے اکثر صوتیے برج اور اودھی کے صوتیوں سے الگ اور ممتاز ہو گئے تھے۔ عربی اور فارسی کی صوتیات جدید ہند آریائی زبانوں کی صوتیات سے واضح طور پر مختلف تھی۔ فارسی سے ربط میں آ کر ہندوستان کے مقامی باشندوں کو عربی اور فارسی کی نئی آوازوں /ع/ اور /ق/ جو فارسی میں عربی کی دخیل آوازیں ہیں۔) اور /خ/ /غ/ /ف/ اور /ز/ سے دو چار ہونا پڑا تھا۔ اور /ش/ کی کھوئی

ہوتی آوازان کے لیے نئی تھی۔ اس لیے انھوں نے ان آوازوں کو اپنی اپنی زبانوں کے قریب المخرج صوتیوں سے بدل لیا تھا۔ /ق/ ← /ک/ سے؛ /خ/ ← /کھ/ سے؛ /غ/ ← /گ/ سے، /ف/ ← /پھ/ سے، /ز/ ← /ج/ سے، اور /ش/ ← /س/ سے بدل لیے گئے۔ اس صوتی تبادل کی مثالیں سلطنت دہلی سے اوائل عالمگیری تک کی برج، اودھی اور کھڑی بولی میں ملتی ہیں۔ لیکن اب فارسی سے قریبی ربط پیدا ہونے پر کھڑی بولی کا صوتی مزاج بدل گیا۔ اب وہ اپنے شین قاف سے پہچانی جانے لگی۔ اردو نے جیسا کہ ہم آئندہ صفحات میں تفصیل سے بتائیں گے۔ نہ صرف ان صوتیوں کو (جن میں /ع/ کو مقاطعی مصوتہ میں بدل کر) قبول کیا۔ بلکہ وہ ان میں سے چند صوتیوں کو غیر عربی و فارسی الفاظ میں بھی استعمال کرنے لگی اور ان صوتیوں پر مشتمل نئے الفاظ بھی وضع کیے۔ یہی نہیں بلکہ مخصوص ذیلی صوتیوں (ALLOPHONES) کو بھی جنم دیا۔ یہ اس نئی زبان کا نیا لسانی مزاج تھا۔ جو اسے دیگر جدید ہند آریائی زبانوں سے ممتاز کرتا ہے۔ پھر لفظیات میں اس نے مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ اتنی کثرت سے قبول کیے کہ اس کا ایک خاص محاورہ بن گیا اور ادبی سطح پر اس نے ہندی مسلم کلچر کی بھرپور نمائندگی کی۔ اس کے ادب کی ترویج و اشاعت میں وہ ہندو بھی دل سے شریک تھے جو اس کلچر میں ــــ جو اس وقت کا قومی کلچر تھا۔ سراپا رنگ گئے تھے۔

اردو کی اِن امتیازی لسانی خصوصیات کی نشاندہی کے باوجود اس سوال کا جواب تشنہ رہ جاتا ہے کہ جب اردو کھڑی بولی ہی کا ایک روپ ہے تو اسے ایک مستقل علیحدہ زبان کیوں سمجھا جائے؟ اس کا جواب اس لیے بھی اہم ہے کہ ہندی بھی کھڑی بولی کا روپ ہے۔ اور اردو اور ہندی کا بنیادی فرق ان میں دخیل الفاظ کا فرق ہے۔ ورنہ دونوں کا صرفی و نحوی ڈھانچہ ایک ہی ہے اور یہی ڈھانچا زبان کو بنیاد فراہم کرتا ہے۔ لیکن اس سلسلے کا پہلا بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا دو زبانوں کے اختلاط سے کوئی تیسری زبان عالم وجود میں آسکتی ہے؟ شوکت سبزواری کا دو ٹوک جواب ہے۔ نہیں۔ تاریخ زبان اردو میں فرماتے ہیں:

"یہاں دو ایک غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری ہے جو بار بار دہرائے جانے کی وجہ سے لوگوں کے ذہنوں میں اس طرح جم کر بیٹھ گئی ہیں کہ نکلنے کا نام نہیں لیتیں۔ ایک غلط فہمی جسے میں سب سے زیادہ خطرناک اور لسانی بحثوں

میں حقیقت سے بھٹکانے والی سمجھتا ہوں یہ ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ
دو یا دو سے زیادہ زبانوں کو جوڑ کر کوئی تیسری زبان وضع کی جا سکتی ہے
جو پہلی دو زبانوں سے جدا اور آزاد ہو۔ دو یا دو سے زیادہ رنگوں کی آمیزش
سے ایک نیا اور دونوں سے مختلف رنگ ضرور تیار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن دو زبانوں
کی ترکیب سے تیسری زبان کی تعمیر ناممکن ہے"۔ [1]

شوکت سبزواری کا شمار اردو کے جانے پہچانے ماہرین لسانیات میں ہوتا ہے۔ اس لیے ان کا یہ نظریہ ممکن ہے بعض سنجیدہ علمی حلقوں میں وقیع سمجھا جائے۔ لیکن افسوس ہے کہ دنیا کے مختلف خطوں میں نئی مخلوط زبانوں کی ولادت ان کے اس نظریے کو یا در ہوا ثابت کرتی ہے اور ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی اور تو نہیں خود موصوف اس سلسلے میں بھاری غلط فہمی کا شکار تھے۔ دنیا کے مختلف مقامات پر قوموں کے اختلاط اور تجارتی ضرورتوں کے زیر اثر نئی تجارتی زبانیں عالم وجود میں آچکی ہیں۔ مثلاً ایک زبان BEACH - LA - MAR ہے۔ جسے (SANDAL WOOD ENGLISH) بھی کہتے ہیں۔ یہ بحرالکاہل کے مغربی ساحل پر بولی جاتی ہے۔ اس زبان کی اساس ٹوٹی پھوٹی انگریزی پر ہے پھر بھی چونکہ یہ زبان ایسی انگریزی ہے۔ جسے خود انگریز بھی سمجھ سکتے تاوقتیکہ وہ اسے سیکھ نہ لیں اس لیے یہ نئی زبان کہلاتی ہے۔ اس کے علاوہ [2] چائنیز پڈگن (PIDGIN) انگلش، ہامٹن کری اول، فرینچ، چنوک، بوبی اور ایسی کئی مخلوط زبانیں ہیں جو دو لسانی گروہوں کے اختلاط و ارتباط کا نتیجہ ہیں اور جنھیں ماہرین لسانیات نے زبان کا درجہ دیا ہے۔

زبانوں کی تشکیل میں صرف لسانی رجحانات ہی کام نہیں کرتے بلکہ غیر لسانی میلانات

---

[1] تاریخ زبان اردو ص ۲۹ [2] لفظ PIDGIN انگریزی لفظ BUSINESS کا چینی تصرف ہے۔ یہ زبان انگریزوں اور چینیوں کے درمیان تجارتی تعلقات کی بنا پر پیدا ہوئی۔ کری اول اس مخلوط زبان کو کہتے ہیں جس کا استعمال گھر میں ہوتا ہے۔ CHINOOK امریکہ کے شمال مغربی ساحل پر بولی جاتی ہے جو وہاں کے مقامی انڈین اور برطانوی اور امریکی تاجروں کے درمیان لسانی اختلاط سے پیدا ہوئی۔

مثلاً سیاسی و ثقافتی اثرات بھی ان کی تشکیل وارتقا یا شکست و ریخت میں حصہ لیتے ہیں۔
اس لیے زبانوں کی نوعیت سمجھنے کے سلسلے میں ان عوامل کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مشہور ماہر لسانیات یورل وینرخ نے اپنی کتاب (LANGUAGES IN CONTACT) میں وہ شرائط درج کی ہیں۔ جنھیں پورا کرنے کے بعد دو زبانوں کے اختلاط سے بننے والا نیا محاورہ ایک نئی بولی یا نئی زبان کی حیثیت (STATUS) اختیار کر لیتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر نئی زبان یہ تمام شرطیں پوری کرے۔ بلکہ ان میں سے اکثر شرطیں پوری کرنے پر نیا محاورہ، نئی بولی، نئی زبان کہلانے کا مستحق بن سکتا ہے۔ وہ شرطیں یہ ہیں:

(۱) **درجۂ اختلاف** (DEGREE OF DIFERENCE) یعنی یہ نئی زبان ایسی شکل اختیار کرلے جو ان زبانوں سے واضح طور پر مختلف ہو جس کے میل سے وہ عالم وجود میں آئی ہے۔ نئی زبان کی پیدائش کے لیے یہ ضروری ہے کہ دو مختلف زبانوں میں اختلاط کا عمل ہو اور اس اختلاط سے ایسا محاورہ جنم لے جسے سمجھنے کے لیے دونوں زبانیں جاننے والے اسے باقاعدہ طور پر سیکھیں۔

(۲) **استقلال ہیئت** (STABILITY OF FORM) اس نئے ذریعۂ اظہار کے لیے ضروری ہے کہ وہ ابتدائی سیال اور غیر مستقل حالت کے بعد ایک مخصوص اور مستقل ہیئت اختیار کرلے وینرخ کے خیال کے مطابق علیحدہ رسم الخط کے استعمال سے بھی اس نئی زبان کی ہیئت میں استقلال پیدا ہوتا ہے۔

(۳) **دائرۂ استعمال** (BREADTH OF FUNCTION) بعض زبانیں صرف تجارتی ضروریات کے لیے استعمال ہوتی ہیں اور ان کا گھروں میں استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ زائد (SUPPLIMENTARY) زبان کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جیسے تجارتی زبانیں (TRADE LANGUAGES) لیکن کچھ نئی زبانیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو گھروں میں استعمال ہونے لگتی ہیں۔ اور رفتہ رفتہ ایک پشت سے دوسری پشت میں منتقل ہوتے ہوتے مکمل زبانیں بن جاتی ہیں۔ وینرخ بتاتا ہے کہ کبھی کبھی سرکاری احکامات کے ذریعہ بھی کسی نئی زبان کا دائرہ استعمال وسیع کیا جاتا ہے اور تعلیمی اور مذہبی ضروریات کی تکمیل کے لیے اس کی نشر و اشاعت کی شعوری کوششیں کی جاتی ہیں تحریر میں استعمال کرنے سے بھی اس کا دائرہ استعمال وسیع ہو جاتا ہے۔

(۴) **بولنے والوں کا اپنا نقطۂ نظر**: اس شعور کا وادومدار کہ فلاں زبان کو ایک "علیحدہ نئی

زبان سمجھا جائے۔ کئی معاشرتی۔ ثقافتی (SOCIO CULTURAL) عوامل پر ہوتا ہے۔ جیسے سیاسی یا نسلی نوعیت کے علیحدگی پسندانہ رجحانات ۔ دبیرخ نے اس سلسلے میں YIDDISH زبان کی مثال دی ہے جو دیگر یہودی زبانوں یا صہیونی ہسپانوی (JUDEO - SPANISH) سے نہ صرف اس لیے ممتاز ہے کہ اس میں مختلف زبانوں کے دخیل الفاظ کی آمیزش زیادہ ہے۔ بلکہ اس لیے بھی کہ اسے بولنے والے اس کی ہیئت کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔

جب ہم مذکورہ بالا شرائط کی روشنی میں اردو زبان کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں کھڑی بولی کے اس نکھرے ہوئے ممتاز روپ کو ایک نئی زبان کی حیثیت دینی پڑتی ہے۔ (۱) اردو کھڑی بولی اور اسلامی فارسی کے میل سے بنی ہے۔ اردو اگر ایک طرف کھڑی بولی سے نمایاں حد تک مختلف ہے تو دوسری طرف فارسی سے بھی الگ تھلگ ہے۔ یہ زبان کھڑی بولی سے اس حد تک الگ ہے کہ کھڑی بولی کے واقف کاروں کے لیے یہ ضروری ہے کہ اگر وہ اردو نہیں جانتے تو اردو سیکھیں۔ اسی طرح کھڑی بولی کے دوسرے روپ ۔ جدید ہندی کو سمجھنے کے لیے اہلِ اردو کو بھی اس کی شکشا پراپت کرنی پڑتی ہے۔ (۲) اردو زبان کے خط و خال متعین ہیں۔ اگرچہ ہر نئی زبان کی طرح ابتدائی دور میں وہ بھی غیر معین (FLUCTUATING) حالت میں رہی ہے۔ اس دور میں وہ مختلف ناموں سے یاد کی جاتی تھی۔ لیکن بعد میں جب اس نے مستقل ہیئت اختیار کی تو اس کا مستقل نام "اردو" پڑ گیا۔ اسی ایک نام کا چلن اس کی ہیئت کے مستحکم ہونے کی دلیل ہے۔ (۳) اردو کبھی بھی تجارتی زبان نہیں رہی۔ اس لیے اس کا استعمال زائد زبان کی حیثیت سے کبھی نہیں ہوا۔ (۴) کسی زبان کا استعمال، اس کی ترویج و اشاعت اور اسے برقرار رکھنے کا جذبہ نہ صرف اس زبان کی بقا کا ضامن ہوتا ہے بلکہ نئی زبان کو مستقل زبان کا درجہ دینے میں بھی ممد ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اردو ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی زبان نہیں ہے اور معتدبہ غیر مسلم آج بھی اسے استعمال کرتے ہیں پھر بھی آج یہ زبان ہندوستانی مسلمانوں کے درمیان ثقافتی رابطے کا کام دیتی ہے۔ ہندی مسلمان اسے متاع جان کی طرح عزیز رکھتا ہے اور آج بھی وہ موجودہ فارسی رسم الخط ۔ منجملہ اسباب دیگر ۔ اس بنا پر بھی ترک کرنے پر آمادہ نہیں کہ مبادا اردو جدید ہندی میں ضم ہو کر اپنا تشخص اور تہذیبی مزاج کھو دے۔

باب سوم

اردو میں مفرس عربی وفارسی الفاظ کا تجزیہ لفظی

اردو میں مفرس عربی وفارسی دخیل الفاظ کا تجزیہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ الفاظ زیادہ تر اسماء وصفات پر مشتمل ہیں۔ چونکہ اسماء وصفات کا تعلق زبان کے قواعدی اور ساختی پہلو سے نہیں بلکہ لغوی، معنیاتی (LEXICAL-SEMAN-TIC) پہلو سے ہوتا ہے اسی لیے یہ کسی دوسری زبان کے صوتیاتی مزاج میں رنگ کر اس میں قبول کر لیے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دو زبانوں میں ارتباط قائم ہونے کی صورت میں عموماً اسمائے آسانی سے ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہوتے ہیں۔ باب اول میں ہم نے عمل عاریت کے سلسلے میں مختلف زبانوں کے دخیل الفاظ کی جو مثالیں بیان کی ہیں انھیں سرسری طور پر دیکھنے سے یہ بات صاف ظاہر ہوگی کہ دادوستد کا عمل دوسرے اجزائے کلام کے مقابلے میں اسماء وصفات میں زیادہ ہوتا ہے۔

لیکن ہر زبان جو مستقل زبان کا درجہ رکھتی ہے ان اسماء وصفات کو دوسری زبانوں سے اندھا دھند طریقے سے قبول نہیں کیا کرتی۔ چونکہ اردو ایک مستقل زبان ہے اس لیے اگرچہ اس نے فارسی سے اسماء صفات کثیر تعداد میں قبول کیے ہیں۔ لیکن اپنا لسانی مزاج قائم رکھتے ہوئے ان پر ایک غیر شعوری روک بھی لگائی ہے۔ دراصل اسماء بھی دو طرح کے ہوتے ہیں قسم اول میں وہ تمام اسماء آتے ہیں جن کا تعلق بنیادی امور (BASIC ITEMS)

سے ہوتا ہے جن سے ہر آدمی کو چاہے وہ جاہل ہو یا عالم، چھوٹا ہو یا بڑا، غریب ہو یا امیر، رات دن واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ مثلاً رشتہ داروں، پیشوں، جانوروں، پرندوں اشیائے خوردنی، معدنیات، اعضائے بدن، اعداد، اوزار اور وقت وغیرہ پر دلالت کرنے والا اسما، انھیں بنیادی اسما، افعال، شخصی ضمائر، و حروف سے ایک زبان کی ساخت عبارت ہوتی ہے۔ اور عاریت کے عمل میں ہر زبان کی ساخت بڑی حد تک محفوظ رہتی ہے۔ فارسی کے زبردست دباؤ میں رہنے کے باوجود اردو نے فارسی سے ایسے بہت کم الفاظ قبول کیے ہیں جن کا تعلق بنیادی اسما، افعال، شخصی ضمائر و حروف سے ہے قسم دوم میں وہ اسماء آتے ہیں جن میں سے کچھ ثقافتی نوعیت کی اشیا پر دلالت کرتے ہیں اور کچھ عالمانہ اور سائنسی تصورات کے ساتھ ساتھ مجرد نفسی کوائف کی ترجمانی کرتے ہیں۔ قسم دوم کے یہ اسماء زبان کی ساخت کا (جس میں بنیادی اسماء، افعال، شخصی ضمائر و حروف شامل ہیں) بالائی ڈھانچہ ہوتے ہیں اور ان میں لین دین کا عمل بڑی تیزی سے ہوتا ہے۔ اگر دو زبانوں میں عملِ عاریت کے باعث اشتراک ہو اور مستعار اسما قسم دوم پر مشتمل ہوں تو اس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں زبانیں تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں یا قریب رہ چکی ہیں۔ لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دونوں ایک ہی خاندان السنہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن اگر یہ اشتراک قسم اول کے اسما کے ساتھ ساتھ افعال، شخصی ضمائر اور حروف میں بھی ہو تو انھیں ایک ہی خاندان کی اولاد سمجھا جا سکتا ہے اردو نے مفرس عربی و فارسی الفاظ کی زبردست یورش کے باوجود اپنے لفظی خزانے میں قسم اول کے اسما کے ساتھ ساتھ ہندی الاصل افعال، شخصی ضمائر و حروف کو قائم رکھ کر اپنے ہندوی مزاج کا ثبوت دیا ہے۔ اور صرف بالائی ڈھانچے کی تعمیر میں ایرانی مسالے سے کام لیا ہے۔

صرف اتنا ہی نہیں کہ اردو نے قسم اول کے ہندی الاصل اسما کو جوں کا توں برقرار رکھا ہے۔ بلکہ یہ الفاظ اس کی فعال لفظیات (ACTIVE VOCABULARY)

کا حصہ ہیں۔ ان میں بعض اسماء ایسے ضرور ہیں جن کے فارسی مترادفات مہذب گفتگو میں مستعمل ہیں اور پڑھے لکھے گھرانوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن یہ گھرانے بھی ان کے ہندی متبادلات سے واقف ہوتے ہیں۔ ہم نے مندرجہ ذیل مثالوں میں ایسے الفاظ قوسین میں درج کیے ہیں اور اگر یہ الفاظ صرف ادبیات کی زینت ہیں تو ان کے آگے علامت = لگادی گئی ہے۔ ایسے الفاظ بول چال کا حصہ نہیں ہوتے اور اگر ہوتے بھی ہیں تو شاذ:

(۱) رشتہ داروں کے نام

ماں (والدہ) ؛ باپ (=والد)؛ بیٹا (فرزند)؛ بیٹی، بھائی، بہن (ہمشیرہ)، دیور، دیورانی، جیٹھ، جیٹھانی، بھاوج ـــ بھابی، سالا (برادر نسبتی)، سالی، بھانجا بھانجی، بھتیجا، بھتیجی، چچا، چچی، ماموں، ممانی، پھوپھا، پھوپھی، جورو، تایا، نانی، ساس (خوشدامن، ہندوستانی فارسی سے مستعار)، سسر ـــ سسرا ـــ خسر (بعضوں کے بقول فارسی میں نہیں)، دولہا (نوشہ)، دلہن۔

تصرفات: خالو (مفرس عربی لفظ خالہ کی اردو تذکیر، خصم (بمعنی شوہر

استثنا = شوہر، داماد، خالہ، خاوند

(۲) اعضائے بدن:

آنکھ (=چشم)، ناک (=بینی)، منہ (=دہن)، بھویں (ابرو)، کان (=گوش)، کان کی لو (=بناگوش)، ہونٹ (لب)، دانت (=دنداں)، گال (=رخسار، عارض) مسوڑھا، ڈاڑھ، تالو (=کام)، کوّا (=لہات)، بال (=مو) کہنی، ٹخنا، گھٹنا، کلائی، انگلی (=انگشت)، انگوٹھا (=انگشت نر، ابہام)، چھنگلی، پور، پیٹ (=شکم)، پیٹھ (=پشت)، کلیجہ ـــ کلیجی (جگر)، پتّا (=زہرہ)، تلّی (=طحال صرف بیماری کے نام کے سلسلے میں)، سر (توافق اللسانیو، سنسکرت ۱۳۱۲)،

ہاتھ (= دست)، پاؤں (= پا)، ہتھیلی (= کف دست)، تلوا (= کف پا)، گلا (= گلو)، چھاتی (سینہ)، نتھنا، پنڈلی (= ساق)، مونچھیں (= بروت، سبلت) ڈاڑھی (= ریش)، جبڑا، ٹھڈی (زنخ)، ماتھا (پیشانی)، توند، ٹانگ، کھال (= جلد)، چمڑی، کنپٹی، کھوپڑی (= کاسۂ سر)، ہڈی (= استخوان)، ڈھانچہ (= کالبد)، کندھا ← کاندھا (= دوش، شانہ)، ریڑھ، بھیجا (= دماغ)، اعضائے مخصوصہ کے ہندی نام، نرخرہ، پھیپھڑا۔

بدن سے متعلق:

آنسو، (= اشک)، پسینہ (= عرق)، تھوک

استثنا = چہرہ، گردن، کمر، ران، دل، خون، رگ، شریان، گردہ، پنجہ، پستان، مثانہ، معدہ، بغل، زبان، ناخن، گوشت، ناف وغیرہ

بدن سے متعلق = بلغم، پیشاب

اعضائے حیوانی:

چونچ (= منقار)، تھن، پوٹا، سینگ، کنکھجلی، گلپھڑا

نقص اعضا:

صفت بطور اسم: اندھا (= کور، کورچشم)، بہرا (= کر)، کانا، لولا، ٹھنگنا، نکٹا، گنجا۔

تصرف = لنگڑا (لنگ سے)، لنجا (فارسی لنج سے)

(۳) جانوروں کے نام:

گھوڑا (= اسپ)، ٹٹو، ہاتھی (= فیل)، بکرا (= بز) بکری، میمنا، (= برہ)، گائے (= گاو) بیل (= گاو نر)، بچھڑا (= گوسالہ)، بھینس، بھینسا، کتا (= سگ)، بلی (گربہ)، بھیڑ (میش)، بھیڑیا (= گرگ)، ریچھ (= خرس)، ہرن (= آہو)، بارہ سنگھا، مینڈھا، پاڑھا، بندر (= بوزینہ، میمون)، بندریا، لومڑی،

(= روباہ)، چیتا (= پلنگ)، کچھوا (= سنگ پشت)، چوہا (= موش)، گدھا (خر) خچر، سور (= خوک، خنزیر)، گینڈا، بھیڑیا، گرگٹ، ٹڈا بھنگا، گلہری، مینڈک (= غوک)، چھپکلی، چھچھوندر،

استثنا = خرگوش، شیر (معنوی تصرف کے بعد)

(ب) موذی جانور — سانپ (= مار)، بچھو (= عقرب) ناگ، ناگن

استثنا = اژدھا

(ج) دریائی جانور — مچھلی (= ماہی، حوت)، مگرمچھ (توافق اللسانین فارسی = مگرمچ، نہنگ)

(د) پرندے — کوا (= زاغ) چیل، مینا، تیتر، بٹیر، چڑیا، گوریا، (= کنجشک)، مور (= طاؤس)، الو (جغد - غ پر زیر کے ساتھ - مجازی مفہوم میں بھی)، نیل کنٹھ، ممولا (= صعوہ)، گدھ (= کرگس)

تصرف کے بعد — مرغا، مرغی، طوطا (توتا - فارسی توتی)

استثنا = بطخ (بہ تحریک اوسط) کبوتر، بلبل، باز، شاہین، فاختہ

(ہ) کیڑے، مکوڑے — کھٹمل، پسو، مچھر (= پشہ)، مکھی (= مگس)، چیونٹی (= مور)، کینچوا، مکڑی (= عنکبوت)، جگنو (= کرمِ شب تاب)

(۴) اشیائے خوردنی

(الف) اناج — گیہوں (= گندم)، چاول، جوار، باجرہ، مکئی، بھٹا، چنا (= نخود) بیسن، تل، مسور، ارہر، ماش، مونگ وغیرہ

استثنا = نمک، شکر (اس کی اصل سنسکرت ہے۔ لیکن فارسی سے باز مستفاد)

(ب) سبزی — ٹماٹر، بینگن (= بادنجان) بھاجی، بھنڈی، گوبھی، کریلا مولی، ادرک، لہسن

تصرف — آلو

استثنا: پیاز، شلغم

(ج) پینے کی چیزیں — پانی (= آب)، دودھ (= شیر)، گھی (= روغن)، دہی، چھاچھ۔

(ح) پھل — آم، کیلا (= موز)، ککڑی، کھیرا، بیر، سنگھاڑا، مونگ پھلی، پپیتا، اناناس (پرتگالی سے)، کھرنی، ناریل، کھجور (خرما) چھوارا

پھل کے اجزا — گٹھلی، چھلکا، گودا (= مغز)

استثنا: انگور، انار، خربوزہ (فارسی خربزہ)، سیب وغیرہ

(س) مٹھائیاں — لڈو، پیڑا، امرتی، ریوڑی وغیرہ

(ھ) پکوان — روٹی، کھیر، کھچڑی، چاول (پکے ہوئے) کھرچن، گھگھنی، سوئیاں، پیوسی، چٹنی، پھلکا وغیرہ

تصرف — حلوہ (عربی حلوی سے حلوا)، برفی

(ش) پھول — چنبیلی، موگرا، بیلا، گیندا وغیرہ

تصرف = گلاب

(۵) کھانے پینے سے متعلق اور دیگر گھریلو چیزیں

انگیٹھی، چولھا، بیلن، پتیلی، تھالی، پھکنی، بدھنا، لوٹا، لٹیا، کٹورا، ہانڈی، گھڑا، چکی، کڑھائی

لکڑی، کوئلہ، راکھ، انگارہ (= اخگر)، چنگاری (= شرر)، آگ (= آتش) دھواں (= دود)، جھاڑو (= جاروب)، چمٹا، چھلنی (= غربال)

تصرف = دسپنا (دست پناہ - ہندوستانی فارسی سے)، سینی (اصل صحن، صحنی) پیالہ (بروزن فعلن، فارسی میں بروزن فعولن) پیالی۔

استثنا — تختہ، کفگیر، چمچہ (ترکی سے)

(۶) سازوسامان

(۱) پلنگ، کھاٹ، سیج، کٹھرہ، کواڑ، چھپر کھٹ، مسہری، چٹائی۔

(۲) مکان — جھونپڑا، جھونپڑی، گھر، مونڈھا، کھڑکی (= دریچہ)

تصرف — چارپائی، تپائی، دروازہ، (فارسی میں صرف شہر کے دروازے کو دروازہ کہتے ہیں) دہلیز

(۳) ملبوسات — پگڑی، ٹوپی، چپل، جوتا (= پاپوش) ٹاٹ، گدڑی، گدی بمعنی گدا، لٹھا، گاڑھا، لہنگا، لنگوٹ

تصرف — رومال، دستی، تکیہ

(۷) وقت

(ا) دنوں کے نام — جمعہ کو چھوڑ کر سب ہندی الاصل ہیں۔

تصرف = جمعرات

(ب) وقت کا پیمانہ — گھڑی، گھنٹہ، پل، پہر، دن (روز)، رات (شب)، برس (سال)

تصرف — مہینہ (ماہ سے)

استثنا — صبح، شام

(۸) پیشہ وروں کے نام

دھوبی، نائی (حجام) بڑھئی، سنار، چمار، بھنگی، کسان، کمہار، گڈریا، لکڑہارا، مالی، مالن، دھوبن، گوالا، گوالن، نائن، بھٹیارہ، بھٹیاری، بنیا، بھانڈ

تصرف — حجام، کسبی، حلال خور، مہتر، کبابیا، طوائف

استثنا — درزی (فارسی میں اس لفظ کی جگہ خیاط زیادہ مستعمل ہے۔)

برقی کتب کی دنیا میں خوش آمدید

آپ ہمارے کتابی سلسلے کا حصہ بن سکتے ہیں

مزید اس طرح کی شان دار، مفید اور نایاب کتب

کے حصول کے لیے ہمارے واٹس ایپ گروپ کو

جوائن کریں

ایڈمن پینل :

محمد ثاقب ریاض : 03447227224

سدرہ طاہر : 03340120123

حسنین سیالوی : 03056406067

Imagitor

(۹) اوزار اور اسلحہ جات کے نام

کلہاڑی، پھاوڑا، کدال، ہل، تلوار (= شمشیر، تیغ)، ڈھال (سپر)، چھری (= دشنہ) کٹار، کٹاری، سوئی (= سوزن)

استثنا = چاقو، قینچی (دونوں ترکی)

(۱۰) رنگوں کے نام

لال (سرخ)، ہرا (سبز)، پیلا (زرد) کالا (سیاہ) دھانی، سنہرا، روپہلا

تصرف ۔ خاکی، خاکستری، آسمانی، نیلا

استثنا ۔ سفید

(۱۱) معدنیات

سونا (= زر، طلا)، چاندی (= نقرہ) ہیرا (= الماس)، کوئلہ (= زغال) لوہا (= آہن)

استثنا = فولاد، فیروزہ، لعل

(۱۲) گرد و پیش کی چیزیں

پہاڑ (= کوہ)، ندی، بادل ۔ گھٹا (ابر)، گھاس (سبزہ)، آندھی (= گرد باد تند، صرصر)، لہر (موج)، بلبلہ (حباب)، پیڑ (درخت)، ٹہنی (شاخ)، پتھر (= سنگ)، پتہ (= برگ)، کنواں (= چاہ)، کھیت (= کشت)، بجلی (= برق) سمندر، پودہ، چاند (قمر ۔ ماہ) سورج (مہر، شمس، آفتاب)، چاندنی، دھوپ، کانٹا (= خار) اوس (شبنم)، تنکا، کوڑا، تھیلا، تھیلی، گٹھڑی، گڑھا، کھلونا، گیند، بھنور (= گرداب) کرن (شعاع) نالی، پرنالا، نل، نالا

تصرف ۔ کنارہ، ہوا (فارسی میں رکے تو ہوا، چلے تو باد)

استثنا۔ زمین، آسمان، ناؤ

(۱۳) متفرقات

چھالا (آبلہ)، پھپھولا، پھوڑا، پھلجھڑی، نبیند (= خواب) چھینک، تھپڑ (طمانچہ)، ٹکر، ٹھوکر، کھانسی، گھونٹ (جرعہ) جھڑکی، اور اس طرح کے صدہا الفاظ

صفات

(۱) عددی

(ل) ہزار کو چھوڑ کر تمام اعداد، ایک (فارسی یک) دو (فارسی دُو) میں توافق اللسانین ہے۔

(ب) ترتیبی۔ پہلا، دوسرا ...... سواں (اول، دوم، سوم .... دہم تک)

(ج) اضعافی۔ اکہرا، دوہرا، تہرا، دگنا، تگنا، چوگنا (دوچند، سہ چند، دہ چند) ڈیوڑھا

(د) کسری، پاؤ، آدھا (نیم)، تہائی، چوتھائی، پون، پونا، ساڑھے، ڈیڑھ، ڈھائی ← اڑھائی

(۲) نسبتی

گہیواں، دو پہلا، سنہرا، چچیرا، ممیرا

(۳) مقداری

تھوڑا، بہت

تصرف۔ ذرا (ذرّہ سے)

استثنا۔ کم، زیادہ

جہاں تک صفت ذاتی کا تعلق ہے۔ اردو نے فارسی سے اکثر صفات (ذاتی) مستعار لی ہیں۔ مثلاً نرم، گرم، آسان، مشکل، سخت، خالی، وسیع، عجیب، بلند وغیرہ

افعال، ضمائر، حروف

افعال ہر زبان کے لیے ریڑھ کی ہڈی کا حکم رکھتے ہیں۔ اس لیے ان پر عمل عاریت کا جادو بہت کم چلتا ہے۔ اگر کوئی زبان افعال، ضمائر اور حروف سے ہاتھ دھو بیٹھے تو وہ اپنی شناخت بھی کھو دیتی ہے۔ اس اصول سے اردو مستثنیٰ نہیں ہے۔ اس نے فارسی سے قریب آنے کے باوجود اپنی لسانی ساخت محفوظ رکھی ہے۔ غالب کے مندرجہ ذیل اشعار اردو کے ذیل میں صرف اس لیے آتے ہیں کہ ان میں اردو (یا ہندی الاصل) افعال لائے گئے ہیں۔

نقشِ نازِ بتِ طناز بآغوشِ رقیب ∴ پائے طاؤس پئے خامۂ مانی مانگے
شمارِ سبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا ∴ تماشائے بیک کف بردنِ صد دل پسند آیا

اردو نے اپنے تکوینی دور میں جب بھی فارسی فعل و حرف کو ہضم کرنے کی سعی لاحاصل کی تو اردو کے لسانی مزاج نے خود کو یہ کہہ کر ٹوکا ہے:

دقت جن کا ریختے کی شاعری میں صرف ہے ∴ ان سنی کہتا ہوں پوچھو حرف میر اور رف ہے
جو کہ لاوے ریختے میں فارسی کے فعل و حرف ∴ لغو ہیں گے فعل اس کے ریختے میں حرف ہے

ریختے کی قسمیں بیان کرنے کے سلسلے میں میر تقی میر نے ریختے کی قبیح قسم وہ بتائی ہے جس میں فارسی فعل و حروف استعمال کیے جاتے ہیں، فرماتے ہیں:

"بدانکہ ریختہ بر چندیں قسم است ..... اول آنکہ یک مصرعش فارسی و یک ہندی ..... دوم آنکہ نصف مصرعش ہندی، و نصف فارسی ..... سوم آنکہ حرف و فعل فارسی بکار می برند و ایں قبیح است[1]

اسی طرح دیباچہ دیوان زادہ میں حاتم لکھتے ہیں:

لفظ در، و بر و از و زاد (کذا) کہ فعل و حرف است ... بندہ در

---

[1] نکات الشعرا نظامی پریس ص ۱۸۶

دیوان قدیم خود تقیید دارد، و درایں ولا از دہ دوازدہ سال اکثر الفاظ را از نظر انداختہ"۔ [1]

دخیل الفاظ کی قسمیں بیان کرتے ہوئے یسپرسن لکھتا ہے:

"یہ بالکل فطری امر ہے کہ ملو الفاظ (اسما صفات) کو تہی الفاظ (ضمائر، حروف و امدادی افعال) کے مقابلے میں مستعار لینے کا قوی رجحان ہر زبان میں پایا جاتا ہے کیونکہ اکثر قواعدی الفاظ تہی الفاظ کے ذیل میں آتے ہیں۔ لیکن دونوں قسموں کے درمیان کوئی سخت قسم کی حد فاصل قائم نہیں کی جا سکتی۔ ایک زبان کا دوسری زبان سے اعداد مستعار لینا شاذ ہے۔ لیکن اس کی بھی مثالیں مل جاتی ہیں ... حروف بھی شاذونادر ایک زبان سے دوسری زبان میں مستعار لیے جاتے ہیں۔ پھر بھی لاطینی اطالوی حروف PER انگریزی، جرمن اور ڈنمارک کی زبان میں استعمال ہوتے ہیں۔ اور فرانسیسی ہ موخر الذکر دونوں زبانوں میں ملتا ہے۔ ضمائر شخصی، ضمائر اشارہ، حروف تعریف یا حروف تنکیر، وغیرہ بھی بہت کم ایک زبان سے دوسری زبان میں لیے جاتے ہیں، یہ کسی زبان کے اندرونی قانون یا نوں میں اس حد تک گتھے ہوئے ہوتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی زبان کو غیر ملکی ماخذوں سے حاصل شدہ الفاظ سے مزین کرنا چاہے بھی تو اس صورت میں بھی وہ انھیں ترک کرنے کا خیال اپنے ذہن میں نہیں لا سکتا۔ [2]

جہاں تک فعل کا تعلق ہے چند غیر ملکی افعال و اسما میں تصرف کرتے کے

---

[1] دیوان حاتم، لاہور ایڈیشن صفحہ ۶۴ [2] لینگویج از یسپرسن صفحہ ۱۲-۲۱۱

علاوہ جن کا ذکر آئندہ باب "صوتی تصرف" میں کیا جائے گا۔ اردو نے شورسینی اپ بھرنش سے ورثے میں پائے ہوئے تمام افعال کو حرزِ جاں کی طرح عزیز رکھا ہے۔

مرکب افعال

ترکیبی (SYNTHETIC) زبانوں کے برخلاف تحلیلی (ANALYTICAL) زبانوں کے خزانے میں مفرد افعال کے علاوہ ایسے مرکب افعال بھی ہوتے ہیں جو (۱) یا تو دو افعال سے مرکب ہوتے ہیں جن میں ایک امدادی فعل ہوتا ہے۔ یا (۲) ایک امدادی فعل کسی اسم یا صفت سے ترکیب پاتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے باب پنجم۔ صرفی و نحوی تصرف)

اردو نے ہندی الاصل افعال کی مدد سے مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ مستعار لے کر نئے نئے صدہا مرکب افعال بقسم دوم بنائے ہیں۔

فارسی کا شمار ان زبانوں میں ہوتا ہے جو ترکیب سے تحلیل کی طرف قدم بڑھا رہی ہیں۔ (تفصیل ملاحظہ ہو باب پنجم صرفی و نحوی تصرف) اس زبان میں آج بھی ایسے مصادر ملتے ہیں جو مفرد اور مرکب دونوں شکلوں میں ایک ہی مفہوم ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ البتہ مرکب شکل میں زیادہ وسعت ہونے کی وجہ سے وہ مفرد شکل کے مقابلے میں وسیع تر مفاہیم ادا کرنے پر قادر ہیں۔ مثلاً "آرامیدن" ایک مفرد مصدر ہے۔ اس کی ہم معنی مرکب شکلیں "آرام شدن" اور "آرام گرفتن" بھی ہیں۔ انھیں "آرام دادن" یا "آرام رسانیدن" کہہ کر متعدی بھی بنایا جا سکتا ہے۔ جو اس شکل میں نئے مفہوم کا حامل ہو جاتا ہے۔ یہاں "آرام" اسم ہے۔ اردو میں بھی ہندی الاصل اسما و صفات کے ساتھ فعل استعمال کر کے نئے نئے افعال ترکیب دینے کی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً چرانا کے ساتھ چوری کرنا۔ پوجنا ـ پوجا کرنا؛ برسنا ـ برسات ہونا؛ سینا ـ سلائی کرنا؛ گھبرانا ـ گھبراہٹ ہونا؛ جتیانا ـ جوتے مارنا؛ بتیانا ـ بات کرنا؛ جھلملانا ـ جھلمل کرنا؛ ٹھکرانا ـ ٹھوکر مارنا، وغیرہ۔ فارسی میں ایسے مرکب افعال بھی پائے جاتے ہیں۔

جن میں اسما مصادر سے حاصل کرنے کے بجائے دیگر اسما و صفات سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ مثلاً آزاد گردیدن، چوب خوردن، بہانہ آوردن وغیرہ وغیرہ۔ اردو میں بھی اس طرح کے مرکب افعال کی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً اداس ہونا، جاڑا لگنا، رکھوالی کرنا وغیرہ جب کھڑی بولی فارسی کے ربط میں آئی اور اس کے تحلیلی مزاج کے زیر اثر خود بھی تحلیلی بننے لگی تو رفتہ رفتہ وہ فارسی سے اسما صفات مستعار لے کر اسی طرح کے مرکب افعال بنانے لگی۔ جو وہ ہندی اسما و صفات کی مدد سے بنانی آئی تھی۔[1]

فارسی میں، جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں، چند افعال کی مفرد اور مرکب دونوں شکلیں رائج ہیں۔ لیکن اس میں اکثر ایسے افعال بھی ہیں۔ جن کی صرف مفرد شکلیں ہیں۔ اردو نے ان مفرد شکلوں کو بھی مرکب شکلوں میں ڈھال کر ان کے ہم معنی ہندی الاصل مفرد شکلوں کی جگہ استعمال کرنا شروع کیا۔

کچھ مثالیں درج ذیل ہیں:

(ل) فارسی مصدر سے آخری 'ن' حذف کر کے

فروختن ۔ فروخت کرنا؛ کاشتن کاشت کرنا؛ نگہداشتن ۔ نگہداشت کرنا؛ برداشتن (بمعنی اٹھانا ۔ برداشت کرنا (سہنا ۔ معنوی تصرف کے بعد) شناختن ۔ شناخت کرنا؛ سپردن ۔ سپرد کرنا؛

(ب) فارسی فعل مفرد کے حاصل مصدر کے ساتھ

کوشیدن ۔ کوشش کرنا؛ پرستیدن ۔ پرستش کرنا؛ پیمودن ۔ پیمائش کرنا۔

---

[1] محمد حسین آزاد آب حیات میں اس خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"باوجودیکہ ہندی کے مصدر موجود تھے۔ مگر (اردو نے) صدہا مصادر مرکبہ بنا لیے اس نے منظور نہ کیا ۔ نہ مانا، انکار کیا ۔ مُکر گیا، سوچا ۔ اب کہتے ہیں ہر چند فکر کرتا ہوں، پشیمان رہا ۔ پچھتایا۔" آب حیات صفحہ ۲۴

خلیدن ۔ خلش ہونا؛ باریدن ۔ بارش ہونا؛ پروردن ۔ پرورش ہونا یا پانا؛ جنبیدن ۔ جنبش ہونا/کرنا؛ ترادیدن ۔ ترادش کرنا/ہونا؛ افزودن ۔ افزائش کرنا/ہونا؛ پرسیدن ۔ پرسش ہونا۔

(ج) فارسی فعل مفرد سے اس سے حاصل کیے ہوئے اسم مرکب (ماضی واحد غائب + امر) کے ساتھ، گفتن ۔ گفتگو کرنا؛ جستن ۔ جستجو کرنا؛ شستن ۔ شست و شو کرنا۔

(د) فارسی فعل مفرد کے امر کے ساتھ

پسندیدن ۔ پسند کرنا/ہونا؛ نازیدن ۔ ناز کرنا/ہونا؛ پرہیزیدن ۔ پرہیز کرنا
پس انداختن ۔ پس انداز کرنا۔

(ہ) فارسی فعل مفرد کے اسم مفعول سے ترکیب دے کر۔

رنجیدن ۔ رنجیدہ ہونا/کرنا؛ گرویدن ۔ گرویدہ ہونا/کرنا؛ آراستن ۔ آراستہ ہونا/کرنا؛ فرسودن ۔ فرسودہ ہونا (معنوی تغیر کے بعد) آزردن ۔ آزردہ ہونا/کرنا، افسردن ۔ افسردہ ہونا/کرنا؛ پژمردن ۔ پژمردہ ہونا/کرنا؛ شگفتن ۔ شگفتہ ہونا۔

(و) حالیہ کے ساتھ

رفتن ۔ رواں ہونا

(ز) فارسی فعل مفرد سے حاصل کیے ہوئے اسما کے ساتھ

بوسیدن ۔ بوسہ لینا/دینا؛ شمردن ۔ شمار کرنا؛ مانستن ۔ مانند ہونا؛ انباشتن ۔ انبار لگانا؛ پذیرفتن ۔ پذیرائی کرنا (اسے "ز" سے بھی لکھا جاتا ہے۔)

بعض صورتوں میں صرف فارسی فعل مرکب کا لفظی ترجمہ کر کے ان کے ساتھ کے اسما و صفات کو قبول کر لیا گیا۔ ایسے افعال کا شمار عاریت بالترجمہ کے ذیل میں آتا ہے۔ اردو کے ابتدائی دور میں ہمارے شعرا اور نثر نگاروں نے کئی فارسی افعال

کے لفظی ترجمے کر کے انھیں اردو کے لفظی خزانے میں داخل کیا۔ ان میں سے کچھ چل نکلے لیکن اکثر ٹکسال باہر بھی ہو گئے۔ یہاں کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

آنا

باز آمدن ۔ باز آنا (تجدید معنی کے ساتھ)، یاد آمدن ۔ یاد آنا، در آمدن ۔ در آنا، حرف آمدن ۔ حرف آنا؛ بیقین آمدن ۔ بیقین آنا؛
پسند آمدن ۔ پسند آنا؛ ع

تماشائے بیک بردن صد دل پسند آیا

خوش آمدن ۔ خوش آنا

اگر کوئی مکان خوش آیا تو وہاں بیٹھ کر بندگی اپنے معبود کی بجا لاؤں گا۔
(باغ و بہار ص ۲)

افسوس آمدن ۔ افسوس آنا

مجھے افسوس آتا ہے کہ اپنی عمر عزیز کو۔۔۔۔ صرف کروں۔ گنج خوبی ص ۴۲)

بتنگ آمدن ۔ بتنگ آنا

آمد و شد سے آدمیوں کی نہایت بتنگ آیا ہوں۔ گنج خوبی ص ۳۱۱
(اب صرف تنگ آنا کہتے ہیں)

۔۔۔۔ یہاں تک روئیں کہ لوگ مدینے کے اور ہمسائے کے بتنگ آئے۔
(کربل کتھا ص ۷۲)

جاں بلب آنا

جدائی تیری سے جاں میرا لب آیا۔ کربل کتھا ص ۷۴
(اب جاں بلب ہونا کہتے ہیں۔)

موافقت آنا

ان دونوں میں موافقت آنی مشکل ہے۔ (باغ و بہار ص ۱۱۱)

طبع آنا

ع رفعِ بدعت پہ جب آوے تری طبعِ اقدس ۔ میرؔ

تعجب آنا۔

مجھے تعجب آیا ۔۔۔۔۔ باغ و بہار ص ۲۱۶

(اب تعجب ہونا کہتے ہیں۔)

ننگ آنا

مجھے ننگ آتا ہے کہ اس سے لڑوں ۔ کربل کتھا ص ۱۵۶

بر آنا ۔ (۱) غالب آنا

تم ایک ایک سے بر نہ آؤ گے ۔ کربل کتھا ص ۲۰۴

(۲) پورا ہونا

کوئی امید بر نہیں آتی ۔ غالبؔ

راست آنا

ایک تدبیر مجھے سوجھی ہے ۔ اگر راست آئی تو کچھ پروا نہیں، باغ و بہار ص ۲۱۱

میسر آنا

تب لون لکڑی میسر آوے ۔ باغ و بہار ص ۲۷

خلل آنا

ایسی حرکت نہ کرے جس میں اپنی اور اوروں کی عزت میں خلل آوے۔ (گنجِ خوبی ص ۳۲)

مرغوب آنا

شمار سبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا ۔ غالبؔ

باور آنا

باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا ۔ غالبؔ

تشنہ آنا

دل جگر تشنۂ فریاد آیا۔ غالبؔ

درپیش آنا

ایسی راہ درپیش آئی کہ بالضرور رجایا چاہیے۔ کربل کتھا صـــ۷

عہدہ سے بر آنا

اس عہدے سے بر آنا ۔۔۔۔ صاحب کمال کا کام ہے۔ گنج خوبی صـــ۱۲

کسی چیز پر آنا (ارادہ کرنا)

- آوے اگر عطا و کرم پر وہ ایک دم :: خسرو کی ہفت گنج تو کیا ہے چیز مال میر

اٹھنا، اٹھانا (برداشتن)

فتنہ اٹھانا، تکلیف اٹھانا، انگلی اٹھانا، زخم اٹھانا

تلوار، نیزے اور تیر کے زخم کیسے اٹھاؤں گا۔ گنج خوبی صـــ۲۳

دل (کو) اٹھانا، بیزار ہونا، دل برداشتہ ہونا

اسباب ظاہر سے اپنے دل کو اٹھا لے۔ گنج خوبی صـــ۲۴

زک اٹھانا

دوسری زک اٹھائی۔ فسانۂ عجائب صـــ۱۴۹

شکست اٹھانا

شکست فاش اٹھا کر صاحب فراش ہوئے۔ فسانۂ عجائب صـــ۲۱۱

(اب شکست کھانا مروج ہے)

محنت اٹھانا = تکلیف اٹھانا

فقط یہاں تک آنا اور محنت اٹھانا آپ کے اشتیاق کے سبب سے ہوا۔ باغ و بہار صـــ۸۳

صدمے اٹھانا

صدمے اٹھاتے ہوئے یہاں تک آیا۔ باغ و بہار صـــ۲۲۲

رواج اٹھنا

رواج اس کا اٹھ نہ جاوے ۔ قصہ مہر افروز دلبر صـ ۳۲

ایذا اٹھنا

بات کرتے میں ایذا اٹھیگی ۔ فسانۂ عجائب صـ ۲۱۲

فتور اٹھنا

اور بڑا فتور اٹھے ۔ گنج خوبی صـ ۹۳

باندھنا (بستن)

شرط باندھنا ۔ ہمت باندھنا

جس مشکل کے اوپر جو ہمت باندھے ۔ مہر افروز دلبر صـ ۴۹

عہد باندھنا

خدا نے عہد باندھا ۔ گنج خوبی صـ ۱۲۳

نکاح باندھنا

وہ بیٹی اپنی کہ نامزد قاسم تھی اوس سے نکاح باندھ ۔ کربل کتھا صـ ۱۵۱

(اب نکاح پڑھنا یا پڑھانا کہتے ہیں ۔)

عقد باندھنا

اس ملک میں ملکہ سے عقد باندھ کے رہنے لگا ۔ باغ و بہار صـ ۱۷۱

قطار باندھنا

سب قطار باندھ کر کھڑے ہوئے ۔ باغ و بہار صـ ۸۶

صف باندھنا

دو رویہ صف باندھے دست بستہ سہیلیاں ۔ باغ و بہار صـ ۸۷

کمر باندھنا

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں ۔ انشا

مہر باندھنا / بندھنا

کسی سلطنت کے خراج پر مہر بندھا۔ فسانۂ عجائب ص۲۰

بلانا خواندن، طلبیدن

گواہ بلانا

قیامت کے دن تجھے گواہ بلاؤں گا۔ کربل کتھا ص۸

مبارز بلانا

قاسم میدان میں آیا اور مبارز بولایا۔ کربل کتھا ص۱۵۶

پانا ۔ یافتن

انجام پانا

جو کام پیش آتا۔ آپس کی صلاح سے انجام پاتا۔ گنج خوبی ص۳۲-۳۳

آرام پانا

آرام سے سوتا کہ ہم بھی آرام پاویں۔ کربل کتھا ص۲۷

سراغ پانا

اور مطلب کا بھی سراغ پایا۔ باغ و بہار ص۲۲۲

رونق پانا

مجلس ضیافت کی رونق پاوے گی۔ باغ و بہار ص۴۱

مخلصی پانا

اس ہلاکت سے مخلصی پائی۔ گنج خوبی ص۳۹

پڑنا (افتادن)

تباہی پڑنا

ایک بارگی تباہی پڑی ۔ باغ و بہار صـ ۱۴

گمان پڑنا

گمان عماری لیلیٰ کا جس پہ پڑتا تھا ۔ دریغ دو روہ محمل سوار ہم سے ہا ۔ مصحفی

گرہ پڑنا

ع کام جو پیش آوے جس میں غم کی پڑ جائے گرہ ۔ گنج خوبی صـ ۱۳۶

نظر پڑنا (دکھائی دینا)

ایک پھول اچنبھے کا نظر پڑا ۔ باغ و بہار صـ ۱۰۴

پسند پڑنا

اور ایسی اشارتوں سے جو انھیں پسند پڑیں ۔ گنج خوبی صـ ۲۲۹

واویلا پڑنا

تمام ملک میں واویلا پڑی ۔ باغ و بہار صـ ۲۲۹

قیامت پڑنا (بقیامت افتادن)

تیری دلہنی اور میری دامادی قیامت پر پڑی ۔ کربل کتھا صـ ۱۵۱

مشکل پڑنا

باشندوں کو کاروبارِ دنیاوی کرنا مشکل پڑا ۔ گنج خوبی صـ ۱۶

(اب مشکل آپڑنا کہتے ہیں)

قبول پڑنا ۔

وہ جو دعا ۔ مانگے مقرر، جناب عالی میں قبول پڑے ۔ گنج خوبی صـ ۱۷

(اب متروک ہے)

مصیبت پڑنا، عذاب میں پڑنا، لرزہ پڑنا وغیرہ

پکڑنا ۔ (گرفتن)

ہمت، رونق، زور، صورت، رواج، عبرت، خصلت، "گناہ بخشنے کی

خصلت پکڑ" (گنج خوبی صـ۶۲) شور پکڑنا، گوشہ پکڑنا، جگہ پکڑنا۔
(سنتے سنتے محبت ان کی اس کے دل میں جگہ پکڑے۔ گنج خوبی صـ۲۹۷

آرام پکڑنا
باپ کی جدائی سے آرام نہ پکڑا تھا کہ نوبت تیری جدائی کی پہنچی۔ کربل کتھا صـ۵۷
قرار پکڑنا، شرم وحیا پکڑنا، استقلال پکڑنا؛
راہ پکڑنا۔
شہر کے دروازے کی راہ پکڑے کہ شہر سے باہر جاویں۔ کربل کتھا صـ۱۰۸
کنارہ پکڑنا۔ (اب کنارہ کشی کرنا کہتے ہیں) ۔اس سے شادی کرکے تم سلطنت سے کنارہ پکڑنا۔ باغ وبہار صـ۲۰۹

پہنچنا (رسیدن)

فیض، آرام، فائدہ
کسی چیز کو پہنچنا (برابری کرنا) ۔ایسا گناہ ہے کہ کوئی گناہ اس کو نہیں پہنچتا۔ باغ وبہار صـ۷۵
اختتام کو پہنچنا، نوبت پہنچنا، فریاد کو پہنچنا۔ مطلب کو پہنچنا (مقصد حاصل کرنا) تو میں بھی اپنے مطلب کو پہنچوں۔ باغ وبہار صـ۱۱۳
مراد کو پہنچنا،

پہنچانا (رسانیدن)

بہم پہنچانا، مطلب تک پہنچانا
(حاتم نے ... بعید جانا کہ ... ان دونوں بیچاروں کو مطلب تک نہ پہنچاؤں۔ باغ وبہار صـ۴۳

توڑنا (شکستن)

دل، ہمت، توبہ، عہد وپیمان

دل میرا راضی نہ ہوا کہ ... عہد وپیمان کے توڑنے پر کمر باندھوں۔

گنج خوبی صـ ۱۲۶

جانا - (رفتن)

برباد جانا، ضائع جانا

جاننا - (دانستن) غنیمت جاننا۔

چھوڑنا - (گزاشتن) دقیقہ نہ چھوڑنا۔

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں - غالب

چاہنا - (خواستن) بمعنی مانگنا - رخصت - میزبان سے رخصت چاہی۔

گنج خوبی صـ ۱۰۳ - معافی چاہنا۔

دینا - (دادن) - قسم سوگند

بہت منت کی اور قسمیں دیں۔ باغ وبہار صـ ۷۸

کشت دینا، گوشمالی دینا، برباد دینا

اپنی ذات شریف کو برباد نہیں دیتا۔ گنج خوبی صـ ۲۹۲

طول دینا، قفل دینا، (بمعنی قفل لگانا)

دروازے کو قفل دے کو کنجی اپنے پاس رکھا۔ کربل کتھا صـ ۱۲۵

دوالہ خالی دینا

بالفرض اس پہ چوٹ کرتے آتے مدعی: خالی دے اس کے وار کو دیوے زمیں پہ ڈال دیر

ڈالنا (افگندن / انداختن)

بنا ڈالنا ۔ طرح ڈالنا ۔ (سلطنت مصر نے بادشاہ روم سے طرح یگانگت کی ڈالی ۔ گنج خوبی ص ۲۳

غضب ڈالنا (تن نے ایسا غضب ڈلا) کہ دشمن بھی نہ ڈالے ۔ مہر افروز دلبر ص ۲۰۷

لرزہ ڈالنا

سطوت فاروقی نے قیصر روم کے اعضا و جوارح میں لرزہ ڈال دیا ہے ۔

(مضامین شرر (۶) ص ۹۳

رکھنا (داشتن)

اعتماد ، پردہ ، روزہ ، خاطر جمع ، دل رکھنا (بمعنی دل لگانا)

خیر کے کاموں میں دل رکھا کرے ۔ قصہ مہر افروز دلبر ص ۳۴

نیت رکھنا ۔

ہمارے بادشاہ نے اپنی نیت ظلم پر رکھی ۔ گنج خوبی ص ۶۰

دریغ رکھنا ۔

عفو گناہ گار سے دریغ نہ رکھے ۔ " " ص ۶۹

دوست رکھنا ۔ خدا عفو کو دوست رکھتا ہے " " ص ۶۸

روا رکھنا ؏

کل روا رکھا تھا تم نے میں روا رکھتا ہوں آج ۔ اقبال

معاف رکھنا

جواب میں غفلت ہوئی معاف رکھیو ۔ گنج خوبی ص ۱۹

رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی میں معاف

باز رکھنا ، علاقہ رکھنا ، نفع رکھنا ، آرزو رکھنا ، شرم رکھنا

کرنا (کردن)

مصدر کرنا کے ساتھ صدہا مرکب الفاظ جن کا ایک جزو مفرس عربی یا فارسی مستعار اسم ہوتا ہے اردو میں مستعمل ہیں۔ فارسی کے جن مرکب مصادر میں کردن کے بجائے ساختن یا نمودن آتا ہے اہل اردو نے ان کا ترجمہ "کرنا" ہی کیا ہے۔ یہاں صرف چند ایسے مرکب افعال دیے جاتے ہیں جو اب اردو میں متروک ہو چکے ہیں یا ہو چلے ہیں۔

سرانجام کرنا ـ سرانجام سرکشی کا کیا ـ باغ و بہار ص ۱۵

قفل کرنا ـ سب اسباب بند کر کر قفل کر دیا ، ص ۸۲

تمام کرنا / کروانا ـ

تمام کروا اچھے کپڑے پہنا۔ خدمت میں پری کی حاضر کیا ـ باغ و بہار ص ۵

حکم کرنا ـ بادشاہ نے .... حکم کیا کہ ہزار دینار اس کو دے۔ گنج خوبی ص ۲۱۸

گزر کرنا، جوش کرنا، صبح کرنا (صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا۔)

ہجوم کرنا ـ اس وقت شہر والوں نے بڑا ہجوم کیا ـ نہر افروز دلبر ص ۳

زندگی کرنا۔ گوش کرنا (سننا)

اس نے گوش کیا ـ گنج خوبی ص ۵۳

بات میری گوش کر ـ کربل کتھا ص ۷۷

باہم کرنا، عہدہ کرنا، نماز کرنا۔ (ایک دن رسول خدا نماز کرتے تھے۔ کربل کتھا ص ۹۳)

ضعف کرنا، مذکور کرنا، لنگر کرنا (جب قریب آیا جہاز کو لنگر کیا۔ فسانۂ عجائب ص ۲۸۳)

تبسم کرنا (کلی نے یہ سن کر تبسم کیا) شوہر کرنا (اب برس دن سے اس نے شوہر کیا ہے۔ فسانۂ عجائب ص ۲۰۶)

سرمہ کرنا ـ

حضرت کے قدم مبارک کی خاک کو اگر سرمہ کروں تو بجا ہے ـ باغ و بہار ص ۹۲

بو کرنا (سونگھنا) ع سنبل کے سوا زلف تری بو نہ کروں میں ـ سودا

پے کرنا ـ (گوشت پاشنہ بریدن برای منع و دیدن در راہ رفتن ـ فرہنگ آنندراج

کونچیں کاٹ ڈالنا ـ نور اللغات)

ایک پیادے نے اُس کے گھوڑے کو لاپے کیا ۔ کربل کتھا صـ ۱۴۶

کہنا (گفتن/خواندن)

اقامت کہنا، اذان کہنا ۔

جوں حضرت اذان کہہ قدم مسجد میں رکھے ۔ کربل کتھا صـ ۸۶

کاٹنا (قطع کردن)

راہ کاٹنا ۔ شب کاٹنا

(تو شب وصل غیر بھی کاٹی ۔ مومن)

کھولنا (کشودن)

روزہ کھولنا، زبان کھولنا، کمر کھولنا

کھینچنا (کشیدن)

ہاتھ، خفت، مصیبت، تصدیع، انتظار (اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ ۔ غالب)

نقش، تصویر، ہاتھ، خنجر

(اس بات کو جی میں ٹھہرا کر خنجر کھینچا ۔ آ ۔ م صـ ۲۳)

کھانا (خوردن)

فریب، زخم، قسم، خوف، خار

شرم ع لجائے ہوئے شرم کھائے ہوئے ۔ سحر البیان

میں شرم کھا کر چپ ہو رہا ۔ باغ و بہار صـ ۸۴

حیف کھانا ۔ مار چنگھاڑ حیف جو کھایا ۔ کربل کتھا صـ ۲۱۲

افسوس کھانا۔
پچھتاتا ہوں اور افسوس کھاتا ہوں۔ گنجِ خوبی صـ ۲۳۸
جوش کھانا۔ کلیجہ مونہہ کو آیا۔ جوش کھایا ہو۔ کربل کتھا۔ صـ ۲۷۹
دہشت کھانا۔ جب بلا آن پڑے دہشت نہ کھاویں۔ مہر افروز دلبر صـ ۲۵۶

لانا (آوردن)

تاب لانا، آفت لانا، عذر لانا
(عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے کیا۔ غالب)
پھر اس وقت کیا عذر لاؤں؟ گنجِ خوبی صـ ۵۴
بر لانا۔ (مرادیں غریبوں کی بر لانے والا۔ حالی)
خاطر میں لانا۔ نکاح میں لانا
اپنے چچا کی بیٹی کو نکاح میں لا کر ثمر جاودانی کا امیدوار رہا۔ آرائش محفل صـ ۳
خرابی لانا۔ اگر نہ جاؤں ... خرابی لاؤں۔ فسانۂ عجائب صـ ۲۴۹
بجا لانا (بجا دیر جا، آوردن) فرض بجا لانا۔ شکر بجا لانا
سلام بجا لانا۔ بعد سلام بجا لانے کے بولے۔ گنجِ خوبی صـ ۲۰
شرط، خدمت بجا لانا وغیرہ

مارنا (زدن)

ہاتھ پاؤں مارنا، دم مارنا، جوش مارنا، زخم مارنا (لعین نے زخم مارا تھا۔ کربل کتھا صـ ۸۶)
قفل مارنا (باغ کا دروازہ بند کر کے قفل مار دیتا ہوں۔ گنجِ خوبی صـ ۱۱۷
جست مارنا۔ غوطہ مارنا
راہ مارنا (رہزنی) مارے گئے سے شیطان ہر زنت راہِ مردان۔ کربل کتھا صـ ۹۵

نعرہ مارنا ۔ باگ جوڑ کر ایک نعرہ مارا ۔ باغ و بہار ص ۹۹
پرتہ مارنا ، نالہ مارنا (نالہ مار کے ..... گرا ۔ نہر از فردر دلبر ص ۴
گردن مارنا ۔ قاصد کی اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریے ۔ غالب
آہ مارنا ، لاف مارنا

ہونا (شدن/گردیدن)

ہونا ، ناقص الخبر ہے ۔ اکثر صورتوں میں جہاں ، مرکب فعل کرنا کے ساتھ آتا ہے ۔ اس کی جگہ تبدیلی معنی کے ساتھ ہونا استعمال کرتے ہیں ۔ یہاں صرف چند مثالیں درج ہیں :

تربیت ۔ یہ میرے روبرو تربیت نہ ہوگا ۔ تو یہ حسرت گور میں لے جاؤں گا ۔ باغ و بہار ص ۱۲۴

انجام ۔ یہ کتاب بارہ سو سترہ سن کی ابتدا میں انجام ہوئی ۔ باغ و بہار ص ۲۳۶

خبر ہونا (واقف ہونا) ع عالم دوستی سے ہو کے خبر
دیکھتے ہوں گے دلوں میں درد و اثر میر اثر ۔ خواب و خیال

اسی طرح خاک بیختن (خاک چھاننا) ، یقین دانستن (یقین جاننا یقین سمجھنا ۔ اس بات سے یہ یقین سمجھو ۔ گنج خوبی ص ۱۰۶ مقصد برآوردن ، مقصد یا مطلب نکالنا ، رنگ پریدن (رنگ اڑنا) جیسے کئی لفظی ترجمے ملتے ہیں

ان مثالوں میں صرف ایسے لفظی ترجمے پیش کیے گئے ہیں جن میں جزو اول کو یعنی محض عربی و فارسی دخیل الفاظ کو جوں کا توں قائم رکھ کر صرف فعل کا لفظی ترجمہ کیا گیا ہے ۔

ضمائرِ شخصی

اردو نے فارسی کے ضمائرِ شخصی من، ما، شما، او، اور ایشاں میں سے کسی کو ہاتھ نہیں لگایا۔ جہاں تک 'تو' کا تعلق ہے اس میں توافق اللسانین ہے۔ اردو کا 'تو' سنسکرت (त्वम्)، پراکرت (तुम) اپ بھرنش (तुहुं) سے بنا ہے۔ اسی طرح مختلف حالتوں میں اردو ضمائرِ شخصی کی محرف شکلیں یعنی مجھے / مجھ کو، تجھے / تجھ کو، ہمیں / ہم کو، تمھیں / تم کو، آپ کو، انھیں / ان کو، میرا، تیرا، اس کا، ہمارا، تمھارا اور ان کا اپ بھرنش سے متوارث ہیں۔ اس حصار میں جس طرح فارسی ضمائرِ شخصی داخل نہ ہو سکیں۔ اسی طرح فارسی ضمائرِ متصل کو بھی اردو نے ہاتھ نہیں لگایا۔ البتہ برادرم، عزیزم اور عربی کی کچھ متصل ضمیریں جیسے عزیزی، استاذی، فی زماننا (جو کثرتِ استعمال سے فی زمانہ بن گیا) مولائی، آقائی وغیرہ اردو مہذب گفتگو میں استعمال ہوتی ہیں۔ لیکن صرف حالت ندا میں، لفظ مولانا میں اگرچہ عربی ضمیر متصل 'نا' ہے۔ لیکن یہ اردو میں بسیط لفظ کی حیثیت سے مستعمل ہے۔ اس میں 'نا' یعنی ہمارے کا مفہوم غائب ہو گیا۔ اسی طرح عربی ضمیر متصل ضمیر غائب واحد بھی اردو میں بار پا گئیں۔ جیسے بعینہٖ، کماحقہٗ، مستعار منہٗ، مستعار لہٗ، ماشاءاللہ علیہ بفضلہٖ، فی نفسہٖ، مالہٗ، دما علیہ وغیرہ، لیکن اس سے اردو کا ضمیری نظام متاثر نہیں ہوا۔

ضمائرِ تنکیری

اردو نے اپنی تنکیری ضمیریں مثلاً کوئی (جاندار کے لیے) کچھ (بے جان کے لیے) کسی (حالت محرف میں)، کوئی کوئی، کچھ کچھ، کوئی نہ کوئی، کچھ نہ کچھ وغیرہ قائم رکھیں۔ البتہ مفرس عربی، بعض، بعضے بعضے، فلاں فلاں، فلانا، فلانی (تصرف کے بعد) اردو میں آ گئے۔ ضمیر تنکیری مرکب میں 'ہر' فارسی سے مستعار ہے۔ جیسے ہر ایک (تلفظ میں ہرے ک فارسی ہر یک) ہر کوئی، لیکن فارسی کی دوسری ضمائرِ تنکیری، مرکب جیسے

ہر آنکہ، ہر آنکس، ہر کدام، ہر کہ، ہر چہ، ہر کس اور ہیچکدام کو اردو نے قبول نہیں کیا، البتہ ترکیب ہر کس و ناکس اردو میں مستعمل ہے۔

ضمائر استفہامی

فارسی ضمائر استفہامی کہ (بمعنی کون) کدام، چہ، کرا، چرا، کو، چوں (بمعنی کیوں) چہار وغیرہ، اردو میں شرف قبولیت حاصل نہیں کر سکے۔ البتہ ضمیر استفہامی کتنا کے ساتھ کس قدر، اور کیسا کے ساتھ کس طرح، کس طرح سے، کس وضع اور کس وضع سے اردو میں آ گئے۔

ضمائر اشارہ

فارسی ضمائر اشارہ، واحد این و آن اور جمع میں اینان و آنان اردو میں نہیں آئے۔

ضمائر موصولہ

'جیسا' کے ساتھ جس طرح اردو میں مستعمل ہے۔ فارسی ضمیر موصولہ کہ (بمعنی جو) مثلاً اس جملے میں بادشاہی را شنیدم کہ بکشتن بی گناہی اشارت فرمود۔ صرف شاعروں نے نظم میں استعمال کیا ہے جیسے ع

میں کہ آشوب جہاں سے تھا ستم دیدہ بہت (محمد حسین آزاد)

لیکن یہ ضمیر (جو) کو بے دخل نہیں کر سکی اسی طرح فارسی ضمائر موصولہ (ہر کہ، کسی کہ) اردو میں باریاب نہیں ہو سکیں۔ البتہ کاف بیانیہ (کہ) اردو میں اور ہندی میں بھی) اس قدر گھل مل گیا ہے کہ اسے اردو نحو سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ لفظ اردو لفظ (کیوں) کے ساتھ (کیوں کہ) کی شکل میں موجود ہے۔ عربی ضمیر موصولہ مابین، ماتحت مابعد مافی الضمیر میں موجود ہیں۔

ضمائر تاکیدی

"خود" فارسی سے مستعار ہے۔ لیکن فارسی میں اس کے ساتھ جو ضمائر متصل آتی ہیں۔ جیسے خودم، خودت، خودش اردو نے انھیں قبول نہیں کیا۔

ضمائر ملکیت و نسبت

اردو نے فارسی کے خویش اور خویشتن کو قبول نہیں کیا۔

صفات مقداری

اتنا قائم رہا لیکن اس کے ساتھ اس قدر آ گیا۔

صفات ذاتی

ایسا کے ساتھ "اس طرح" بھی مستعمل ہے۔

متعلق فعل

(الف) زمانی:۔ اردو کے متعلق فعل زمانی جوں کے توں قائم رہے۔ کچھ عربی کے متعلق فعل زمانی اردو میں ضرور آ گئے۔ مثلاً

فی الحال، فی الفور، فوراً، بعد، جلد وغیرہ

فارسی کے متعلق فعل زمانی میں سے اردو نے صرف مندرجہ ذیل متعلق فعل قبول کیے۔ ہمیشہ، دیر (سے)، ناگاہ، ناگہاں، شبانہ روز، شب و روز تا آنکہ وغیرہ

(ب) مکانی

اردو نے فارسی سے صرف مندرجہ ذیل متعلقات فعل اپنے لیے چن لیے:

نزدیک، دور، اندر، اس کے علاوہ، درون، اندرون، بیرون اور پس اور پیش، صرف فارسی مرکبات میں مستعمل ہیں۔ جیسے اندرون شہر، بیرون ملک، پسِ دیوار، پیش نظر وغیرہ — فارسی سے آنجا، اینجا، دراز ہیں، وغیرہ اردو نے قبول نہیں کیے۔

عربی متعلقات فعل مکانی صرف ترکیبوں میں مستعمل ہیں۔ جیسے:

تحت اللفظ، فوق الفطرت وغیرہ

(ج) متعلق فعل شمار

فارسی سے مستعار، بار (ایک بار دو بار) دوبارہ، سہ بارہ

مفرس عربی سے مستعار اکثر، دفعہ، مرتبہ، اولاً، ثانیاً وغیرہ

فارسی قبول نہیں کیے گئے۔ یک بارہ، باز (معنی پھر سے)

(د) متعلق فعل طوری

فارسی سے مستعار، بجا، خوب، بخوبی، آہستہ، آہستہ سے، آہستگی سے زیادہ کم، وار (جیسے دیوانہ وار)

مفرس عربی سے مستعار:

بالکل (عربی بالکلیہ) کلیتہً، مطلق، بعینہٖ، دفعتہً، نسبتاً، فوراً، تقریباً بالخصوص، بجنسہٖ، من وعن، القصہ، الغرض، فی الجملہ، یقیناً طور (اس طور سے) طرح (اس طرح سے اچھی طرح)، اس طریقے سے

فارسی سے قبول نہیں کیے گئے: چنیں، چناں

فارسی۔عربی سے قبول نہیں کیے گئے: اینطور، بدین طور، بدین طریق

(ہ) متعلق فعل مقدار و درجہ

مفرس عربی سے اردو میں آئے: بالکل، فقط، بالکلیہ، جزواً

تصرف کے بعد ذرا۔

مفرس عربی۔فارسی سے نہیں لیے گئے: قسمتی، لیکلی، برخی، نختی، اندک، اندکی، بقدری، بسیار وغیرہ

(و) متعلق فعل ایجابی وانکاری

فارسی سے مستعار، شاید، ہرگز، زنہار

مفرس عربی، فارسی سے مستعار: البتہ، غالباً، یقیناً، بے شک بلاشک

مفرس عربی و فارسی سے قبول نہیں کیے گئے: بلی، آری، خیر (معنی نہیں) لاجرم، حقا، ہر آئینہ، نعم، لا

(ز) متعلق فعل علت

تصرف کے بعد کیوں کہ، تاکہ

فارسی سے مستعار چنانچہ

مفرس عربی سے مستعار لہذا

فارسی و عربی سے قبول نہیں کیے گئے: بواسطۂ آنکہ، بدیں جہت نا (صرف اشعار میں)

(ح) متعلق فعل مرکب

فارسی سے مستعار، ۔ دمبدم، دمادم (شعر میں) پے بہ پے، پے در پے

مفرس عربی و فارسی سے مستعار: کماحقہ، حتی الامکان، حتی المقدور، حتی الوسع طوعاً وکرہاً، آخرالام، عاقبت الامر وغیرہ

حروف

الفاظ بالعموم لغوی معنی کے حامل ہوتے ہیں۔ لیکن اکثر زبانوں کے لسانی ڈھانچے میں لغوی معنی سے عاری الفاظ بھی ہوتے ہیں۔ جو کسی جملے میں نحوی رشتوں کی نشاندہی کر کے مجموعی معنی پیدا کرنے میں اپنا قواعدی وظیفہ ادا کرتے ہیں۔ ترکیبی زبانوں میں ایسے "تہی الفاظ" کی تعداد گنی چنی ہوتی ہے۔ لیکن یہ تحلیلی زبانوں میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ انھیں اصطلاح میں 'حروف' کہا جاتا ہے۔ بالعموم 'حروف' مستعار نہیں لیے جاتے۔ لیکن اردو میں فارسی اور عربی سے کچھ حروف مستعار لیے گئے ہیں مثلاً:

(۱) حروف جار ۔ فارسی سے: نزدیک، گرد، درمیان

مفرس عربی و فارسی سے ۔ بغیر (کے) سبب (کے)، باعث، (کے) بموجب (کے) سوا، کی طرف، کے واسطے

فارسی سے نہیں لیے گئے: در، بر، زیر (صرف مرکبات یا ترکیبوں میں پائے جاتے ہیں۔ جیسے درپردہ، برسر اقتدار، زیر زمین وغیرہ) از، دنبال، پائیں نزد وغیرہ

حروف عطف: اس کی سات قسمیں ہیں۔ (۱) وصل (CUMULATIVE)

(۲) اختیاری (ALTERNATIVE) (۳) ترقی (۴) استثنا (-ADVERS ATIVE) (۵) شرط (۶) علت (۷) بیانیہ

(۱) وصل - فارسی سے مستعار (کہ، یا، نیز

(۲) اختیاری، فارسی سے مستعار - خواہ یا - یا - نہ ـــ نہ

کہ بمعنی (یا، (جیسے کوئی ہے کہ نہیں)

(۳) ترقی

فارسی سے مستعار - اگرچہ، ہرچند، باایں ہمہ یا بایں ہمہ

مفرس عربی + فارسی سے مستعار - بلکہ (یہ لفظ عربی 'بل' اور فارسی 'کہ' سے مرکب ہے)

ہندوستانی فارسی سے مستعار - تاہم

(۴) استثنا:

فارسی سے مستعار: ورنہ، مگر (نوٹ: فارسی کی تقلید میں قدیم اردو شعراء مگر، شاید اور حرف استفہام 'کیا' کے معنوں میں استعمال کرتے تھے مثلاً ؎

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب شرم تم کو مگر نہیں آتی

مگر اس کو فریب نرگس مستانہ آتا ہے :: الٹتی ہیں صفیں گردش میں جب پیمانہ آتا ہے

(آتش)

لیکن بول چال میں ان معنوں میں مستعمل نہیں۔)

دگرنہ (صرف شعر میں مستعمل)

مفرس - عربی سے مستعار: سوا (کے سوا، سوائے اس کے) اِلّا، لیکن الّا نہ، لیک، ولیک، ولیکن اردو نے اب متروک ہیں۔

(۵) شرط

فارسی سے مستعار - اگر - گر (صرف شعر میں)

فارسی سے قبول نہیں کیے گئے : ار، ور، ہر گاہ (صرف قانونی زبان میں)،

(۶) علت

فارسی سے مستعار: پس، تاکہ (تا صرف شعر میں، اب متروک ہے)

مبادا، چونکہ، چنانچہ

فارسی سے قبول نہیں کیے گئے : زیرا، زیراکہ، زانکہ، ازانکہ، ازاں بود،

بدیں سبب وغیرہ

(۷) بیانیہ

کہ جسے **کاف** بیانیہ کہتے ہیں فارسی سے مستعار ہے۔

حروفِ فجائیہ :

فارسی سے مستعار: ۔ اظہار مسرت کے لیے : واہ واہ، چشم بد دور، دزہے (نصیب / قسمت) خوشا (صرف شعر میں)، آفریں (رہے)، شاباش،

عربی سے مستعار: (نفرت، حیرت اور مسرت کے اظہار کے لیے) سبحان اللہ، ماشاءاللہ، استغفراللہ، معاذاللہ، نعوذباللہ، لاحول ولاقوۃ (یا صرف لاحول) صلی اللہ، بارک اللہ، جزاک اللہ، مرحبا، حبذا (صرف شعر کی حد تک)، حاشا، حاشا وکلا، عیاذاً باللہ (شاذ) نوحش اللہ، (شعر کی حد تک) توبہ، الامان والحفیظ وغیرہ

تنبیہ کے لیے :

فارسی سے مستعار: ہوشیار، خبردار، ہاں، زنہار (صرف شعر میں) ع

زنہار اگر تمھیں ہوس نائونوش ہے ۔ غالب

اظہار افسوس کے لیے :

فارسی سے مستعار: اُف، افسوس، فریاد، آہ (وائے، یدا اور دردا شعر میں مستعمل تھے، لیکن اب متروک)

مفرس عربی سے مستعار :

ہیہات، دا حسرتا، دریغا، صرف شعر کی حد تک، لیکن اب متروک

حروف ندائیہ:

فارسی کا الف ندائیہ جیسے ناصحا، دلا، ساقیا، صرف شعر کی حد تک، لیکن اب متروک، یہ ماننا پڑے گا کہ حروف فجائیہ کے سلسلے میں اردو نے فارسی اور بالخصوص مفرس عربی سے کافی الفاظ مستعار لیے ہیں۔

عاریت کا مثبت پہلو

اب تک ہم نے عمل عاریت کے منفی پہلو پر زور دیتے ہوئے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اردو نے افعال، ضمائر، حروف اور قسم اول کے اسمار کے سلسلے میں بہت کم الفاظ مستعار لیے ہیں۔ اور اپنا ہندوی مزاج برقرار رکھا ہے اب اسی بحث کے مثبت پہلو کی طرف آئیے تو دوسرا ہی رنگ نظر آئے گا۔ ہم بتا چکے ہیں کہ اردو نے اپنی ساخت کے بالائی تعمیری حصے میں ہندوستانی مسالے کے ساتھ ساتھ ایرانی مسالے سے بھی بڑی فراخدلی سے کام لیا ہے۔ اور اسی لیے فارسی کا جلال و جمال جذب کر کے وہ نکھر اٹھی ہے۔ زبان کے بالائی ڈھانچے میں ان اسمار وصفات کا شمار ہوتا ہے جو مندرجہ ذیل چیزوں پر دلالت کرتی ہیں:

(۱) ثقافتی نوعیت کے اشیاء کے نام (ب) مجرد احساسات وکیفیات کی ترجمانی (ج) علمی احساسات

(۲) ثقافتی اشیار کے نام:

ثقافتی اشیا کے ناموں کے سلسلے میں مندرجہ ذیل اسما اردو میں داخل ہوئے ہیں:

(۱) چونکہ بند وبست اراضی مغلوں کے ذمے تھی جن کی درباری زبان فارسی تھی۔ اس لیے اس کے زیر اثر مندرجہ ذیل اسما ہندوستانی فارسی سے اردو میں آئے فصل، محصول، خریف، ربیع، نقادی، جنس (بمعنی غلہ) پیداوار، زمیندار، اسامی وغیرہ

(۲) طب یونانی کے رواج کی بدولت اعضائے بدن کے اکثر نام جن کا تعلق

تشریحِ الابدان سے ہے۔ مفرس عربی وفارسی سے آئے ہیں۔ جن میں سے کچھ بول چال کی زبان کا حصہ بن گئے۔ جیسے دل، دماغ، جگر، معدہ، مثانہ، گردہ، رگ، خون، سینہ، بغل، زبان وغیرہ اسی طرح اکثر بیماریوں کے نام بھی مفرس عربی وفارسی ہیں۔ مثلاً آتشک، سوزاک، ہیضہ، اختناق الرحم، سیلان الرحم، طحال، عرق النسا، وجع مفاصل، ذیابیطس، سرطان، نزلہ زکام، تپ محرقہ وغیرہ البتہ بخار اور جریان فارسی میں نہیں ملتے۔ اسی طرح بیماری سے متعلقہ الفاظ مثلاً نبض، دورانِ خون، دوا، خوراک وغیرہ بھی فارسی اور مفرس عربی سے مستعار ہیں۔ دواؤں کے اکثر بلکہ کم وبیش سبھی نام بھی فارسی اور مفرس عربی سے لیے گئے ہیں۔

(۳) دکان سے متعلق اکثر الفاظ ہندی ہیں۔ لیکن مکان سے متعلق مندرجہ ذیل اسما فارسی اور مفرس عربی سے اردو میں داخل ہوئے ہیں۔ مثلاً دیوار، فرش، طاق، دریچہ، شہتیر، غسل خانہ، شاگرد پیشہ، باورچی خانہ (ترکی لفظ تصرف کے بعد) دہلیز دروازہ، برآمدہ وغیرہ

(۴) گھوڑا، تو ہندی الاصل رہا، لیکن ادبی زبان میں اس کی کئی قسمیں ہیں عراقی تازی، شیرازی، مشکی، کرنگ (جو سرنگ بنا) کمیت، ابلق خنگ وغیرہ کے علاوہ اس کے لوازمات مثلاً لگام، زین، زین پوش، اصطبل، تنگ، رکاب، ہمیز، نعل وغیرہ۔ مفرس عربی وفارسی دخیل الفاظ ہیں۔ دمچی میں تصرف ہے، توبڑا ہندوستانی رہا۔

(۵) آلاتِ حرب میں

توپ (ترکی)، بندوق، خنجر، تیر، کمان، گرز، اور شمشیر نے اپنے لیے جگہ نکال لی۔

(۶) ملبوسات میں مختلف کپڑوں اور لباسوں کے نام مثلاً شبنم، سمور، سنجاب، قاقم، مخمل، گلبدن، مشروع، تاش، وغیرہ، ہندوستانی فارسی سے اردو میں

آئے۔ یہ الفاظ اب صرف قدیم ادبیات کی زینت ہیں۔ بول چال میں قمیص، کرتہ (جسے کرتا لکھتے ہیں)، شلوار (اصل سلوال)، کمربند، پاجامہ، ازار عام ہیں۔ لباس کے حصوں میں دامن گریبان، آستین، نیفہ (صوتی تصرف کے بعد) بول چال میں مستعمل ہیں۔

(۷) کھانے پینے کی چیزوں میں اکثر کیوں ان بدیسی تھے۔ اس لیے ان کے نام بھی بدیسی بالخصوص فارسی ہیں۔ مثلاً شوربہ، نان، قورمہ، (ترکی) قلیہ (صوتی تصرف کے بعد) فالودہ (اصل پالودہ)، بریانی (معنوی تصرف کے بعد) وغیرہ کھانے پکانے کے برتنوں میں خوان، تشتری (اردو املا طشتری۔ صوتی تصرف کے بعد)، رکابی (تصرف کے بعد) چمچہ (ترکی سے)، سینی (صحن، صحنی سے) چلمچی (ترکی)، کفگیر وغیرہ نے اپنی جگہ باورچی خانے میں بنائی۔ اس طرح پھلوں میں انار، انگور، سیب وغیرہ فارسی سے ماخوذ ہیں۔

(۸) اکثر دینی اصطلاحیں بھی منفرس عربی و فارسی کی دین ہیں۔ ایرانیوں نے چند دینی اصطلاحوں کے ترجمے کر لیے تھے۔ جیسے صلوٰۃ کے لیے نماز، صوم کے لیے روزہ، رسول کے لیے پیغمبر اور ملک کے لیے فرشتہ، فارسی میں عربی لفظ 'اللہ' کے ساتھ ساتھ 'خدا' بھی باقی رہا۔ اردو نے یہ تمام فارسی اصطلاحیں عربی اصطلاحوں کے ساتھ ساتھ قبول کر لیں۔ ہندی مسلمان اپنے بچوں کے نام عربی طرز پر رکھنے لگے اور اس معاملے میں توغل سے کام لیا۔ حالانکہ غیر عرب اسلامی ملکوں میں غیر عرب ناموں کا چلن آج بھی ہے، مثلاً ایران اور ترکی میں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اسلامی ممالک کے برخلاف جہاں مسلم اکثریت میں ہیں۔ ہندستان میں مسلمان ہمیشہ اقلیت میں رہے اس لیے غیر مسلموں میں خود کو ممتاز کرنے اور اپنا تشخص برقرار رکھنے کے لیے عربی ناموں کا اختیار کرنا غیر شعوری طور پر ضروری سمجھا گیا اور دینی مسائل میں غلط مبحث سے بچنے کے لیے نہ تو پیغمبر کو دوت کہا گیا نہ نماز کو پرارتھنا اور نہ خدا کو بھگوان۔

(ب) مجرد احساسات کی ترجمانی کرنے والے الفاظ اور
(ج) علمی اصطلاحات

جہاں تک مذکورہ بالا الفاظ کا تعلق ہے ثقافتی نوعیت کے ہونے کی وجہ سے وہ اردو کے علاوہ ان دیگر ہند آریائی زبانوں میں بھی پہنچے جو فارسی سے ربط میں آئیں۔ لیکن اردو نے کیفیات و احساسات کے اظہار اور علمی اصطلاحات کے سلسلے میں مفرس عربی و فارسی کے لفظی خزانے سے اس فراخدلی سے استفادہ کیا کہ اس معاملۂ خاص میں ہندوستان کی کوئی دوسری زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ان دخیل الفاظ کے پراکرت مترادفات اردو میں آج بھی 'ہم موجود' ہیں۔ اور اردو ان میں سے اکثر سے حسب ضرورت برابر کام لیتی ہے۔ البتہ اردو نے کلاسیکی سنسکرت کے تت سم الفاظ کا دیگر ہند آریائی زبانوں کی طرح سہارا لینے کی کبھی ضرورت محسوس نہیں کی کیونکہ اردو فارسی سے اس وقت ربط میں آئی جب وہ کھڑی بولی کی حیثیت سے صرف بول چال کی سطح پر تھی اور اس نے علمی و ادبی مقام حاصل نہیں کیا تھا۔ چونکہ یہ ہندوستان کی واحد زبان تھی جس نے اپنا ارتقائی سفر فارسی کی قیادت میں منزل بہ منزل طے کیا۔ اس لیے وہ اسی سے متاثر ہوئی۔ برخلاف دوسری ہند آریائی زبانوں کے جنھوں نے سنسکرت کا سہارا لیا تھا۔

یہ ضرور ہے کہ اردو فارسی کی طرف ضرورت سے زیادہ جھک کر اپنی موجودہ شکل میں آئی لیکن اس کے پیچھے کوئی ہندو دشمن ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔ اور نہ اس کی پشت پر کوئی منظم تحریک تھی بلکہ یہ اس وقت کے ان مخصوص ثقافتی حالات کا نتیجہ تھا۔ جن میں اہل اردو خود کو پا رہے تھے۔

اردو جہاں احساسات کیفیات اور تصورات کی ترجمانی کے لیے پراکرت کے صدہا الفاظ سے آج بھی کام لیتی ہے۔ وہیں اس مقصد کے لیے اس نے مفرس عربی و فارسی سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں الفاظ مستعار لیے۔ جن میں سے کچھ الفاظ یہاں نمونے کے طور پر درج کیے جاتے ہیں۔

(اول) مفرس عربی

(۲) ثلاثی مجرد

(اول) فَعَال ـ سلام، کلام، بیان وغیرہ

فُعَال ـ زکام

فِعَال ـ جہاد، علاج، نکاح، حساب، نزاع، رِیا

(دوم) فعیل ـ رحیل، وکیل، ادیب

(سوم) فِعالت ـــ تجارت

فَعالت ـــ وَکالت، دلالت

فُعُولت ـ سُہولت (جو اردو میں بروزن فَعالت مستعمل ہے)

(چہارم) فِعْل ـ فہم، جہل (صوتی تصرف کے بعد) ذِکر، عِلم، حِرص، فِکر وغیرہ

فَعَل ـــ مرض، عرق، قلق، تلف (ان تمام الفاظ کو فعل کے وزن پر بولنے کا رجحان عام ہے) کرَم، عَمل وغیرہ

فَعْلت ـــ رحمت (صوتی تصرف کے بعد) غفلت، راحت وغیرہ

فَعْلہ ـ ورثہ (اردو میں وِرْثَہ) نزلہ، لہجہ (صوتی تصرف کے بعد)

فَعْلان / فُعْلان ـــ میلان، ہیجان، بہتان (صوتی تصرف کے بعد)

(پنجم) فُعُول ـ ثبوت، وُجود (اردو میں وجود) وُصول (اردو میں وَصول)

فَعیلہ ـــ وسیلہ، وظیفہ، ضمیمہ

(ب) غیر ثلاثی

(اول) افعال ـ اِنکار، اِقرار، اِخلاص، ایمان، اقبال، اخراج وغیرہ

صوتی تصرف کے بعد ـ احسان، اعزاز

(دوم) تفعیل ـ تشریح، تقریر، تصویر، ترتیب وغیرہ

صوتی تصرف کے بعد ـ تحریر

تفعیلہ ـ تمہید

تفعلہ ـ تخلیہ

صوتی تصرف کے بعد ۔ تذکرہ، تفرقہ

تفعلت ۔ تربیت،

صوتی تصرف کے بعد ۔ تہنیت، تعزیت

تفعال ۔ تکرار (معنوی تصرف کے بعد) تعداد وار (دو تلفظ تاداد)

(سوم) تفعُّل ۔ تجسس، تصور، تخیل، تعصب، تحمل، تمدن، تقرر، توجہ، تفنن وغیرہ

(چہارم) مفاعِلہ ۔ (اس وزن پر تمام الفاظ صوتی تصرف کے بعد دیکھیے باب چہارم صوتی تصرف) مقابلہ، مشاعرہ، مصافحہ، محاورہ، وغیرہ

مُفاعلت ۔ (اس وزن پر بھی تمام الفاظ صوتی تصرف کے بعد، دیکھیے باب چہارم صوتی تصرف) مداخلت، مفارقت، مسافرت، مزاحمت، معاشرت وغیرہ

(پنجم) تفاعل ۔ تعارف، تجاہل، تغافل، تجاوز، تعاون، تفاوت، تدارک وغیرہ

(ششم) انفعال ۔ اس وزن پر بھی تمام الفاظ صوتی تصرف کے بعد

انکسار، انقلاب، انہماک، انبساط وغیرہ

(ہفتم) افتعال ۔ صوتی تصرف کے بعد

اختلاف، اجتہاد، امتحان، اختصار وغیرہ

(ہشتم) استفعال ۔ استفسار، استغنا

صوتی تصرف کے بعد استعمال، استعداد

(نہم) فعللہ ۔ زلزلہ، ولولہ، وسوسہ

(دہم) فُعلال ۔ عنوان، برہان

(یازدہم) تفعلُل ۔ تذبذب، تسلسل، تمسخر

(ج) اسم زماں و مکاں جیسے مغرب، مجلس، محفل، مسجد، معبد وغیرہ

(د) اسم فاعل ۔ حاکم، سامع، مجاہد، منتظر، مخاطب وغیرہ

(ط) اسم مفعول ۔ محبوب، مظلوم، مقتول، مفتوح، منتظر، مخاطب

(ی) اسم مبالغہ ۔ سفاک، علامہ، رحیم، عظیم، کریم

(ن) اسم تفصیل ۔ افضل، اکثر، اشد

(ح) مرکبات ۔ اردو نے عربی علامت معرفہ 'ال' کے ساتھ بعض الفاظ مفرس عربی سے قبول کیے ہیں۔ جیسے بیت المال، دارالخلافہ، راس المال، کثیرالاضلاع، واجب الادا (مرکب توصیفی) حتی الامکان (متعلق فعل)

(دوم) فارسی

(ا) حاصل مصدر

(اول) امر + ش/ اِش ۔ جیسے کوشش، پرستش، پرسش
آلائش، آسائش، آزمائش
تصرف : رہائش [1]

(دوم) امر + اک
خوراک، پوشاک، سوزاک

(سوم) ماضی واحد غائب
خرید، فروخت، کاشت، نشست، ساخت، گرفت وغیرہ

ماضی واحد غائب + ار
گفتار، رفتار، دیدار، گرفتار، کردار

(چہارم) امر ۔ گریز، ہراس، خراش، دم، خروش، جوش، خواب پسند،

---

[1] ان الفاظ کا فارسی املا آلایش، آسایش ..... ہے۔ چونکہ اردو تلفظ میں یا کی آواز نہیں ہوتی اس لیے ان میں ی کی جگہ ہمزہ کا استعمال مناسب ہے۔ اور اس کا چلن بھی ہے۔ دیکھیے اس بحث کے لیے مقدمہ غبار خاطر از مالک رام اور ہمزہ کیوں؟ از گوپی چند نارنگ

آرام، فریب، شمار، پیوند، انداز، انبار وغیرہ

(ب) اسم زماں

سحر گاہ

(ج) اسم مکاں

رزمگاہ، درگاہ، بارگاہ، چراگاہ، خواب گاہ، جلوہ گاہ

تصرف رہائش گاہ

(د) مرکبات

اردو نے فارسی سے صدہا مرکبات مستعار لیے ہیں۔ جن میں سے کچھ نمونے کے طور پر درج ہیں:

مرکبات اسمی و توصیفی

(ایک) مرکبات توصیفی میں پہلا جز مشبہ بہ اور دوسرا مشبہ ہوتا ہے۔ اردو نے فارسی سے اس طرز کے مرکبات توصیفی مستعار لیے ہیں۔ مثلاً

آہو چشم، شعلہ رو، گلرخ، ماہ رخسار وغیرہ

(دو) فارسی کے بعض مرکبات توصیفی میں صفت پہلے اور موصوف بعد میں آتا ہے۔ یہ اردو کے نحوی مزاج کے عین مطابق ہے۔ جس میں صفت اسم سے قبل آتی ہے۔ اردو نے اس طرز کے مرکبات فارسی سے مستعار لیے ہیں۔

خوب صورت، نیک بخت، پاکدامن، نازک مزاج وغیرہ

(تین) فارسی میں اسم + اسم سے مرکبات اسمی بنتے ہیں۔ اردو نے نہ صرف انھیں قبول کیا بلکہ فارسی کی تقلید میں بعض مرکبات اسمی صفت کے طور پر بھی استعمال کرنے لگی۔ مثلاً:

فرعون مزاج، سنگ دل وغیرہ

(چار) فارسی میں اسمائے فاعل بنانے کے لیے مرکبات کے جز ثانی میں امر کا استعمال

ہوتا ہے۔ یعنی اسم + امر، جناب وحید الدین سلیم نے اپنی تصنیف "وضع اصطلاحات" میں اس امر کو غلطی سے لاحقہ سمجھا ہے[1]۔ اردو نے ایسے صدہا مرکبات فارسی سے قبول کیے۔ یہی نہیں بلکہ ہمارے شعرا نے اس طرز پر نئے نئے مرکبات بھی وضع کیے ہیں۔ ہم یہاں پر ہر امر کی صرف ایک ایک مثال پر اکتفا کریں گے۔

خیراندیش، دل آرام، مے آشام، شہر آشوب، جانباز، مشکبار، دروغ باف، صحت بخش، راہبر، فرمانبردار، شکاربند، فلک بوس، خشک بیز، خودبیں، برق پاش، دلپذیر (فارسی املا میں 'ذ')، اختراپرداز، آتش پرست، بندہ پرور، بت پرست، عیش پسند، خطاپوش، عمل پیرا، فلک پیما، جہانتاب، بت تراش، خداترس، دلچسپ، نکتہ چیں، دلخراش، سبک خرام، شیرخوار، ثناخواں، خیرخواہ، آدم خور، مردم خیز، تیماردار، قانون داں، حکمراں، دادرس، زودرنج، خودرُو (اردو تلفظ خودرَو) راہ رو، خاکروب، اشک ریز، شمشیر زن، سخن ساز، رشوت ستاں، غزل سرا، خیرسگال، نغمہ سنج، حیاسوز، خاراشگاف، حق شناس، سخن طراز، آرام طلب (طلبیدن سے)، روح فرسا، کرم فرما، گلفروش، دل فریب، گل فشاں، سایہ فگن، ادافہم (فہمیدن سے)، کنارہ کش، محسن کش، دلکشا (فارسی دلگشا)، فیصلہ کن، گورکن، سخت کوش، سرگرداں، تہجد گزار، پناہ گزیں، غمگسار، کرم گستر، حق گو، دستگیر، پامال، خاک نشیں، نامہ نگار، یدنما، بندہ نواز، صحرانورد، مے نوش، خوش نویس، مردہ شو وغیرہ

(پانچ) مرکب اسمی، حرف + امر

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مضمون "وضع اصطلاحات کی چند نادرست لسانی اصطلاحیں"، مطبوعہ "اردو ادب" شمارہ ۱، ۱۹۷۱ء، مزید ملاحظہ ہو راقم کی کتاب نئی اردو قواعد، مطبوعہ ترقی اردو بورڈ ۱۹۸۱ء، ص ۲۸۲

پس انداز، پیش کش، درگزر، بازپرس وغیرہ

(چھ) مرکب اسمی، امر + امر (واوِ عطف کے ساتھ)

پیچ وتاب، خورد ونوش، سوز وگداز، تگ ودو

(سات) مرکب اسمی، امر + امر (حرف اتصال ــَـ ا اور حروف نافیہ م کے ساتھ) کشاکش، کشمکش

(آٹھ) مرکب اسمی اسم + ماضی واحد غائب

سرنوشت، گل گشت

(نو) " " ماضی + اسم ـ کشت وخوں

(دس) " " ماضی + امر ـ جستجو، گفتگو، بود وباش، زدوکوب بندوبست

(گیارہ) " " ماضی + ماضی (واوِ عطف کے ساتھ)

نوشت وخواند، گفت وشنید، آمد ورفت، نشست وبرخاست

اس کے علاوہ اردو نے فارسی خزانے سے وہ اسماء وصفات بھی مستعار لی ہیں جن میں مندرجہ ذیل تعلیقے (AFFIXES) پائے جاتے ہیں۔

(۱) امر + ہ ـ اندیشہ، اندازہ، نالہ

(۲) اسم یا صفت + ــِـی سفیدی، بزرگی، جوانی

(۳) " " + گی ـ دیوانگی، فرزانگی (تفصیل باب پنجم میں)

دوسرے تعلیقے یہ ہیں ـ کد (کدخدا، کتخدا)، خر (خرگوش، خربزہ) ور، (رنجور، سخنور)، دار ـ (امیدوار، سوگوار)، ور (مزدور) سار (خاکسار) زار (گلزار، کارزار)، بار (جویبار، رودبار)، ستاں (گلستاں، سنبلستاں)، لاخ (سنگلاخ) کدہ (میکدہ، آتش کدہ)، گار (کردگار، طلبگار) گر (زرگر، ستمگر، جدید فارسی میں ستمکار) وند (خداوند)، مند (خردمند، ہوشمند)، گوں (گلگوں، نیلگوں) گونہ (گلگونہ) ـ یں (نگاریں، زریں)، وش (پری وش، حوروش)، گیں (غمگیں، اندوہ گیں)، ناک (دردناک، خطرناک)، بان (نگہبان، مہربان)، دان

(نمکدان، گلدان) داد (بیشیرا، من (نشیمن، خرمن)، آ (گرما، سرما)، خام (سفید خام، سیاہ خام وغیرہ)

فارسی میں مرکبات اضافی میں مضاف پہلے آتا ہے اور مضاف الیہ بعد میں اردو نے فارسی مرکبات اضافی کو اپنے نحوی مزاج کے اعتبار سے ان میں پائی جانے والی الٹی ترتیب کے ساتھ قبول کیا ہے۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ اردو جملوں میں حروف اضافت کا۔کی۔کے کے کثرت استعمال سے جو ڈھیلا پن پیدا ہوتا ہے وہ دور ہو گیا۔ بقول محمد حسین آزاد :

"بھاشا میں کہنا ہو تو کہیں گے "راج کنور کے دل کے کنول کی کملاہٹ دربار کے لوگوں سے نہ دیکھی گئی"۔ اردو میں کہیں گے ــ "شہزادے کے غنچۂ دل کی کملاہٹ اہل دربار سے نہ دیکھی گئی"[1]

اسی طرح اردو نحو کے خلاف فارسی مرکبات توصیفی میں موصوف پہلے اور صفت بعد میں آتی ہے۔ اردو نے ان مرکبات کو بھی اپنے آغوش میں جگہ دی، جیسے :
گلِ رنگیں، مردِ دلبر، خونِ ناحق وغیرہ اردو نے فارسی مرکبات کی فکِ اضافت اور اضافت مقلوبی کو بھی قبول کیا ہے جیسے :

سرمایہ، قائم مقام، عالم پناہ، اور سپہ سالار وغیرہ

علامت جمع

جب کوئی لفظ کسی زبان میں مستعار لیا جاتا ہے تو وہ مستعار لینے والی زبان کا پابند ہو جایا کرتا ہے۔ اس کی تفصیل آئندہ باب میں ملے گی۔ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ معطی زبان کی بعض قواعدی شکلوں میں ڈھلے ہوئے مشتقات کو من وعن قبول کر لیا جاتا ہے۔ اس کا مظہر بالعموم معطی زبان کی علامتِ جمع ہوتی ہے۔ مثلاً اردو میں تعداد کے

---

[1] آب حیات ص ۴۶

اظہار کے لیے تثنیہ (DUAL PLURAL) کا وجود نہیں۔ جیسا کہ عربی اور سنسکرت میں بھی ہے۔ اردو نے فارسی کے توسط سے چند ایسے مفرس عربی الفاظ بھی قبول کیے ہیں جن میں عربی قواعد کی رو سے تثنیہ ہے مثلاً:

والدین، طرفین، فریقین، جانبین، بعد المشرقین، بعد القطبین وغیرہ

اسی طرح اردو میں مفرس عربی دخیل الفاظ کے سلسلے میں ان کی مکسر اور سالم جمعیں بھی قبول کی گئیں۔ لیکن ان کی اردو جمعیں بھی ساتھ ہی ساتھ رائج ہیں۔ جیسے تصویر کی جمع۔ تصاویر اور تصویریں؛ تدابیر۔ تدبیریں، اقوام۔ قومیں، اشعار۔ شعر، الفاظ۔ لفظ، (اہل لکھنو۔ لفظیں)

عربی میں قواعد کی رو سے جمع سالم میں مذکر کے آخر میں حالت فاعلی (حالت رفعی) میں ـ ونَ کا اور حالت مفعولی وجری (حالت نصبی وجری) میں ـ ینِ کا اضافہ کرتے ہیں۔ اور مونث کے آخر میں، حالتِ فاعلی میں ـ اتٌ اور حالت مفعولی وجری میں ـ اتٍ کا اضافہ کرتے ہیں۔ لیکن اردو نے نہ صرف یہ کہ آخری لفظ سے حرکت اڑا دی اور تنوین بھی غائب کر دی بلکہ مذکر کے لیے حالت فاعلی کے ـ ون کو بھی نظر انداز کر دیا ہے مثلاً مسلم کی جمع مذکر 'مسلمین' اور مونث 'مسلمات' کو قبول کیا۔ یعنی اس نے مسلمون، مصلحون اور معلّمون کی جگہ صرف مسلمین، مصلحین اور معلّمین ہی کو اپنی زبان میں رواج دیا۔

فارسی علامات جمع دو ہیں۔ 'ہا' اور ـ ان، بے جان اشیاء پر دلالت کرنے والے اسما، اسم، تجرید اور اسم مرکب کی جمع میں "ہا" کا اضافہ کرتے ہیں۔ اور ـ ان کا استعمال جانداروں پر دلالت کرنے والے اسما کی جمع میں ہوتا ہے [استثنا۔ مردم ہا۔ درختانِ سبز]، اردو نے 'ہا' کو صرف مرکبات اضافی و توصیفی میں قبول کیا۔ علامت ـ ان (جو تورانی فارسی میں 'ـ اں' ہے)، قدیم دکنی اور گجری میں اور آج بھی حیدرآبادی دکنی میں جمع کی علامت ہے جیسے لوگاں، باتاں، کتاباں۔ لیکن اب اردو میں یہ علامت نہ تو فارسی الفاظ کی مفرد شکل کے ساتھ اور نہ ہی ہندی الاصل الفاظ کے ساتھ مستعمل ہے۔ صرف خوباں اور مغاں میں یہ موجود ہے۔

فارسی میں بعض اسمائے جمع COLLECTIVE NOUNS ایسے ہیں جن سے متعلقہ

اسماء ضمائر اور فعل کے صیغے۔ تعداد جمع کی علامت قبول کرتے ہیں۔ جیسے قوم، خلق، طائفہ فرقہ[1]، بعض واحد اور جمع دونوں استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے سپاہ، انجمن[2] اور بعض صرف واحد استعمال ہوتے ہیں جیسے قافلہ، کارواں[3] وغیرہ، لیکن اردو میں فارسی سے مستعار اسمائے جمع صرف واحد مستعمل ہیں۔ جیسے کارواں گزرا، فوج آئی، لشکر ٹوٹ پڑا۔

جنس کے سلسلے میں اردو نے تصرف سے کام لیا ہے۔ جس کی تفصیل باب پنجم میں کی گئی ہے۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ اردو میں غیر جنس کا وجود نہیں، جیسا کہ بعض جدید ہند آریائی زبانوں مثلاً مراٹھی میں ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ مفرس عربی الفاظ جو تعداد جمع میں ہوں اور ان کے ساتھ کوئی صفت ہو تو عربی میں یہ صفت مونث ہوتی ہے۔ اردو نے چند مفرس عربی دخیل الفاظ میں اسے قائم رکھا ہے۔ جیسے فنون لطیفہ، اقوام متحدہ وغیرہ

---

[1] قومی بہ جد و جہد گرفتند وصل دوست۔ قومی دگر حوالہ بہ تقدیر می کنند۔ خیام
خلق می خندند بر گفتار او (رومی) طائفہ ای ... از در در آمدند، فرقہ ای چوں طعام در خوردند۔ گلستاں

[2] سپہ نعرہ برداشتند، او در سپہ اندر آمد، ز گفتار او انجمن خیرہ گشت اور
یکی انجمن لب پر از آفریں، برفتند زاں ایوان شاہ زمین (فردوسی)

[3] ع این قافلہ عمر عجب می گزرد
اور ہم جرس جنبید و ہم در جنبش آمد کارواں۔ (نظامی)

باب چہارم

صوتی تصرف

ہم "ابتدائیہ" میں بتا چکے ہیں کہ زبانوں میں تصرف کا عمل غیر شعوری اور فطری ہونے کے ساتھ ساتھ عالمگیر عمل ہے۔ دوران گفتگو میں لفظوں کا ہمارا غیر شعوری انتخابی عمل ان کے انتخاب میں ترسیل کے بنیادی مقصد کو پیش نظر رکھتا ہے۔ اس بات کو نہیں کہ دستیاب لفظی خزانے میں فلاں لفظ کس زبان کا ہے۔ کہاں سے آیا ہے۔ اس کے اصل معنی کیا تھے اور اصل زبان میں اسے کس طرح اور کن صرفی و صوتی اصولوں کے ماتحت ادا کیا جاتا ہے۔ اس لیے غیر زبان کے دخیل الفاظ کے ساتھ بھی ہم غیر شعوری طور پر وہی سلوک کرتے ہیں جو اپنی زبان کے الفاظ کے ساتھ۔ اس باب میں اس مسئلے پر بحث کی جائے گی کہ ہم کس طرح مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ کو اپنی صوتیات میں ڈھالتے ہیں اور کس طرح عربی و فارسی کی کچھ مستعار آوازیں اردو کے صوتیاتی نظام کا جزو بن چکی ہیں۔

جس طرح کوئی زبان یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ وہ اپنے لفظی خزانے کے اعتبار سے خالص ہے اسی طرح کوئی زبان یہ بھی دعویٰ نہیں کر سکتی کہ وہ دخیل الفاظ کو صوتی اعتبار سے تمام و کمال اسی طرح برتتی ہے جس طرح وہ معطی زبان میں پائے جاتے ہیں۔ زبان بنیادی طور پر آوازوں کا مجموعہ ہے اور یہ حیوان ناطق جسے انسان کہتے ہیں بے شمار طریقوں سے آوازیں نکالنے پر قادر ہے۔ وہ جتنی ملفوظ آوازیں لطیف فرق کے ساتھ نکال سکتا ہے ان کے نازک صداتی امتیازات کا احاطہ صرف انتہائی پیچیدہ صوتی

آلات کر سکتے ہیں لیکن خوش قسمتی سے عملی سطح پر انسانوں کے مختلف لسانی گروہ نہ تو ان تمام ممکنہ ملفوظ آوازوں کو ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ اس کی ضرورت ہی محسوس کرتے ہیں۔ وہ صرف خاص خاص آوازیں مخصوص ڈھنگ سے نکالنے کے عادی ہوتے ہیں اور انھیں سے اظہار مدعا کا کام لیتے رہتے ہیں۔ اس بات کو دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہر لسانی گروہ کی زبان محدود اور متعین آوازوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ ایک زبان کی کوئی آواز دوسری زبان میں موجود ہی نہ ہو یا پھر اس سے ملتی جلتی کوئی دوسری آواز ہو۔ اس لیے جب ایک زبان کا لفظ دوسری زبان میں قبول کیا جاتا ہے تو اختلاف آواز کی صورت میں یا قریب المخرج مماثل آواز میں ڈھال دیا جاتا ہے۔ اسے اصطلاح میں صوتی تصرف کہتے ہیں۔

چونکہ سب کلامی آوازیں سب زبانوں میں نہیں پائی جاتیں اور ہر زبان میں صرف چند مخصوص آوازیں اظہار معانی کے لیے کام میں لائی جاتی ہیں اس لیے ماہرین لسانیات ہر زبان کے حوالے سے اس کی آوازوں کا تعین کرتے ہیں۔ اظہار معانی میں ممد ہونے والی آوازوں کو اصطلاح میں اس زبان کے صوتیے (PHONEMES) کہا جاتا ہے۔ "صوتیہ"، صوت یا کلامی آواز سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ وہ امتیاز معنی میں مدد دینے والی چھوٹی سے چھوٹی اکائی ہے اور ایک صوتی خصوصیت ہے، صرف صوت نہیں۔ ہر زبان کے صوتیے دوسری زبان کے صوتیوں سے الگ اور ممتاز ہوتے ہیں۔ صوت اور صوتیے میں امتیاز کرنے کے لیے صوت کو اس طرح کے قوسین [ ] اور صوتیے کو دو ترچھی متوازی لکیروں / / کے درمیان لکھنے کا چلن عام ہے۔

اگر ہم عربی اور فارسی صوتیوں کا تقابلی مطالعہ کریں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ عربی میں فارسی کے مندرجہ ذیل صوتیے نہیں ہیں:

/پ/، /چ/، /ژ/ اور بعض عرب بولیوں کو چھوڑ کر /گ/۔ جہاں تک فارسی صوتیوں کا تعلق ہے ان میں عربی کے مندرجہ ذیل صوتیے نہیں ہیں:

/ح/، /ص/، /ض/، /ط/، /ظ/، /ق/ (/ق/ کو بعض فارسی الفاظ

میں قبول کر لیا گیا ہے) فارسی الفاظ میں /ص/ کا استعمال صرف تحریر کی حد تک ہے۔ مثلاً صدا، صد، وغیرہ میں) /ث/ اور /ذ/ کے متعلق ہمایوں فرخ کا خیال ہے کہ یہ دونوں صوتیے قدیم فارسی، اوستا اور پہلوی زبانوں میں ان کے رسوم خط میں پائے جاتے تھے۔ لیکن جدید فارسی میں مفقود ہو چکے ہیں۔ ذال کے متعلق لکھتے ہیں:

"امروز باستثنای بعضی طوائف کوہستانی مانند بختیاری ہا تلفظ ذال وضاد درمیان ایرانیان شہرنشین تفاوتی ندارد و یک جور تلفظی شود[1]" (آج کل چند کہستانی قبائل جیسے بختیاری کو چھوڑ کر شہر میں بسنے والے ایرانیوں میں ذال اور ضاد کے تلفظ کا فرق باقی نہیں رہا ان کا ایک ہی تلفظ ہوتا ہے)

/ث/ کے متعلق لکھتے ہیں:

"ایرانیہا در تلفظ و نوشتن در زبان وخط اوستا و پہلوی حرف "ث" نیز داشتہ اند اما در فارسی جدید افتادہ۔ تنہا نمونہ آں در کلمہ ہائے اسم خاص، کیومرث و تہمورث دیدہ می شود ایرانیہا امروز سوای بعض طوائف کوہستانی جنوب ایران در تلفظ آن تفاوتی بہ حرف سین نگزارند و مانند "س" تلفظ کنند[2]۔ (اہل ایران کے پاس یہ حرف اوستا اور پہلوی زبانوں اور ان کے رسم الخط میں تحریر و تقریر دونوں میں پایا جاتا ہے لیکن فارسی جدید میں یہ متروک ہے۔ اس کی واحد مثال اسم خاص جیسے کیومرث تہمورث میں ملتی ہے جنوبی ایران کے بعض کوہستانی قبائل کو چھوڑ کر آج کل اہل ایران اس کا تلفظ حرف "سین" سے مختلف نہیں کرتے بلکہ "س" ہی کی طرح تلفظ کرتے ہیں)

---

[1] دستور جامع زبان فارسی تحتی حاشیہ نمبر (۱)، صـ ۳۶ [2] ایضاً تحتی حاشیہ نمبر (۲) صـ ۳۶

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کا بھی یہی خیال ہے کہ /ذ/ اور /ث/ قدیم فارسی صوتیے تھے۔ فرماتے ہیں:

"سب سے پہلے نذیر احمد دہلوی نے اپنے بیٹے کے نام خط لکھا تھا۔ (تحتی حاشیہ: یہ خط مواعظ حسنہ میں درج ہے۔) جس میں یہ خیال ظاہر کیا کہ 'ذ' عربی کے مخصوص حرفوں میں ہے۔ اس لیے فارسی لفظوں کو 'ز' سے لکھنا چاہیے نہ کہ 'ذ' سے .... واقعہ یہ ہے کہ 'ذ' عربی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور حقیقت میں 'ث' بھی مخصوص نہیں یونانی اور قدیم ایرانی زبانوں میں ان دونوں حرفوں کی آوازوں کا وجود تھا۔ چنانچہ عربی زبان میں جو لفظ یونانی اور فارسی سے لیے گئے۔ ان میں یہ دونوں حرف ملتے ہیں۔ یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ 'استاد' کی دال پر عربوں نے تصرف کر کے ایک نقطہ لگا دیا۔ اصلیت یوں ہے کہ انھوں نے ایرانیوں سے 'استاذ' ہی سُنا اور اسی طرح بولنے اور لکھنے لگے۔[1]"

بہرحال چونکہ /ذ/ اور /ث/ آج فارسی میں نہیں پائے جاتے اس لیے موجودہ صورت میں ہم انھیں فارسی صوتیے قرار نہیں دیں گے۔[2]

فارسی میں عربی دخیل الفاظ کا صوتیہ /ذ/ ← /ز/ سے اور /ث/ ← /س/ سے

---

[1] 'اردو املا'، مطبوعہ ہندوستانی جنوری ۱۹۳۱ء [2] غالب /ذ/ اور /ث/ کو قدیم فارسی کے صوتیے بھی نہیں مانتے۔ فرماتے ہیں: خواجہ نصیر الدین طوسی آٹھ حرف کا زبانِ فارسی میں نہ آنا لکھتے ہیں اور ذالِ نقطہ دار کا ذکر نہیں کرتے۔ اِلّا کوئی لغت فارسی ایسی بتائیے کہ جس میں 'خ' آئی ہو۔ گزاشتن اور گزشتن اور "ریز برفتن" سب 'ز' سے ہے۔ ادبی خطوط غالب ص ۶۹ مرتبہ عسکری — اسی خط میں غالب کاغذ کو کاغد، اور آذر کو (آذر فارسی لفظ بمعنی آگ اور ایک شمسی مہینے کا نام) آزر قرار دیتے ہیں۔

بدل جاتا ہے ۔ اسی طرح /ذ/ کی طرح /ض/ اور /ظ/ بھی /ز/ سے /ح/، /ہ/ سے /ص/ ← /س/ سے /ط/ ← /ت/ سے اور صوتیہ /ع/ ← /ء/، ہمزہ یا قاطع مصوتہ[1] سے بدل جاتا ہے ۔ ان آوازوں کو عربی دخیل الفاظ میں حرفیوں (GRAPHEMES) کی حیثیت سے فارسی رسم خط میں قائم رکھا گیا ہے یعنی ث، ح، ذ، ص، ض، ط، ظ اور ع ایسے عربی صوتیے ہیں جو فارسی میں تلفظ میں ادا نہیں ہوتے ۔ صرف تحریر میں قائم رکھے گئے ہیں ۔

جب اہل ایران نے اپنے قدیم رسم الخطوں کو یعنی میخی، اوستا اور پہلوی کو جن کے آثار اب دستیاب ہو چکے ہیں ترک کر کے عربی رسم الخط کو مناسب تبدیلیوں کے ساتھ قبول کر لیا تو ان آوازوں کو ظاہر کرنے کے لیے جو ان کی زبان میں تو تھیں لیکن عربی میں مفقود تھیں انھوں نے نئے حروف وضع کرنے کے بجائے ان حروف میں عربی کی قریب المخرج آوازوں میں چند علامتوں کا اضافہ کیا ۔ یعنی چ کو ج ۔ پ کو ب اور گ کو ک کے قیاس پر بنا لیا ۔

جہاں تک عربی و فارسی مصوتوں کا سوال ہے عربی میں یائے مجہول اور واوِ مجہول کا وجود نہیں[2] ہے جیسا کہ خود ان اصطلاحوں سے ظاہر ہے مجہول کے معنی ہیں "نامعلوم" ۔ لیکن لطف کی بات تو یہ ہے کہ خود جدید فارسی میں یہ آوازیں نامعلوم ہیں ۔ البتہ قدیم فارسی اوستا اور دری میں یہ آوازیں مستعمل تھیں اور آج بھی بعض قبائلی بولیوں میں سنی جا سکتی ہیں ۔ تورانی فارسی میں یائے مجہول اور وائے مجہول کا وجود تھا ۔ ملک الشعرا بہار لکھتے ہیں :

> "چند صوت از اصوات اوستائی است کہ در خط امروزی
> ما نیست ولی خود آن صداہا در زبان فارسی دری بودہ و بعضی از آنہا
> ہنوز ہم ہست اما خط ما برای آنہا شکل و صورت معینی ندارد مثل واو
> و یای مجہول[3]" اوستائی آوازوں میں چند آوازیں ایسی ہیں جن کا

---

[1] اس اصطلاح کے لیے دیکھیے ص۱۹۰ [2] قرآن میں صرف ایک مقام پر یای مجہول کا استعمال ہوا ہے ۔ مجرھا (سورۂ ھود) اس (ر) کے فتحہ کو زیر کی طرف ...... مائل کر کے ..... تلفظ کریں ۔" تعلیم التجوید حصہ اول [3] سبک شناسی ۔ منقول از ہند ایرانی مصوتے واو اور یائے مجہول" شوکت سبزواری ۔ ارمغانِ مالک ص۵

اظہار (ہمارے) موجودہ رسم الخط میں نہیں ہوتا۔ لیکن خود یہ آوازیں
فارسی دری میں مستعمل تھیں اور ان میں سے کچھ آج بھی باقی ہیں۔ لیکن
ان کے لیے ہمارے رسم الخط میں کوئی معین شکل و صورت نہیں
ہے۔ مثلاً واو و یائے مجہول)

(نوٹ: دراصل یائے معروف و مجہول اور واو معروف و مجہول میں یا اور واو
صرف تحریری علامتیں ہیں ورنہ اِی، اے/اَ اور اُو میں یا اور واو کی آواز مطلق نہیں۔ لیکن
چونکہ یہ اصطلاحیں زبان زد ہو چکی ہیں اس لیے ہم نے اس کا استعمال روا رکھا ہے۔)

بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

"تورانی اور ہندوستانی فارسی میں معروف و مجہول کے امتیاز کو
قائم رکھا گیا ہے۔ جو آج تک موجود ہے اور اس بات کے شواہد موجود
ہیں کہ ایرانی فارسی میں بھی یہ امتیاز بڑی دیر تک قائم رہا۔[1]

ممکن ہے عربی صوتیات کے زیر اثر جدید فارسی سے یائے مجہول و واو مجہول ناپید ہو گئے ہوں۔
اسی طرح عربی یائے لین اور واو لین اور فارسی یائے لین اور واو لین میں بھی اختلاف ہے
بقول ہمایوں فرخ:

"اگر حرف حرکت دار کہ پیش از یا واقع شدہ زیر داشتہ باشد
کہ یہ یا بخورد مانند در کلمہ لکیٔ، این یائے عربی حرکت دار را طوری تلفظ
می کنند کہ ایرانیہا ہیچ وقت آنرا ادا نمی کنند در حقیقت ایرانیہا
طوری تلفظ می کنند کہ مثل آں کہ حرف پیش از یا، زیر داد و بہ یا ر
می خورد یعنی "ی" حرف است نہ حرکت مانند تلفظ صدای "ی"
در کلمات 'نی' 'پی' 'کی' 'می' کہ اگر خط لاتین بنویسیم این طوری

---

[1] مباحث۔ ہندوستانی فارسی کی خصوصیات ص۹۹

شود MAY، PAY، KAY، NAY لے

(اگر یا ء سے قبل مصوتہ /ے/ ہو۔ یعنی زیر ہو اور وہ یا ء سے مخلوط ہو جائے۔ جیسے لفظ کئی میں تو اس متحرک عربی یا ء کو عرب اس طرح ادا کرتے ہیں کہ ایرانی کبھی نہیں کرتے۔ درحقیقت ایرانی اس کا تلفظ اس طرح کرتے ہیں جیسے یا ء سے پہلے زیر ہو اور اس سے مخلوط ہوتا ہو یعنی یا مصمتہ ہے، مصوتہ نہیں، جیسے الفاظ نَی، پَی، کَی، مَی میں، اگر انھیں لاطینی رسم الخط میں لکھیں تو اس طرح ہوگا MAY، PAY وغیرہ

آئیے اب ہم اردو صوتیوں کا مقابلہ عربی و فارسی صوتیوں سے کریں۔ فارسی کی طرح اردو میں بھی عربی کے یہ صوتیے پائے نہیں جاتے۔

/ث/، /ح/، /ذ/، /ص/، /ض/، /ط/، /ظ/

اہل اردو بھی اہل ایران کی طرح /ث/ اور /ص/ کو ← /س/ سے، /ح/ کو /ہ/ سے، /ذ/، /ض/ اور /ظ/ کو ← /ز/ سے اور /ط/ کو /ت/ سے بدل دیتے ہیں۔ اردو نے فارسی ہی کی طرح عربی صوتیہ /ق/ کو اور /ع/ کو صوتی تصرف کے بعد قبول کیا ہے۔ اردو نے عربی و فارسی سے /خ/، /ف/ اور /غ/ کو قبول کیا۔ /پ/، /چ/ اور /گ/ جو عربی میں مفقود اور فارسی میں موجود ہیں اردو میں بھی پہلے سے موجود تھے۔

یہاں یہ بتانا شاید بے محل نہ ہو کہ اردو کے مندرجہ ذیل صوتیے نہ عربی میں موجود ہیں، نہ فارسی میں:

لے دستور جامع زبان فارسی ص ۳۲ دراصل ہمایوں فرخ نے یہاں غلط مبحث کردیا ہے۔ وہ غالباً یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یای لین ہی وہ آواز ہوتی ہے جو انگریزی دُہرے مصوتے /ے/ میں جیسے PAY، DAY میں۔ یہی آواز پیسہ، کیسا وغیرہ میں ملتی ہے۔ اس تلفظ میں یا مصمتہ نہیں بلکہ مصوتہ ہی ہے

بھ، پھ، تھ، ٹ، ٹھ، جھ، چھ، ڈ، ڈھ، ڑ، گھ، مھ، نھ، لھ

اردو نے صرف دو تین الفاظ کی حد تک فارسی اِتمام کو قبول کیا ہے۔ جیسے مژگاں، اژدہا وغیرہ، اردو نے فارسی کے زیر اثر اپنی فراموش کردہ آواز اش اکی بازیافت کی۔

جہاں تک یای مجہول اور واو مجہول کا تعلق ہے چونکہ ہندی الاصل الفاظ میں بھی یہ آوازیں موجود تھیں۔ (جیسے بھیڑ اور بھیڑا اور چورا اور چوڑ جیسے اقلیتی جوڑوں میں) اس لیے اس نے انھیں فارسی دخیل الفاظ میں قائم رکھا۔ حالانکہ جدید فارسی میں اب یہ آوازیں نہیں ہیں، سید محمد علی ایرانی اپنی کتاب فارسی جدید جلد دوم میں رقمطراز ہیں:

" واو و یا رکہ در فارسیِ ایران معروف خواندہ می شوند در فارسی ہند مجہول تلفظ می کردند مثلاً تلفظ ایران دیر (DEER) است و در فارسی ہند دیر (DER) و تلفظ زور (ZOOR) در فارسیِ ہند (ZOR) است) اگرچہ شعرای ایران بعضی از واو و یا مرا مجہول می دانند و با آنہا واو و یای معروف نمی بندند ولی در تکلم ایران واو و یا عموماً معروفنند[1]

(واؤ اور یا رجو ایرانی فارسی میں معروف ہیں ہندوستانی فارسی میں مجہول تلفظ کرتے تھے۔ مثلاً ایرانی تلفظ دیر (DEER) ہے اور ہندوستانی فارسی میں (DER) اور ایرانی تلفظ زور (ZOOR) ہندوستانی فارسی میں (ZOR) ہے۔ اگرچہ شعرائے ایران کچھ الفاظ میں واؤ اور یا رکو مجہول سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ واؤ اور یائے معروف کا قافیہ نہیں باندھتے لیکن ایران کی بول چال میں واؤ اور یار بالعموم معروف ہیں)"

ہندوستانی فارسی میں یائے مجہول، واو مجہول واو و یائے معروف سے ممتاز صوتیے ہیں مثلاً ان اقلیتی جوڑوں میں (۱) ریش (یائے مجہول = زخم) یائے معروف

---

[1] کتاب مذکور ص ۹۱

ڈاڑھی: شیر بیائے مجہول، ایک مشہور درندہ اور بیائے معروف = دودھ

اردو میں فارسی کے کچھ اور مصوتے بھی برقرار نہیں رہے، بالخصوص دونوں زبانوں کے مماثل خفیف مصوتوں میں نمایاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً دو مصمتوں کے درمیان پایا جانے والا خفیف مصوتہ /ـَ/ فارسی اور اردو میں مختلف ہیں، بقول ہیمبٹن فارسی میں یہ آواز انگریزی الفاظ BED اور BAD میں پائے جانے والے خفیف مصوتوں /E/ اور /A/ کے بین بین ہے۔ جیسے لفظ 'بَد' میں۔ اس کے برخلاف اردو میں یہ خفیف مصوتہ انگریزی خفیف مصوتے /ʌ/ (جیسے لفظ up میں) سے ملتا ہے۔ فارسی میں /ـَ/ کی ادائیگی کا وقفہ اردو /ـَ/ کے مقابلے میں نسبتاً طویل ہوتا ہے۔ سید محمد علی ایرانی فارسی اور اردو تلفظ کے باہمی فرق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"در زبانِ اردو فتحہ نیست، عوضِ فتحہ اعرابی تلفظ می کنند کہ نہ ضمہ است نہ فتحہ نہ کسرہ مثلاً اگر تلفظ اردوی لفظ 'من' را در حرفِ انگلیسی بنویسیم (MUN) میشود و تلفظ فارسیش (MAN) می گردد تلفظ اردوی کم (KUM) و تلفظ فارسیش (KAM) تلفظ اردوی (RUF TUM) و تلفظ فارسی آن (RAF TAM) است ھکذا تمام حروفیکہ فتحہ دارند[1]"

(اردو میں فتحہ نہیں ہے۔ فتحہ کی جگہ ایسے اعراب کا تلفظ کرتے ہیں جو نہ ضمہ ہے نہ فتحہ نہ کسرہ، مثلاً لفظ 'من' کے اردو تلفظ کو اگر انگریزی حروف میں لکھیں تو (MUN) اور فارسی تلفظ (MAN) ہوگا۔ 'کم' کا اردو تلفظ (KUM) اور فارسی تلفظ (KAM) ہے رفتم کا اردو تلفظ (RUF TUM) اور فارسی تلفظ (RAF TAM) ہے۔ ان تمام حروف کا یہی حال ہے جن میں فتحہ ہو۔)

---

[1] کتاب فارسی جدید قسمت دوم صد ۶۱

اسی طرح طویل مصوتہ /ا/ کے فارسی اور اردو تلفظ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ فارسی میں یہ آواز انگریزی طویل مصوتہ /ɔ/ (جیسے SHORT اور OR میں) کے بین بین ہے۔ لیکن اردو میں انگریزی طویل مصوتہ /a/ سے ملتی جلتی ہے۔ اردو میں اس مصوتے کو ادا کرتے ہوئے منہ کافی کھل جاتا ہے۔ زبان سپاٹ رہتی ہے اور ہونٹ اس تلفظ میں کوئی حصہ نہیں لیتے۔ جبکہ اسی مصوتے کے فارسی تلفظ میں زبان پیچھے کی طرف اٹھتی ہے اور ہونٹ قدرے مدور ہو جاتے ہیں۔ بقول سید محمد علی ایرانی:

"در ہند الف را مثل فتحہ مد دار تلفظ می کنند نتیجہ این می شود کہ
در تلفظ الف دہن خیلی باز میشود و در تلفظ ایران دہن کم باز می شود
مثلاً اگر تلفظ ایران لفظ 'جان' را در حروف انگلیسی بیاوریم (JON)
می شود و در تلفظ ہند (JAN) می گردد"[1]

(ہندوستان میں الف کو الف ممدودہ کی طرح تلفظ کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ الف کے تلفظ میں منہ کافی کھل جاتا ہے اور ایرانی تلفظ میں منہ کم کھلتا ہے۔ مثلاً اگر لفظ 'جان' کے ایرانی تلفظ کو انگریزی حروف میں لکھیں تو (JON) ہوگا۔ لیکن ہندوستانی تلفظ میں (JAN) بن جاتا ہے۔)

اسی طرح فارسی اور اردو کے خفیف مصوتے /ـُ/ میں بھی اختلاف ہے فارسی میں یہ مصوتہ بقول لیمبٹن انگریزی لفظ (BOOK) میں پائے جانے والے خفیف مصوتے کے مقابلے میں مدور ہوتا ہے۔ جبکہ اردو میں /ـُ/ انگریزی مصوتے /U/ (جیسے PUT اور FOOT) سے ملتا جلتا ہے۔ مثلاً اگر لفظ 'بُردن' کو رومن رسم الخط میں لکھیں تو ایرانی تلفظ لگ بھگ (BORDAN) اور اردو تلفظ (BURDAN) ہوگا۔ البتہ طویل مصوتہ /ـُو/ کا تلفظ فارسی اور اردو میں قریب قریب یکساں ہے۔ ہندوستانی اور ایرانی فارسی میں ایک اور مصوتے

---

[1] کتاب فارسی جدید قسمت دوم ص ۶۱

کا نمایاں فرق یہ بھی ہے کہ :

"درفارسیِ ایران بائیکہ جزوکلمہ نیست مکسور است و در فارسیِ ہند مفتوح مثلاً لفظ 'بجا' را ایرانیان (BEJA) و ہندیان (BAJA) گویند، بچشم را در ایران (BECHASHM) و در ہند (BACHASHM) گویند۔ اگر بعد از باء ضمہ باشد در ایران آنرا مضموم ہم خوانند تلفظِ 'بگو' (BOGOO) و تلفظ 'بخور' (BOKHOR) است، ولی در ہند عموماً باء را مفتوح خوانند [1]

(ایرانی فارسی میں بہ جو جزوِ کلمہ نہیں ہوتا مکسور ہے۔ اور ہندوستانی فارسی میں مفتوح مثلاً ایرانی لفظ بجا کو (BEJA) اور ہندوستانی (BAJA) کہتے ہیں۔ بچشم کو ایران میں (BECHASHM) اور ہندوستانی میں (BACHASHM) کہا جاتا ہے۔ اگر ب کے بعد پیش ہو تو ایران میں پیش کے ساتھ ہی بولتے ہیں۔ بگو کا تلفظ (BOGOO) اور بخور کا (BOKHOR) ہے۔ لیکن ہندوستان میں عموماً ب کو مفتوح بولتے ہیں)

اس لیے جو فارسی دخیل الفاظ اردو میں "بہ" کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ ان میں /ب/ کے بعد اردو میں خفیف مصوتہ /ے/ کا استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ اردو کا صوتی تصرف ہے۔

فارسی کا ایک مخصوص صوتیہ "واو معدولہ" کہلاتا ہے۔ اس آواز سے قبل ہمیشہ مصوتہ /خ/ ہوتا ہے۔ ہمایوں فرخ اسے /خ/ کا ذیلی صوتیہ (ALLOPHONE) قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

"درحقیقت این "و" شکل جداگانہ درخط ندارد بلکہ قسمتی از تلفظ یک نوع "خ" است کہ در سائر زبانہا نیست۔ این "خ"

---

[1] کتاب جدید فارسی جدید جلد دوم صـ ۹۲

درخطِ اوستا، شکل مخصوصی و جدائی دارد بجز "خ" معمولی و تلفظ
ان طور نیست که گویا یک "و" ضمیمہ تمام بہ آخرآں وصل می شود، چوں
درخط عربی یک "خ" بیشتر بنود در زمانیکہ خط عربی برای زبان فارسی
اختیار کردند، برای اینکہ تلفظ این "خ" مخصوص از میان نرود و
معلوم باشد کلماتیکہ با این "خ" نوشتہ میشدہ است، درخط
عربی یک "و" ہم دنبال "خ" گزاردہ اند کہ در تلفظ زیاد ظاہر
نمیشود و نمایندہ آن "خ" مخصوص است و آنرا "و" معدولہ نام
گزاردہ اند مانند کلمات خواہر، خواجہ، خواب، خواستن و
خوردن۔ اہالی بومی شوشتر در بعضی کلمہ ہا مانند "خوردن" این "خ"
را ہمان لہجہ قدیم تلفظ می کنند..... خوردن می گویند[1]

(درحقیقت (فارسی) رسم الخط میں اس "و" کے لیے کوئی علیحدہ
حرف نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک قسم کے "خ" کا مخصوص تلفظ ہے جو
تمام زبانوں میں نہیں ملتا۔ اوستائی رسم الخط میں اس "خ" کی
ایک مخصوص اور علیحدہ شکل ہے۔ جو عام "خ" سے مختلف ہے اور
اس کا تلفظ اس طرح کا ہے گویا (اس (خ) کے) آخر میں نیم واؤ
کا لگاؤ واصل ہوجاتا ہے۔ چونکہ عربی رسم الخط میں ایک سے زائد
"خ" نہیں تھے۔ اس لیے جب عربی رسم الخط فارسی کے لیے
اختیار کیا گیا تو اس خیال سے کہ "خ" کا یہ مخصوص تلفظ غائب
نہ ہوجائے اور اس کا اظہار ہو، وہ الفاظ جن میں یہ "خ" لکھی جاتی
تھی۔ عربی رسم الخط (مراد عربی سے ماخوذ فارسی رسم الخط) میں اس
"خ" کے بعد ایک "و" لکھی جانے لگی۔ تاکہ (اس "و" کا) پورا پورا

---

[1] دستور جامع فارسی ص ۳۹

تلفظ ادا نہ ہو۔ اور یہ اس مخصوص "خ" کی نمائندگی کرے اور اس کا نام 'واوِ معدولہ' رکھا گیا۔ مثلاً یہ الفاظ خواہر .... خوردن وغیرہ خطہ، شوشتر کے باشندے بعض الفاظ مثلاً خوردن میں اس "خ" کو اسی پرانی بولی کے طرز میں (یا قدیم لہجے میں) ادا کرتے ہیں۔ اور اس کا مثل خُورْدن تلفظ کرتے ہیں)

امام بخش صہبائی شرح سہ نثر ظہوری میں لکھتے ہیں:

"معدولہ واوی ست کہ ماقبل آن خاے مفتوحہ باشد۔ و ہر گاہ یای تحتانی بعد از واو بود دراں وقت خاے آن مکسور باشد مثلاً خویشتن و خوید" [۱]

حئیم نے اپنی فارسی انگریزی لغت میں خواہر، خواب، خواستار، خوار، خواہش کا تلفظ رومن رسم الخط میں بالترتیب اس طرح ظاہر کیا ہے۔ (KHAHAR)، (KHAB)، (KHASTAR)، (KHAR) اور (KHAHESH) خوش کو (KHOSH) خود کو (KHOD)، خور کو (KHOR) اور خود بمعنی لوہے کی ٹوپی کو (KHUD) لکھا ہے (اس لفظ میں واوِ معدولہ نہیں ہے۔) [۲]

اردو میں واوِ معدولہ صرف چند فارسی دخیل الفاظ میں محض حرفیہ ہے۔ خوش اور خود کا اردو تلفظ خُش اور خُد ہے۔ اسی طرح خواب، خواہر، خواہش، درخواست وغیرہ کو خاب، خاہر، خاہش اور درخاست ہی کہا جاتا ہے۔ یا پھر اس میں "د" کا ہلکا سا شائبہ

---

[۱] شرح سہ نثر ظہوری نولکشور ایڈیشن ص ۱۰۰ [۲] قدیم فارسی میں واوِ معدولہ کا تلفظ خفیف مصوتہ "ا" کی طرف مائل ہوتا ہوگا۔ اسی لیے شعرائے فارسی خور کا قافیہ نظر باندھتے تھے۔ سعدی کہتے ہیں ؎

ای کریمی کہ از خزانۂ غیب	؎	گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم	؎	تو کہ با دشمناں نظر داری

ہوتا ہے یعنی لفظ خواجہ یا خاجہ کی طرح ادا ہوتا ہے۔ یا پھر اس میں بھی "د" کا ہلکا سا شائبہ ہوتا ہے۔

کچھ فارسی الفاظ "ہائے مختفی" پر ختم ہوتے ہیں یعنی تحریر میں /ہ/ ہوتی ہے لیکن فارسی میں اس کا تلفظ خفیف مصوتہ /ـِ/ کی طرح ہوتا ہے۔ بقول عبدالستار صدیقی: "قیاس ہے کہ بعض الفاظ میں یہ ہائے مختفی قدیم زمانے میں مصمتہ /ک/ تھی۔ جیسے لفظ "بندک" میں صوتی تغیر سے یہ مصمتہ گر گیا تو لفظ "بند" رہ گیا۔ جس کا تلفظ لفظ "بند" سے مختلف ہے۔ عربی رسم الخط اختیار کرنے کے بعد اس تلفظ کو قائم رکھنے کے لیے لفظ کے آخر میں /ہ/ بڑھائی گئی۔ اور اسے زیر کی طرح پڑھنے لگے۔ اور اس مکتوبی "ہ" کا نام ہائے مختفی رکھا گیا۔"[1] ہمایوں فرخ کا کہنا ہے کہ اہل ایران زیر کی جگہ زبر تلفظ کرتے ہیں:

"امروز بیشتر ایرانیہا ما قبل این "ہ" را بزبر تلفظ کنند نہ بزیر۔"[2]

دراصل فارسی میں اس ہائے مختفی کے استعمال کی مختلف صورتیں ہیں۔ بعض اسما میں یہ حرف زائد ہے۔ جیسے رخسار - رخسارہ، آشیاں - آشیانہ؛ اور زماں زمانہ؛ بعض الفاظ میں اس کے اضافے سے لطیف معنوی فرق پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً نشان نشانہ؛ لیکن کچھ الفاظ میں معنی ہی بدل جاتے ہیں۔ جیسے جام - جامہ؛ پیمان - پیمانہ؛ نام - نامہ؛ یہ اسم فاعل، اسم مفعول، فعل کے ماضی مطلق، ماضی بعید اور صیغۂ مجہول میں "شدن" کی تصریف کے ساتھ بھی مستعمل ہے۔ جیسے آئندہ، کنندہ، گفتہ، شنیدہ، کردہ است، کردہ بود، کردہ شد وغیرہ۔ بقول محمد علی ایرانی، اہل ایران گفتہ و رفتہ کو (GOFTE) اور (RAFTE) کہتے ہیں اور اہل ہند (GUFTA) اور (RUFTA) وغیرہ۔[3] محمد علی ایرانی نے اختلاف لہجہ کے بارے میں یہ بھی بتایا ہے کہ ایرانی رکن اول پر بل دیتے ہیں۔ اور اہل ہندوستان

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے "اردو املا" ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مطبوعہ ہندوستانی ۱۹۳۱ء [2] دستور جامع زبان فارسی صفحہ ۱۶۲ [3] کتاب فارسی جدید جلد دوم

رکن آخر پو یعنی اہل ایران کہتے ہیں (RAF 'TAM) اور ہندوستانی کہتے ہیں (RAF TAM)

کچھ عربی الفاظ کے آخر میں گول 'ت' (ۃ) ہوتی ہے۔ جو اگر جملے کے آخر میں آئے تو اہل عرب اس کا تلفظ ہائے ملفوظی کی طرح کرتے ہیں۔ اجب اہل ایران نے تائے مدوّرہ پر مشتمل عربی الفاظ کو اپنایا تو تحریر میں اسے ہائے مختفی کی طرح لکھنے لگے۔ جیسے حادثہ، سانحہ وغیرہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی لکھتے ہیں:

"عربوں کے ہاں ایک حرف ہے جو بعضے اسموں کے آخر میں آتا ہے۔ مگر اسے معمولاً 'ت' پڑھتے ہیں اس لیے اس پر دو نقطے لگا دیے جاتے ہیں۔ (ۃ) جب اس گول ت والا لفظ کسی جملے کے آخر میں آتا ہے۔ اور آواز ۃ پر ٹوٹتی ہے تو اس کا تلفظ ملفوظ ہ کا سا ہو جاتا ہے اور اس سے پہلے زبر بھی ہوتا ہے۔ اکثر اس کا تلفظ گہرا نہیں ہوتا کس واسطے کہ آواز کا زور اس پر ختم ہوتا ہے۔ اور اس وجہ سے دھیما پڑ جاتا ہے ایرانیوں نے یہ دیکھ کر کے یہ چیز ان کی مختفی ہ سے بہت ملتی جلتی ہے اکثر صورتوں میں، اسے مختفی ہ کی طرح بولنا شروع کر دیا اور کہیں کہیں اس کو ت قرار دے کر اسی طرح بولنے اور لکھنے لگے۔ عزۃ، خدمۃ، حجۃ، وغیرہ کو عزت، خدمت اور حجت بنا لیا۔ اور درجۃ اور مدرسۃ وغیرہ کو درجہ، مدرسہ کہیں کہیں لفظ کو دونوں سانچوں میں ڈھال دیا۔ جیسے اجازہ اور اجازت۔ ارادہ اور ارادت، افاقہ اور افاقت، ... ان لفظوں میں جہاں جہاں ۃ سے ہ ہو گئی وہ ہائے مختفی ہی قرار پا گئی۔ [۱]

---

[۱] اردو املا ص؟ فارسی میں ہائے مختفی اور اعلان تار کیساتھ کچھ مفرس عربی الفاظ الگ الگ معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں مثلاً مراجعہ (رجوع کرنا) مراجعت لوٹنا بحوالہ درمکتب استاد ضیاء الدین سجادی ص ۲۰۹

اردو میں فارسی ہائے مختفی کا ایرانی تلفظ کی طرح نہ فتحہ ہے نہ کسرہ بلکہ یہ ایک طویل مصوتہ /ے۔ا/ میں ڈھل جاتا ہے۔ جیسے میکدہ (میکدا)، زمزمہ (زمزما)، خانہ (خانا) دیوانہ (دیوانا) پروانہ (پروانا) وغیرہ۔ اسی طرح تائے مدورہ بشکل ہائے مختفی کا تلفظ بھی /ے۔ا/ ہے جیسے حادثہ (حادثا)، جذبہ (جذبا) وغیرہ البتہ اردو نے اتنا کیا کہ کسرۂ اضافت کی صورت میں درمیانی ہائے مختفی کے اصل تلفظ کو قائم رکھا جیسے خانہ کو خانا تو کہا جاتا ہے لیکن خانۂ دہقاں کو اردو میں خانائے دہقاں نہیں کہتے۔ لیکن اگر مرکبات کے آخر میں ہائے مختفی یا تائے مدورہ بشکل ہائے مختفی آئے تو یہ /ے۔ا/ میں اس طرح بدل جاتی ہے جس طرح مفردات میں جیسے درِ میکدہ (درمیکدا) شبِ وعدہ (شب وعدا)۔ اگر مرکبات میں کسرۂ اضافت نہ ہو تو ہائے مختفی یا تائے مدورہ چاہے درمیان میں آئے یا آخر میں، دونوں صورتوں میں /ے۔ا/ میں بدل جاتی ہے۔ جیسے درپردہ (درپردا)، زمزمہ سنج (زمزما سنج) خانہ بدوش (خانا بدوش)۔

اردو میں فارسی کے ہائے مختفی اور عربی کے تائے مدورہ کو جو مفرس عربی اور فارسی دخیل الفاظ میں پائے جاتے ہیں /ے۔ا/ میں تبدیل کرنے کا رجحان اس قدر قوی ہے کہ ہمارے قدیم نقادوں کے اس اصرار کے باوجود کہ نظم میں ترکیب فارسی کی صورت میں مضاف الیہ کی ہائے مختفی کو طویل مصوتہ /ے۔ا/ میں تبدیل کرنا غلط ہے، مبتدیوں کا تو ذکر کیا، اساتذہ سے بھی اس کی پابندی نہیں ہو سکی۔ اس سلسلے میں شاہ حاتم نے دیوان زادہ میں اپنی بےبسی کا اعلان ان الفاظ میں کیا تھا "بندہ بہ متابعت جمہور مجبور است" مولانا حسرت موہانی نے رسالہ معائب سخن میں ترکیب فارسی کے ساتھ ہائے مختفی کی جگہ الف کے استعمال کو ناجائز قرار دیا ہے لیکن یہ بھی لکھا

> "مگر اردو شاعروں میں کم ایسے ہیں جو اس بات کا لحاظ رکھتے ہوں اور ان سے غلطی کا ارتکاب نہ ہوتا ہو" [1]

---

[1] معائب سخن کانپور ایڈیشن ۱۹۳۵ء ص ۷ تا ۹۔ اس نام نہاد عیب کو دور کرنے کی خاطر مولانا نے بعض اشعار میں اصلاحیں بھی تجویز کی ہیں جو ظاہر ہے کہ غیر ضروری ہے۔ جلیل مانک پوری کے اس مصرع کو ع کیا ستم ہے شب وعدہ وہ خفا ملتے ہیں اس طرح کر دیا ہے

ع کیا ستم ہے وہ شب وعدہ خفا ملتے ہیں۔

مولانا نے متقدمین، متوسطین اور متاخرین کے کلام سے اس بیّنہ غلطی کی مثالیں دیتے ہوئے بتایا ہے کہ حالِ گریہ (حالِ گریا)، احوالِ خندہ (احوالِ خندا) درِ میکدہ (درِ میکدا)، مانندِ رشتہ (مانندِ رشتا) ، ے جلوہ (ے جلوا)، مصروفِ نظارہ (مصروفِ نظارا) خانہ بدوشی (خانا بدوشی) وغیرہ غلط ہیں، لیکن مثالوں کی کثرت یہی بتاتی ہے کہ یہ صوتی تصرف اردو کا فطری رجحان ہے۔ یہاں یہ بات جاننا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ فارسی اساتذہ کے کلام میں اس کے برعکس رجحان کی مثالیں ملتی ہیں یعنی قافیے کی ضرورت سے آشکارا کو آشکارہ اور خارا کو خارہ بنالیا جاتا ہے۔

اردو کے اکثر مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ میں اصل زبانوں یعنی عربی و فارسی کا تلفظ برقرار نہیں رہتا۔ اختلاف تلفظ کا نمایاں مظہر خفیف صوتوں کا تبادل ہے۔ اس کی ایک وجہ تو ہر زبان کا اپنا اپنا لسانی مزاج ہے لیکن چونکہ عربی، فارسی اور اردو رسم الخطوں میں خفیف مصوتوں /ـَ ـِ ـُ/ کے لئے علیحدہ حروف نہیں ہیں بلکہ ان مصوتوں کو اعراب کے ذریعہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ اور یہ اعراب بالعموم لگائے بھی نہیں جاتے اس لیے دخیل الفاظ سے مکتوبی شکل میں روشناس ہونے اور ان کے اصل تلفظ سے ناواقفیت کی بنا پر اردو میں یہ تلفظ برقرار نہیں رہتا۔ کچھ صورتوں میں یہ اختلاف تلفظ صرف چند افراد تک محدود ہوتا ہے پھر رفتہ رفتہ سبھی اسے قبول کر لیتے ہیں۔ اور یہی غلط تلفظ اس زبان کا صحیح تلفظ بن جاتا ہے۔

اب ہم بالتفصیل یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ کس طرح اردو کے مفرس عربی دخیل الفاظ میں اصل زبان کے مصوتے تبدیلی کے عمل سے گذرتے ہیں۔ سب سے پہلے خفیف مصوتوں میں پیدا ہونے والے اختلافات کا ذکر کیا جائے گا۔

الف (۱) ـَ > ـِ اگر کسی مفرس عربی یا فارسی دخیل لفظ کی ابتدا میں وسطی خفیف مصوتہ /ـَ/ ہو تو وہ اردو میں پیشین خفیف مصوتہ ـِ بن جاتا ہے۔

چند مثالیں

اول	فارسی	اردو
	پَنجرہ	پِنجرہ
	تَشنہ	تِشنہ (بعض حضرات تَشنہ بھی کہتے ہیں)

	خَزاں	خِزاں
	رَہا	رِہا
	سَتارہ	سِتارہ
	کَنارہ	کِنارہ (بعض پڑھے لکھے لوگ کَنارہ بھی کہتے ہیں)
	ہَراس	ہِراس
دوم	مفرس عربی	اردو
	اخراجات	اِخراجات (اَخراجات بھی)
	اَخلاق	اِخلاق (مہذب گفتگو میں اصل تلفظ کی پابندی)
	اَملاک (ملک کی جمع)	اِملاک
	جَرْح	جَرَح (وکیل کی جرح) مداخلتی مصوتہ ے کے ساتھ
	جَلاوطن	جِلاوطن
	جَلوت	جِلوت
	حَقارت	حِقارت
	حَماقت	حِماقت
	حَماسہ	حِماسہ
	حَمایت	حِمایت
	خَجالت	خِجالت
	خَراج	خِراج
	ذَبْحَ	ذِبَحْ (مداخلتی مصوتہ ے کے ساتھ)
	رَعایا	رِعایا
	سَمْت	سِمت (سَمْت بھی کہتے ہیں)
	شَکوہ (اصل عربی شکویٰ)	شِکوہ
	شَہاب	شِہاب

شَمّہ [1] — شِمّہ

عَلاوہ — عِلاوہ (عَلاوہ بھی)

فَدْوی — فِدوی

فَضا — فِضا (فَضا بھی)

عَجْز — عِجْز

نَشاط — نِشاط

نَوالہ — نِوالہ

وَداع — وِداع

وَقار — وِقار

الف (۲) دو رکنی دخیل الفاظ میں رکنِ ثانی میں مصوتہ /ـَ/ اردو میں مصوتہ /ـِ/ ہو جاتا ہے۔

اول :۔ فارسی — اردو

خاوَند — خاوِند

مانَند — مانِند

دوم :۔ مفرس عربی — اردو

آصَف — آصِف

مُرْتَد — مُرْتِد

مُلْزَم — مُلْزِم (معنوی تصرف کے ساتھ)

مُوْرَد — مُوْرِد (جیسے مُوْرِدِ الزام)

ب (۱) ـِ ، ـُ ، ـَ مفرس عربی فارسی کا ابتدائی خفیف بیشین مصوتہ /ـِ/ اردو میں وسطی خفیف مصوتہ ـَ میں بدل جاتا ہے۔

---

[1] شَمّہ ۔ بالفتح و تشدید دوم مفتوح ۔ اس کا تلفظ بالکسر غلط ہے۔ نور اللغات ۔ اس کے متعلق اثر لکھنوی فرماتے ہیں "اردو میں کوئی شَمّہ بالفتح بولے تو گنوار بنے" ۔ فرہنگ اثر۔

اول : فارسی	اردو
بِہشت	بَہشت
پِژمُردہ	پَژمُردہ
دِماغ	دَماغ (دِماغ بھی)
سِرِشت	سَرِشت
سِزا	سَزا
فِراست (عربی کے قیاس پر بنایا ہوا)	فَراست
فِراواں	فَراواں
فِرِشتہ	فَرِشتہ
فِریب	فَریب
کِرِشمہ	کَرِشمہ (معنوی تصرف کے ساتھ)
کِشتی	کَشتی
گِراں	گَراں (گِراں بھی)
نِشتَر (نیشتر کا مخفف)	نَشتَر
نِشِست	نَشِست
نِشیب	نَشیب
نِشین	نَشیں (مرکبات میں جیسے پردہ نشیں)
نِفریں	نَفریں

دوم : مفرس عربی	اردو
اِحاطہ	اَحاطہ (اِحاطہ بھی) معنوی تصرف کے ساتھ)
اِغوا	اَغوا (اِغوا بھی) معنوی تصرف کے ساتھ
اِفشا	اَفشا
اِکسیر	اَکسیر

اِمارت — اَمارت (معنوی تغیر کے ساتھ) اُمارت بھی

بِشارت — بَشارت

بِغیر — بَغیر

تِلمیذ — تَلمیذ (فارسی میں بھی تلمیذ)

ثِقل — ثُقل

جِدّ و جُہد — جَدّ و جُہد (عربی داں حضرات جِدّ و جہد کہتے ہیں)

حِجامت — حَجامت (معنوی تغیر کے ساتھ)

حِزب — حَزب، (جیسے حَزب مخالف) اب حِزب بھی عام ہو چلا ہے)

خِزانہ — خَزانہ

دِیار (جمع دار بمعنی گھر) — دَیار (بطور واحد شہر معنوی تغیر کے ساتھ)

ذِہانت — ذَہانت

ذِہن — ذَہن (مداخلتی مصوتہ ے کے ساتھ بھی)

رِضا — رَضا (جیسے رضامندی، رضاکار وغیرہ)

رِفعت — رَفعت

شِفا — شَفا (شِفا بھی)

عِصمت — عَصمت

عِمامہ — عَمامہ (عِمامہ بھی)

عِیار (بمعنی کسوٹی) — عَیار

عِیال — عَیال (اہل و عیال)

عِیاں — عَیاں

فِہرست (اصل فِہرِس) — فَہرست

قِطار — قَطار

قِطعہ — قَطعہ (تلفظ قَطا۔ قِطا بھی کہتے ہیں)

قِیاس	قَیاس
قِیام	قَیام
قِیامت	قَیامت
قِندیل	قَندیل
سِجدہ	سَجدہ
سِپاس	سَپاس
نِزاع	نَزاع (نِزاع بھی)
نِقاب	نَقاب (نِقاب بھی)
نِہیب	نَہیب (فارسی میں بھی نَہیب)

(ب) (۲) دو یا دو سے زیادہ رکن والے مفرس عربی و فارسی الفاظ میں اگر کسی دوسرے یا تیسرے رکن کی ابتدا یا درمیان میں خفیف پیش مصوتہ ِ ہو تو وہ بھی اردو میں وسطی خفیف مصوتہ َ بن جاتا ہے۔

اول : فارسی	اردو
— قبرِستان	قبرَستان
— گرِفتار	گرَفتار

دوم : مفرس عربی	اردو
باقِر	باقَر
بیِّن	بیَّن
جیِّد	جیَّد
سیِّد	سیَّد
صاحِب	صاحَب
عُطارِد	عُطارَد
لاحِق	لاحَق

مُتَحَیِّر	مُتَحَیَّر
مُجاوِر	مُجاوَر (معنوی تغیر کے ساتھ)
مُرْشِد	مُرْشَد
مُسْتَحِق	مُسْتَحَق
معدِن	معْدَن (فارسی میں بھی مَعْدَن)
مَقْصِد	مَقْصَد
مَنْصِب	مَنصَب
موسِم	موسَم
موضِع	موضَع (موضا۔ معنوی تغیر کے ساتھ)
مَیِّت	مَیَّت (معنوی تصرف کے ساتھ)
نَیِّر	نَیَّر
یثرِب (مدینہ کا قدیم نام)	یثرَب

(ج) /ـَ > ـُ / (ا) بعض مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ ایسے بھی ہیں جن کی ابتدا میں اصل متعلقہ زبان میں وسطی خفیف مصوتہ /ـَ/ ہوتا ہے لیکن اردو میں یہ مصوتہ عقبی خفیف مصوتہ /ـُ/ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

اول :-

فارسی	اردو
بَلند	بُلند (بَلند بھی)
پَلاو (اصل ترکی)	پُلاو
تَفتہ	تُفتہ (جیسے مرزا تُفتہ شاگرد غالب)
زَبان	زُبان (زَبان بھی)
^۱ زَہرہ (بمعنی پتہ)	زُہرہ (جیسے زہرہ آب ہونا)

---

^۱ اردو میں اسم خاص زَہرا (جیسے فاطمہ الزہرا) کو زُہرہ (فارسی لفظ ۔ سیارے کا نام) کی طرح تلفظ کرتے ہیں اور اسم خاص زہرا اور زہرہ میں کوئی تمیز نہیں کرتے۔

دوم

مفرس عربی	اردو
حَباب	حُباب
زَعم	زُعم (تلفظ زوم)
شَجاعت	شُجاعت
عَروس	عُروس
عَروض	عُروض
عَمود	عُمود
عَنقا	عُنقا
قَبول	قُبول
مَحلہ	مُحلّہ (مَحلّہ بھی)
مَسرّت	مُسرّت (مَسرّت بھی)
مَہیب	مُہیب
نَقص	نُقص

ج (۲) اگر اصل زبان میں وسطی خفیف مصوتہ /ـَ/ درمیان میں ہو تو وہ اردو میں عقبی خفیف مصوتہ /ـُ/ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

اول

فارسی	اردو
آوَرد	آوُرد
ارَجمند (ارج + مند)	ارجُمند (نام ارجمند بانو)
آزَردہ	آزُردہ

دوم

مفرس عربی	اردو
لامحالہ	لامُحالہ
مُدّعَا	مُدّعا
مُرتَضیٰ	مُرتُضیٰ

مُصطَفیٰ	مُصْطُفیٰ

(د) /ُ/ > /َ/ اگر اصل زبان میں لفظ کی ابتدا میں عقبی خفیف مصوتہ /ُ/ ہو تو کچھ الفاظ میں اردو میں اسے وسطی خفیف مصوتے /َ/ میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

اول :

فارسی	اردو
تُواں	تَواں (جیسے تاب و تَواں)
تُوانگر	تَونگر
خُرُوش	خَروش (جیسے جوش و خَروش)
دُرُخشاں / دُرَخشاں	دَرَخشاں
دُرُوغ	دَروغ
شُگُفتہ	شِگُفتہ
فُرُوغ	فروغ
گُوارا	گَوارا
مُزدور	مَزدور
نُمُودار	نَمودار
نُمُونہ	نَمونہ
وُرُود	وَرود
هُنُوز	هَنوز

دوم

مفرس عربی	اردو
اُعجوبہ	اَعجوبہ (تلفظ اجوبا)
جُمہور	جَمہور
جُمہوریّت	جَمہوریت
جُوارِش (گُوارش کا معرب)	جَوارِش (جیسے جَوارِشِ کمونی)
رُعُونَت	رَعونت

رُکاکت	رَکاکت
سُوال	سَوال
سُہولت	سَہولت
صُنْدُوق	صَنْدُوق
عُضْو	عَضْو
عُطَارِد	عَطَارِد
فُرُوعی	فَرُوعی
فُلاں	فَلاں (فُلاں بھی)
کُدورت	کَدورت
مُجاز (اجازت دیا گیا، حاکمِ مُجاز)	مَجاز
مُحال	مَحال (مُحال بھی)
مُدارات	مَدارات
مُساوات	مَساوات
مُشَاطہ	مَشَاطہ (مَشَاطہ بھی) معنوی تصرف کے ساتھ)
مُیَسّر	مَیَسّر
نُبُوّت	نَبُوّت
نُحُوسَت	نَحوست
وُثُوق	وَثُوق
وُصول	وَصول
وُضو	وَضو
وُقوف	وَقوف (جیسے بیوَقوف)

(۲) اگر اصل زبان میں لفظ کے وسط میں اِے / ہو تو وہ اِے / یں تبدیل ہو جاتا ہے.

	فارسی	اردو
اول	بیگُم (ترکی سے ماخوذ)	بیگَم
دوم	مفرس عربی	اردو
	اُفُق	اُفَق
	حتی الوُسْعَ	حتی الوَسع (حتّی وسا)
	مُرُوَّت (اصل مُرُءُت)	مُرَوَّت

(۳) کبھی کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے یعنی اگر لفظ کے وسط میں اصل زبان میں

/ــَـ/ ہو تو اردو میں /ــُـ/ ہو جاتا ہے۔

	فارسی	اردو
اول	شُتَر ؎	شُتُر
دوم	مفرس عربی	اردو
	جہَنَّم	جہنُّم (جہنَّم بھی)
	تَرجَمَہ	تَرجُمہ

۴ - /ــِـ/ سے /ــُـ/: اگر اصل زبان میں مفرس عربی لفظ کی ابتدا میں خفیف پیش مصوتہ /ــِـ/ ہو تو اردو میں خفیف عقبی مصوتہ /ــُـ/ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

	فارسی	اردو
اول	—	—
دوم	مفرس عربی	اردو
	اِستوا	اُستوا (خط استوا)
	اِناث	اُناث (طبقہ اُناث)
	حِلیہ	حُلیہ (معنوی تغیر کے ساتھ)
	شِمال	شُمال

؎ مولف نور اللغات لکھتے ہیں شُتُر بضمہ اول و فتح دوم غلط ہے۔ اثر لکھنوی فرہنگ اثر میں لکھتے ہیں "بلا سے غلط ہے"

عِجلت	عُجلَت
مِرسَلہ	مُرسِلہ
نِکات	نُکات

۹ : /ۂ/سے/اِ/ اگر اصل زبان میں مفرس عربی یا فارسی لفظ کی ابتدا میں /ۂ/ ہو تو اردو میں /اِ/ بن جاتا ہے۔

اول :

فارسی	اردو
تُہران	تِہران (اردو املا طہران)
شُکوہ	شِکوہ (شان و شکوہ۔ دارا شکوہ)
فرُد	فِرد
گرُوہ	گِروہ

دوم

مفرس عربی	فارسی
رُواق	رِواق
فتُور	فِتور (بعض فُتور بھی کہتے ہیں)
قُماش	قِماش (معنوی تغیر کے ساتھ)

جب کسی لفظ میں دو یا دو سے زیادہ مصمتے اس طرح آتے ہیں کہ ان کے درمیان کوئی مصوتہ نہیں ہوتا تو ان مصمتوں کے مجموعے کو لسانیاتی اصطلاح میں مصمتی خوشہ (CONSONANTAL CLUSTER) کہتے ہیں مثلاً لفظ کُفْر، عَرْش، مُلْک میں (۱) /ف/ /ر/ (۲) /ر/ اور ش اور (۳) /ل/ اور ک مصمتی خوشے ہیں۔ عربی اور فارسی رسم الخطوں کی طرح اردو رسم الخط میں بھی اس کا اظہار علامت جزم (ْ) سے کیا جاتا ہے۔ قدیم اصطلاح میں ایسے الفاظ ساکن الاوسط کہلاتے ہیں۔ وہ سہ مصمتی الفاظ جن کے درمیان مصوتہ ہوتا ہے جیسے ادَب، ہنَر وغیرہ انھیں قدیم اصطلاح میں 'متحرک الاوسط' کہتے ہیں۔ اگر کوئی کُفْر کو کُفَر کہے تو لسانیات کی اصطلاح میں اسے مصمتی خوشے کا ٹوٹنا کہتے ہیں۔ اور اس عمل میں جو زائد مصوتہ داخل کیا جاتا ہے اسے مداخلتی مصوتہ (INTRUSIVE VOWEL) کہتے ہیں۔ قدیم اصطلاحوں میں اس عمل کو "ساکن الاوسط"

کو متحرک الاوسط 'بنانا کہتے ہیں۔ چونکہ یہ قدیم اصطلاحیں رائج ہیں اس لیے ہم حسب موقع ان اصطلاحوں کا بھی استعمال کریں گے۔

اردو میں ساکن الاوسط کو متحرک الاوسط بنانے کا رجحان بہت قوی ہے۔ یہ رجحان اردو کو اپ بھرنش سے وراثت میں ملا ہے جس میں سنسکرت الاصل الفاظ کے ابتدائی مصمتی خوشوں کو توڑنے کا لسانی عمل عام تھا۔ مثلاً پرَساد (प्रसाद) ، پرَساد (परसाद) بھرم (भ्रम) ، بھرَم (भरम) جوالا (ज्वाला) ، جَوالا (जवाला) ، ترشول (त्रिशूल) ترِشول وغیرہ ۔ اسی طرح وسطی مصمتی خوشوں میں بھی ٹوٹ پھوٹ کا عمل عام تھا۔ جیسے شکتی (शक्ति) ، سکت ' یتن (यत्न) جتن ۔ جنم (जन्म) ۔ جنَم ۔ انشا نے دریائے لطافت میں اس رجحان کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (دیکھئے ابتدائیہ ص) ۔ کرخنداری بولی میں بھی یہ رجحان قوی ہے مثلاً مفْت ، مُفَت ، بخْت ، بخَت (کم بخت) ہرْج ، ہرَج ۔ دریافْت دریافَت ۔ خُشْک ، خُشَک ۔ سخْت ، سخَت ' فرْق ، فرَق ۔ عمْر ، عُمَر ۔ اصْل ، اصَل ۔ سُرْخ ، سُرَخ ۔ درخْت ، درَخت ۔ صدْر ، صدَر ۔ عقْل ، عقَل ۔ مرْد ۔ مرَد (بمعنی شوہر) درْد ، درَد ۔ دفْن ، دفَن ۔ نقْد ، نقَد ۔ وقْت ، وقَت ۔ ذکْر ، ذکَر ۔ ظلْم ، ظُلَم ، ظُلُم وغیرہ قدیم دکنی میں بھی اس رجحان کی نمائندگی بول چال سے گذر کر ادبی زبان میں بھی کی گئی ہے۔ یہاں قطب مشتری سے کچھ اشعار بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں۔

تری قدرت آنگے ہے ذرّے تے کم — عرَش ہور کرسی و لوح و قلم
بنایا مُشَک مرَگ کی ناف میں — دیا رزق سیمرغ کوں قاف میں
سکے کون تیرا شُکَر ' سارنے — ہے قدرت کسے یاں جو دم مارنے
کہ چودہ مُلُک کا تو سلطان ہے — علی سا ترے گھر میں پرَدھان ہے

لیکن آج کل پڑھے لکھے طبقے میں اس رجحان پر بڑی حد تک روک لگ گئی ہے اور ادبی زبان میں بھی ساکن الاوسط کو متحرک الاوسط بنانا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ پڑھے لکھے طبقے نے اس باب میں اتنی مشق بہم پہنچائی ہے کہ وہ بعض اصلاً متحرک الاوسط دخیل الفاظ کو بھی ساکن الاوسط بنا لیتا ہے۔ مثلاً فَعَل کے وزن پر جو عربی دخیل الفاظ ہیں جیسے مَرَض ، عَرَق ، تَلَق ، شَرَف

تلفؔ، بدرؔ (مقام کا نام)، قدرؔ (جیسے قضاد قدر) کس قدرؔ، صغرؔ (سنی)، نسقؔ (نظم و نسق) کسلؔ وغیرہ انھیں بالترتیب مرضؔ، عرقؔ، قلقؔ، شرفؔ، تلفؔ، بدرؔ، قدرؔ، صغرؔ، نسقؔ اور کسلؔ کہنا بڑی حد تک عام ہو گیا ہے۔ اس کے باوجود مصمتی خوشوں کو توڑنے کا چلن آج بھی عام ہے۔ آج بھی مہذب گفتگو میں چند مرکبات جیسے عمل دخل، اصل خیر، کفن دفن، صورت شکل وغیرہ میں اور چند ضرب الامثال میں جیسے "دخت نہ بخت بی بی بیٹھی تخت"۔ کھیل ختم پیسہ ہضم وغیرہ میں یہ رجحان اب بھی کام کرتا ہے۔ عورتوں کی زبان میں اس رجحان کو کھلی چھٹی ملی ہے۔ اور وہ مردؔ۔ دردؔ قفلؔ، برفؔ، قسمؔ، نرمؔ، گرمؔ۔ صبرؔ۔ وغیرہ بے تکلفی سے استعمال کرتی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اردو پڑھا لکھا طبقہ اس قدر مشق و احتیاط کے باوجود اکثر مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ کے مصمتی خوشوں میں مداخلتی مصوتہ استعمال کرنے پر مجبور نظر آتا ہے۔ مثلاً ذیل کے الفاظ اصل زبان کی رو سے ساکن الاوسط ہیں لیکن انھیں اردو میں متحرک الاوسط ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

اصطبل (اردو اصطبل)، تخت، حمل (اردو حمل)[1] حلف (اردو حلف)، مجذر (اردو مجذر) سطر (اردو سطر) خلط ملط (اردو خلط ملط) غدر (اردو غدر)، ضرب (اردو ضرب) حساب کا عمل) صفر (اردو صفر)، فطر (عید الفطر)، قطب (اردو قطب۔ قطب مینار کی لاٹ)، غبن (اردو غبن)، نمازوں کے نام جیسے فجر، ظہر، عصر، نفل وغیرہ۔ لحد (اردو لحد)، کسر (اردو کسر)، کاڑھ (کاڑھ)[2]

اگرچہ بعض پڑھے لکھے حضرات مذکورہ بالا الفاظ میں سے کچھ الفاظ کے اصل تلفظ کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اس کوشش میں نکو بھی بنتے ہیں۔ کچھ لوگ

---

[1] عربی میں حمل بھیڑ کے بچے کو کہتے ہیں جیسے برج حمل اور حمل (بمعنی آبستن، پیٹ سے ہونا) لیکن اردو میں حمل ہی کہتے ہیں دیا شنکر نسیم نے اردو تلفظ کی پیروی کرتے ہوئے لکھا تھا۔

امید کے نخل نے دیا بار — خورشید حمل ہوا نمودار

اس اردو تلفظ پر عبد الحلیم شرر نے اعتراض کیا تھا جو کسی طرح درست نہیں۔

[2] بقول مولف نور اللغات، کاڑھ (رائے مہملہ موقوف بحرکت غلط ہے۔ اثر لکھنوی لکھتے ہیں اردو میں فتح راء ہے اور اسی طرح فصیح ہے۔ فرہنگ اثر۔

نذر اور نظر میں کوئی تمیز نہیں کرتے اور عدن (جنت کا نام)، کو عدن (مقام کا نام) کے قیاس پر "جنت العدن" کہتے ہیں۔

اردو میں مصمتی خوشوں والے اکثر الفاظ میں مداخلتی مصوتہ استعمال ہوتا ہے۔ کچھ الفاظ میں وسطی مصوتہ حذف بھی کیا جاتا ہے۔ اس کی مثالیں اوپر گزر چکی ہیں۔ اب ہم دو صورتیں ایسی بیان کریں گے جن میں۔ جہاں تک مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ کا تعلق ہے۔ وسطی خفیف مصوتہ /ـَ/ حذف کرنے کا رجحان عام ہے۔ اور یہ اردو کا لسانی مزاج ہے وہ دو صورتیں حسب ذیل ہیں۔

۱: مخلوط ابتدائی خوشہ:

اردو کے کچھ الفاظ میں یا رسے مخلوط ابتدائی خوشہ استعمال ہوتا ہے جیسے کیار (क्यार) پیار، دھیان وغیرہ میں، لیکن مفرس عربی و فارسی الفاظ کی ابتدا میں کوئی مصوتی خوشہ نہیں ہوتا اس لئے جب اردو پیالہ (पियाला)، پیادہ (पियादा) پیاز (पियाज़) خیال ([illegible]) اور زیادہ (ज़ियादा) جیسے الفاظ سے دوچار ہوئی تو اس نے ان الفاظ کے پہلے دو مصمتوں کے درمیان مصوتہ /ـِ/ کو حذف کرکے اسے مخلوط بہ یا ر ابتدائی خوشوں میں بدل دیا۔ جیسے زیادہ ([illegible]) خیال ([illegible]) پیالہ ([illegible]) پیاز ([illegible]) وغیرہ اگرچہ زیادہ اور خیال صرف بول چال کی سطح پر رہا[1] لیکن دوسرے مذکورہ بالا الفاظ کا تلفظ عام ہو گیا، اگرچہ فارسی ترکیب کے ساتھ اصل تلفظ کو شعر میں قائم رکھنے کی کوشش ضرور کی گئی ہے[2]

---

[1] زیادہ کی مثال ع اس سخاوت میں زیادہ خوشتر ہے۔ گنج خوبی ص ۲۸۱
ع نیک بختی چاہے زیادہ فکر کر " ص ۱۸

خیال کی مثال ع عشق برے ہی خیال پڑا ہے چین گیا آرام گیا
دل کا جانا ٹھہر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا

بقول محمد حسین آزاد میر نے خیال کا تلفظ محاورہ اہل اردو کی پیروی میں کیا ہے "میرے یعنی میر کے) کلام کے لیے سند محاورہ اہل اردو ہے یا جامع مسجد کی سیڑھیاں (جاری)

(۲) سہ رکنی الفاظ

مفرس عربی اور فارسی کے کچھ دو رکنی الفاظ ایسے ہیں جن کی ابتدا میں دو خفیف مصوتے (/ـَ/ + /ـَ/) ہوتے ہیں لیکن جو تصریف یا اشتقاق کے عمل سے گزر کر اردو میں سہ رکنی ہو جاتے ہیں جیسے قلَم سے قلمی (بجائے قلَمی) عمَل سے عملی (بجائے عمَلی) نظر سے نظری (بجائے نظَری) ازَل سے ازلی (بجائے ازَلی) ابَد سے ابدی (بجائے ابَدی) علی سے علوی (بجائے علَوی) ادَب سے ادبی ۔ خفا سے خفگی (فارسی لفظ خفہ) آدم سے آدمی (بجائے آدَمی) یہ اردو کا اپنا رجحان ہے۔ اور غیر عربی و فارسی الفاظ میں بھی یہ رجحان کارفرما ہوتا ہے مثلاً نِکَل سے نِکلا بجائے نِکَلا، پگھَل سے پگھلا وغیرہ ۔ اسی رجحان کے ماتحت اردو میں خبر کی جمع خبریں اور نظر کی جمع نظریں ہوتی ہے ۔ اور وہ خبروں اور نظروں بھی بنتے ہیں بعض پڑھے لکھے حضرات تکلفاً عمَلی، نظَری، ازَلی، ابَدی وغیرہ بھی کہتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ چونکہ خبریں نظریں وغیرہ اردو جمع کی مثالیں ہیں اس لیے ان میں سقوط مصوتہ تو جائز ہے لیکن چونکہ مذکورہ بالا مشتقات یاد کے اضافے سے فارسی/عربی کے قاعدے سے بنے ہیں اس لیے ان میں سقوط مصوتہ جائز نہیں۔ لیکن کیا یہ کہنا مناسب نہیں ہوگا کہ اردو میں داخل ہو کر جب یہ الفاظ اردو بن گئے تو ان کا تلفظ بھی اردو ہی کے لسانی رجحان کے مطابق ہونا چاہیئے۔

اب ہم عربی فارسی دخیل الفاظ میں سقوط مصوتہ /ـَ/ اور /ـِ/ کی کچھ مثالیں پیش کریں گے۔

(جاری) اور آپ (مراد اہل لکھنؤ) اس سے محروم۔ یہ کہہ کر ایک شعر پڑھا (یعنی مذکورہ بالا شعر) اور کہا "آپ بموجب اپنی کتابوں کے کہیں گے کہ خیال کی یِ کو ظاہر کرو پھر کہیں گے یِ تقطیع سے گرتی ہے۔ مگر یہاں اس کے سوا جواب نہیں کہ محاورہ یہی ہے۔ (آب حیات ۲۶۵)

۵۲ ع انساں ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں ۔ غالب ۔ قلی قطب شاہ نے تو فارسی ترکیب کے بغیر بھی اصل تلفظ کی پیروی کی ہے ع پیا بن پیالہ پیا جائے نا ۔ کربل کتھا میں پیالے کا اردو تلفظ ملتا ہے جیسے ع ۔ دانت سارے گر پڑے اس پیالے میں مانند کھیل (کربل کتھا ص ۱۱۴)

(الف) اول، فارسی — اردو

فارسی	اردو
تُرُش (تُرُش بھی)	ترف تُرُش
ناشِتا	ناشْتہ (معنوی تصرف کے بعد)
نِگراں	نِگْراں

دوم

مفرس عربی	اردو
اَلَمِیَہ	اَلْمِیہ (ال + میا)
بَرَکَت	بَرْکت
بُشَرہ	بُشْرہ
تَرَکہ	تَرْکہ
ثَمَرہ	ثَمْرہ
حَبَشی[1]	حَبْشی
حَرَکت	حَرْکت
حوصَلہ	حوصْلہ
خَفَقان	خَفْقان
خَلَجان	خَلْجان
دَرَجہ	دَرْجہ[2]
رافِضی (رَ کے بجائے پ)	رافْضی
رَمَضان	رَمْضان
سَبَقت	سَبْقت
سَرِقہ (ۓ کی جگہ پ)	سَرْقہ
شَفَقت	شَفْقت (شَفقَت رشفق قت بھی)

[1] زندگی مثل بلالِ حَبَشی رکھتے ہیں ۔ اقبال

[2] آج اس کے نام کو دَرَجہ بزرگی کا ملا

شُہَدا	شہدا (معنوی تصرف کے ساتھ)
صَدَقہ	صدْقہ
طَبَقہ	طبْقہ
طَرَبیّہ	طرْبیہ
عَشَرہ	عشْرہ (ہفتے عشرے میں)
عَظَمت	عظْمت
عَمَدًا	عمْدًا
غَلَبہ	غلْبہ
قَصَبہ	قصْبہ
کَلِمہ	کلْمہ
مَثَلاً	مثْلاً
نَفَقہ	نفْقہ (نان نفقہ)
یَرَقان	یرْقان

(ب) چند مفرس عربی الفاظ ایسے ہیں جن میں فارسی نے صوتی تصرف کرکے درمیانی خفیف مصوتہ /ــَـ/ کو ساقط کر دیا اور اردو نے فارسی سے یہ تلفظ جوں کا توں لے لیا۔

مثلاً ۔

مفرس عربی	فارسی	اردو
جَرَیان	جرْیان	جرْیان (معنوی تصرف کے ساتھ)
دَوَران	دوْران	
زُلُف	زُلْف	(معنوی تصرف کے ساتھ)
غَرَق	غرْق	
فَیَضان	فیْضان	
ماجَرا	ماجْرا	
ہَذَیان	ہذْیان	

ج) (۱) مفرس عربی الفاظ کی عربی جمع میں کا دوسرا خفیف مصوتہ /ے/ اردو ساقط کردیتی ہے. مثلاً

مفرس عربی		اردو
اُمَرا		اُمْرا
بَرَکات	؎	بَرْکات
ثَمَرات	؎	ثَمْرات
حَشَرات		حَشْرات (حشْرات الارض)
حَضَرات		حضْرات
خِدَمات		خدْمات
سَکَرات (جمع سکرۃ)		سکْرات (بطور واحد)
صلَوات		صلْوات
شُرَفا		شُرْفا
شُرَکا		شُرْکا
ظُلُمات		ظُلْمات
غُرَبا		غُرْبا
فُقَرا		فُقْرا

(۲) بعض مفرس عربی دخیل الفاظ میں خفیف مصوتہ /ے/ کی جگہ بدل جاتی ہے. اور دو حرفی رکن سہ حرفی اور سہ حرفی رکن دو حرفی بن جاتے ہیں مثلاً

مفرس عربی	اردو
تَہلِکہ (تہہ + لِکا)	تہلکا (تہل + کا)
تجرُبہ (تج + رُبا)	تجربہ (تجر + بہ صرف عوام کی زبان پر)
رابَطہ	رابُطہ (راب + تا)
ضابَطہ	ضابُطہ (زاب + تا)

مُدَرِّسَہ	مدرسہ (مدر + سا - صرف عوام کی زبان پر)
مُطَالَبَہ	مطالبہ (مطال + با) مطالِبہ بھی
مُعَامَلَہ	معاملہ (ما + ملا) معامِلہ بھی
مُقَابَلَہ	مقابلہ (مقاب + لا) مقابِلہ بھی
مُکَالِمَہ	مکالمہ (مُکالِمہ بھی)

عربی زبان میں مشدّد الفاظ کثرت سے پائے جاتے ہیں جن میں صرف ایک مصمتے کی تکرار ہوتی ہے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ علامت تشدید صرف تحریری علامت ہے۔ یعنی ایک ہی حرف لکھ کر اس پر یہ علامت لگا دیتے ہیں تاکہ اس حرف کو دوبارہ پڑھا جائے۔ مصمتوں کی یہ تکرار جسے ہم تشدیدی رجحان کہیں گے عربی کا مخصوص رجحان ہے۔ (کھڑی بولی کا بھی یہ نمایاں رجحان ہے) لیکن فارسی میں مشدد کلمات نہیں پائے جاتے[1]۔ چونکہ تشدید ایرانیوں کے لئے نئی چیز تھی اس لیے انھوں نے اکثر عربی دخیل الفاظ سے آخری دو مصمتوں میں سے ایک مصمتہ ساقط کر دیا۔ اس عمل کو اصطلاح میں "تخفیف" کہتے ہیں۔ ایسے تمام عربی الفاظ جن کے آخری رکن میں تشدید ہوتی ہے فارسی میں تخفیف کے عمل سے گزرے۔ مثلاً اہمّ، اہم، اعمّ، اعم[2]، جادّہ، جادہ - حدّ، حد، حاجّ کو حاجی بنا دیا گیا۔ حقّ، حق - خطّ، خط - خاصّ خاص - خاصیّت، خاصیت (ع چوں آفتاب خاصیت خود گرفتہ است) ضدّ، ضد طامّات، طامات - غمّ، غم - غیریّت، غیریت - کیفیّت (بمعنی نشہ)، کیفیت (درصد سبوش کیفیت یک پیالہ نیست) کیفیّت (بمعنی چگونگی) کیفیت، کلّ، کل - محلّ، محل - مشامّ، مشام، نظّارہ (عربی معنی دیکھنے والے)، نظّارہ (نظارہ بھی) محویّت، محویت -

---

[1] فارسی الفاظ خرّم، اور فرّخ میں لکھاوٹ کی حد تک تشدید پائی جاتی ہے۔ ورنہ اصل میں یہ الفاظ عربی الفاظ کے برعکس مرکبات ہیں۔ (خر + رم)، اور فر + رخ - شکّر بھی عربی سے ماخوذ ہے ورنہ فارسی تلفظ شکَر ہے۔

[2] اعمّ - بہ تشدید لفظ عربی ہے - ادبی خطوط غالب ص ۱۲۵

ع ہمہ تن محویتِ عربدہ سازم کردند [1]

اردو نے بھی اس باب میں فارسی کی تقلید کی۔ کچھ مثالیں درج ذیل ہیں۔

مفرس عربی	اردو
اقلیّت	اقلیت ۔(اق + لیت)
المیّہ	المیہ
اہلیّہ	اہلیہ (اہ + لیہ)
اہمیّت	اہمیت (اہ + میت)
بقیّہ	بقْیہ (بقْیا)
حیثیّت	حیثیت
خیریّت	خیریَت
صِحّت	صِحَت (تندرستی کے معنوں میں البتہ صحیح ہونے کے معنوں میں صحت ہی کہا جاتا ہے)
زکریّا	زکریا (زکر + یا / زک ریا)
صَفیّہ	صفیہ (سف + یا)
طَربیّہ	طربْیہ (طر + بیا)
عاریّت	عاریَت
عطیّہ [2]	عطیہ (ات + یا)
قضیّہ	قضْیہ (قض + یا)
قُلّابہ	قلابہ (زمین آسمان کے قلابے ملانا)
قلیّہ (اصل عربی تلیت بھنا ہوا گوشت)	قلیہ (معنوی تصرف کے ساتھ)

---

[1] مرکبات میں بعض الفاظ کی آخری رکن کی تشدید واپس آجاتی ہے۔ جیسے حقّ دوستی حدِّ نامعلوم، حدّ وحساب وغیرہ اس معاملے میں بھی اردو فارسی کی مقلد ہے

[2] اصل تلفظ کو قائم رکھنے کی مثال ع عطیّہ کی بدولت آج اک کافر مسلماں ہے (شبلی

لیکن اردو کا سلسلہ نسب شورسینی اپ بھرنش سے ملتا ہے جس میں مشدد کلمات کی کثرت تھی۔ فارسی سے متعارف ہونے سے قبل کھڑی بولی اپنے تشدیدی رجحان کی وجہ سے پہچانی جاتی تھی البتہ برج بھاشا سے قربت میں آکر اس نے اس کا تخفیفی رجحان بھی اپنایا اور آج اردو میں یہ دونوں رجحانات ملتے ہیں۔ اپنے تشدیدی رجحان کے زیر اثر اردو نے بعض ایسے مفرس عربی و فارسی الفاظ کو مشدد کر دیا جن میں تشدید موجود نہیں تھی یہ رجحان نسبتہً کمزور سہی مگر ہے ضرور کچھ مثالیں درج ذیل ہیں۔

رجَب (اسلامی مہینے یا شخصی نام)، رجّب عوام کی زبان پر۔ جواد (نام جیسے علی جواد)، جوّاد ۔ تار طِلا، تار تِلّا، زچہ، زچّہ ۔ کرہ، کرّہ ۔ جمہ، جمّا (عوامی تلفظ)

بعض مفرس عربی دخیل الفاظ کا مصوتہ / ہَے / (یائے لین) اردو میں طویل مصوتہ / ہِے / بن جاتی ہے۔ جیسے شَیخ، شیخ، جَیب، جیب (یہ تصرف صوتی و معنوی دونوں ہے اور فارسی کے توسط سے آیا ہے) کیش، کَیش، کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ سیر، سَیر جیسے سَیر حاصل۔ سَیر ہونا [۱] چند الفاظ میں اس کے برعکس رجحان بھی ملتا ہے۔ فارسی اِیوان، اردو اَیوان، تیمور، تَیمور۔ دیجور، دَیجور۔ عربی اِیمن (یعنی محفوظ) اَیمن۔ ایک لفظ میں فارسی مصوتہ / اَو / اردو اُو میں بدل گیا ہے گَودن، گُودن

بعض عربی الفاظ کے آخر میں یا ربطور نیم مصوتہ بھی آتی ہے [۲] جیسے نفی (NAFIYA) نہی (NAHYA) سعی [۳] (SAIYA) وحی (WAHIYA) ایرانیوں نے اسے طویل مصوتہ / ہِی / میں بدل دیا اور نفی NAFI، نہی NAHI اور وحی WAHI بنا دیا اور اردو نے اسی تصرف کو جوں کا توں قبول کر لیا۔ اسی طرح جن عربی الفاظ کے آخر میں او / نیم مصوتے کی حیثیت سے آتی ہے۔ اسے بھی ایرانیوں نے / ـُ و / میں بدل دیا جیسے رَفوُ ۔ رفوٗ ۔ عفوٗ، عفو (عفو کردم از وی عملہائے زشت ۔ سعدی) اردو میں عفوٗ

---

[۱] اصل تلفظ کی مثال ۔ زندگی سے میرا بھائی سیر ہے ۔ پھر بھی خوراک اسکی ڈھائی سیر ہے (اکبر)

[۲] نفی کے عربی تلفظ کو قائم رکھنے کی مثال ہے ۔ نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا (غالب)

[۳] سعی کے عربی تلفظ کو قائم رکھنے کی مثال ہے ۔ دوست غمخواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا (غالب)

کا اصل عربی تلفظ تو قائم رہا لیکن فارسی تحریر "نحو" قبول کر لیا گیا۔ البتہ عورتوں کی زبان پر "لغو" "لغوُ" ضرور بن گیا۔

طویل مصوتے ۔

خفیف مصوتوں کی طرح مفرس عربی و فارسی کے چند دخیل الفاظ میں طویل مصوتے بھی عمل عاریت کے بعد اردو میں تغیر سے دوچار ہوئے ہیں۔ اس عمل میں یا تو طویل مصوتے اردو میں آکر خفیف بن گئے ہیں۔ یا پھر خفیف مصوتے طویل مصوتوں میں ڈھل گئے ہیں یا پھر ان کا سقوط ہوا ہے۔ مثلاً

	فارسی	اردو
(۱)		
(ل) ابتدا میں	آچار	اچار
	آستر	اَستر
	آلاؤ	اَلاؤ
(ب) درمیان میں	جانور	جنور (عوامی تلفظ)
	بادام	بدام (" ")
	باورچی (ترکی)	بورچی (دریائے لطافت)
	شاباش (جو بجائے خود شاد باش کا مخفف ہے)	شابش [1]
	جائیگہ ، جاگہ	جگہ
مرکبات	مفرس عربی/ فارسی	اردو
	حوالہ دار	حوالدار
	رسالہ دار	رسالدار
	فارسی	اردو
	دکانداری	دکنداری

---

[1] شابش ہے آپ کو جو اس عمر میں چلے آئے ہو۔ رسوم ہند پیارے لال آشوب ص ۸۷

کارخانہ دار	کرخندار
کاہ گل	کہگل

(۲) طویل مصوتے کی خفیف مصوتے میں تبدیلی [ُو / ُ] ¹ قُولنج ، قُلنج۔ آزوقہ ، آزُقہ ² کُلثوم ، کُلثُم ³

(۳) طویل مصوتے / ے ی / کی خفیف مصوتے / ے / میں تبدیلی [/ ے ی / ← / ے / بیچارہ ، بچارہ ، بیگانہ ، بگانہ ، دیوانہ ، دِوانا ، سیپارہ ، سِپارہ پیشانی ، پِشانی (عوامی تلفظ)

(۴) طویل مصوتوں کا اضافہ : ـــ اکا اضافہ : بقرعید (بقرید) ⁴ ← بقراعید / بقرہ عید مثل ← مثلا (دکنی میں بمعنی ضرب المثل آج بھی مستعمل ⁵ نفیب ← نفیبہ / نفیبا ظہور ← ظہورا - اب ← ابا (مشدد کرکے)

(۵) طویل مصوتے / ـــ ا / کی ـــ اوٗ میں تبدیلی - دریا سے دریاؤ ، امرا سے امراؤ (امراؤ جان) آشنا ، آشناؤ ⁶

(۶) خفیف مصوتے کی طویل مصوتے میں تبدیلی - اسے قدیم اصطلاح میں اشباع کہتے ہیں اختہ (بمعنی خصی) ← آختہ - رعب ← رعاب (رُ آب) (عورتوں کی زبان پر) کنگرُہ ← کنگورہ - منار ← مینار (مینارا بھی)

(۷) طویل مصوتے کا سقوط :
ہمیشہ ، ہمیش ⁷ کمینہ ، کمین ⁸ ، احوال ، حوال جیسے حال حوال ، احاطہ ، حاطہ

---

۱ اس شہر کے باشندے کو قُلنج کی بیماری ہوئی - باغ و بہار ص ۱۴۳

۲ آزُقہ پہنچے تو اس کا دم بچے - باغ و بہار ص ۱۴۵ ۳ ادھر ان غموں سے ہے کلثُم دوانی کربل کتھا ص ۲۲۴ - ۴ تیسری تاریخ بقرہ عید کی مکہ معظمہ سے کوچ کئے (کربل کتھا ص ۱۳۲)

۵ ع کہ مثلا ہے ایک پنتھ ہور دو کاج - قطب مشتری ۔

۶ ایک عشاق بانو نامی پری میری آشناؤ تھی - قصہ مہر افروز و دلبر ص ۱۴۱

۷ ہمیشہ سے ہے اور رہے گا ہمیش - سحر البیان - بلکہ ہمیش آرزو مند مرگ کا تھا (کربل کتھا ص ۸۳)

۸ دوسرے کمین آدمیوں کو پرورش کرنا - گنج خوبی ص ۲۵۹

کبھی کبھی سقوط مصوتہ کے بعد مصوتہ مابعد مشدد ہو جاتا ہے۔

برابر ، برّبر ـ چادر ، چدّر ـ چاقو ، چکّو ـ چمچہ ، چمچ [1]

(۸) کبھی کبھی طویل مصوتہ /ـَـا/ حرف جگہ بدل دیتا ہے ـ جانور ، جناور

غُنّہ : عربی اور فارسی میں غنہ کا وجود نہیں اور اگر ہے بھی تو مخصوص صوتی ماحول میں لیکن اردو میں انفیائے ہوئے مصوتے (NASALISED VOWELS) پائے جاتے ہیں مثلاً یہ اقلی جوڑے دیکھئے ـ (۱) کانسہ ـ کانسا (ایک قسم کی دھات (۲) ڈاک ـ ڈانک (نگینے کے نیچے لگایا ہوا سنہری یا روپہلی ورق) (۳) ڈھاک ـ ڈھانک (۴) کہا ـ کہاں (۵) ساس ـ سانس (۶) باس ـ بانس ـ غنہ تورانی فارسی اور ہندوستانی فارسی کی خصوصیت ضرور رہی ہے ـ کیا پتہ کہ عربی صوتیات کے زیر اثر واؤ دیائے مجہول کی طرح نون غنہ بھی فارسی سے غائب ہو گیا ہو۔ بہرحال جدید فارسی میں اس کا وجود نہیں ـ محمد علی ایرانی کہتے ہیں۔

"ما (ایرانی) گرئیم جان وایشان (اہل ہند) می گویند 'جا' ہمچنین لفظ خان را 'خا' گویند" [2]

بقول پنڈت کیفی ـ

ایرانیوں کے یہاں نون غنہ ہے ہی نہیں ـ وہ گلستان کو گلستون اور بوستاں کو بوستون بولتے ہیں" [3]

غالباً ہندوستانی فارسی کی تقلید میں اردو نے مفرس عربی الفاظ یقین، دین، جنون اور ایمان وغیرہ کو دیں، یقیں، جنوں اور ایماں بنا لیا۔

ذیلی صوتیے

اردو میں مندرجہ ذیل مصوتے پائے جاتے ہیں

/ـَـ/ अ ، /ـَـا/ आ ، /ـِـ/ इ ، /ـِـی/ ई ، /ـُـ/ उ ، /ـُـو/ ऊ

---

[1] جنھیں چمچ سے دودھ پلا کر پالا جاتا ہے۔ (گئو دان صہ۸۸) [2] کتاب فارسی جدید جلد دوم صہ۶۱ چونکہ ایرانی فارسی میں نون غنہ کی علامت (ں) ہی نہیں اس لیے مصنف نے جاں کو "جا" اور خاں کو "خا" لکھا ہے شاید علامت غنہ (ں غیر نقطہ دار) تورانی فارسی سے ہندوستانی فارسی اور وہاں سے اردو میں آئی ہے۔
[3] کیفیہ: پاکستانی ایڈیشن صہ۲۵۱ دراصل ایرانی گلستوں اور بوستوں نہیں کہتے بلکہ مصوتہ /ـَـا/ کو اس طرح ادا کرتے ہیں کہ وہ /او/ کی طرف مائل ہوتا ہے۔

اے / ऐ / ای / ई / او / ओ اور او / औ ۔ انفیلائے ہوئے مصوتے ۔

قدیم اصطلاحوں میں / ــَـ / अ ' (ــِـ इ) اور / ــُـ / उ کو بالترتیب فتحہ یا زبر کسرہ یا زیر اور ضمہ یا پیش کہا جاتا ہے ۔ جدید اصطلاح میں انھیں خفیف مصوتے ۔ SHORT VOWELS) کہا جاتا ہے ۔ اسی طرح / ــَـا / آ / ــِـی / ای / ــُـو) اور / اے ऐ اور / او औ کو حرف علت کہتے ہیں (یعنی الف ۔ واؤ ۔ اور ی) لیکن الف واؤ اور ی کو حرف علت کہنا ناکافی ہے) جدید اصطلاح میں انھیں طویل مصوتے (LONG VOWELS) کہا جاتا ہے ۔ / ای / اور / او / کو قدیم اصطلاحوں میں یائے لین اور واؤ لین کہتے ہیں ۔

ان اردو مصوتوں کے علاوہ دو صوتیے ایسے ہیں جو صرف خاص صوتی ماحول میں سنائی دیتے ہیں ورنہ نہیں ۔ انھیں صرف اہل زبان یعنی اہل اردو استعمال کرتے ہیں ۔ اگر کوئی نوسکھیا انھیں استعمال نہ بھی کرے تو معنی میں کوئی فرق نہیں آتا ۔ لیکن اس کا غیر اہل زبان ہونا ظاہر ہو جاتا ہے ۔ اگر کوئی صوتیہ مخصوص صوتی ماحول میں کسی دوسرے صوتیے کی جگہ (یا اس کے ساتھ) عادتاً استعمال ہو تو اسے "ذیلی صوتیہ" (ALLOPHONES) کہتے ہیں ۔ اردو میں دو ذیلی صوتیے پائے جاتے ہیں ۔ (۱) کسرۂ مجہول اور (۲) ضمۂ مجہول ۔ ان ذیلی صوتیوں کا تعین مندرجہ ذیل اقلیتی جوڑوں کے ذریعے کیا جا سکتا ہے ۔

	ستون نمبر ۱	ستون نمبر ۲
(الف)	۱ اہتمام، احترام	التزام، ابتسام
	۲ محل	مچل، بدل، سنبھل
	۳ بہن	بدن
(ب)	۱ نعمت	نسبت
	۲ شاعر	شاکر
(ج)	۱ مجاہدہ	مجاہد
	۲ مناظرہ	مناظر
(د)	۱ قائل	قاتل

دالف) (۱) کے محاذی ستون نمبر ا کے تحت الفاظ 'اہتمام اور احترام اور ستون نمبر ۲ کے تحت الفاظ اِلتزام اور ابتسام کے تلفظ میں ایک نمایاں فرق محسوس کیا جا سکتا ہے۔ لفظ التزام کے 'اِل' اور اِبتسام کے 'اِب' کے درمیان خفیف مصوتہ /ِ/ ہے جسے عرف عام میں زیر یا کسرہ کہتے ہیں۔ یہ اردو کا معروف خفیف مصوتہ ہے۔ لیکن الفاظ اہتمام اور احترام کی 'اِہ' میں جو خفیف مصوتہ ہے وہ کسرہ سے مختلف ہے۔ یہ مصوتہ انگریزی الفاظ LET اور GET میں ملتا ہے۔ (ان الفاظ میں /E/ انگریزی کا بنیادی مصوتہ ہے) چونکہ /ی/ کو جو طویل مصوتہ ہے یائے معروف کہتے ہیں۔ اس رعایت سے /ِ/ کو کسرۂ معروف کہا جا سکتا ہے۔ اور لہٰ (۱) کے محاذی ستون نمبر ا کے تحت الفاظ کی ابتدا میں جو کسرہ ہے اسے پنڈت کیفی کی اصطلاح میں کسرۂ مجہول کہہ سکتے ہیں۔ اس طرح لہٰ (۲) اور (۳) کے محاذی ستون نمبر ا میں الفاظ محل اور بہن میں کسرۂ مجہول ہے۔ جبکہ ستون نمبر ۲ کے تحت مندرج الفاظ مِحِل اور بدن میں خفیف مصوتہ /ِ/ ہے۔ لہٰ ۔ (۱)، (۲)، اور (۳) کے محاذی ستون نمبر ا کے تحت مندرج الفاظ کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں مصوتہ /ɛ/ استعمال ہوا ہے یعنی کسرۂ مجہول حرف /ہ/ سے قبل یا ہمصمتی الفاظ میں /ہ/ کے بعد آتا ہے۔

اب (ب) (۱) کے محاذی ستون نمبر ا کے لفظ 'نعمت' اور ستون نمبر ۲ کے لفظ نسبت کے تلفظ پر غور کیجئے۔ نعمت میں ن کے بعد جو کسرہ ہے اس کا تلفظ 'نسبت' کے /ن/ کے بعد والے کسرے سے مختلف ہے۔ 'نعمت' میں کسرۂ مجہول ہے اور نسبت میں کسرۂ معروف۔
اسی طرح (ب) (۲) کے محاذی ستون نمبر ا کے شاعر میں /ع/ کے بعد کسرۂ مجہول ہے اور ستون نمبر ۲ کے شاکر میں /ک/ کے بعد کسرۂ معروف ہے۔ یعنی [1] ع کے ساتھ جو کسرہ ہوتا ہے وہ کسرۂ مجہول ہوتا ہے ورنہ نہیں۔ اسی طرح (ج) (۱) کے محاذی ستون میں دی ہوئی مثالوں

---

[1] ہماری رائے میں /ع/ اور /ہ/ کو اردو کے صوتیاتی نظام سے یہ کہہ کر یکسر خارج کرنا مناسب نہیں کہ یہ اپنے قائم مقام ہیں اور ان کا تعلق صرف تحریر سے ہے اور یہ علامات بے صوت ہیں۔ کیونکہ مذکورہ بالا صورتوں میں وہ علامات بے صوت نہیں ہیں بلکہ 'قاطع مصوتہ' میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ تفصیل /ع/ پر بحث کے سلسلے میں ص۔ پر ملاحظہ کیجئے۔

مجاہدہ ۔ ستون نمبر ا اور مجاہد ۔ ستون نمبر ۲ ۔ ان دونوں میں /ہ/ مشترک ہے پھر بھی ستون نمبر ا کے تحت درج شدہ لفظ میں /ہ/ کے بعد کسرۂ مجہول ہے جبکہ ستون نمبر ۲ کے تحت درج لفظ میں /ہ/ کے بعد کسرہ معروف ہے۔ یہاں /ہ/ کی موجودگی لازمی نہیں کیونکہ ج (۲) کے محاذی ستون نمبر ا 'مناظرہ' میں /ز/ کے بعد کسرۂ مجہول ہے اور ستون نمبر ۲ کے مناظر میں کسرہ معروف ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ تمام مفرس عربی الفاظ جو مفاعلہ کے وزن پر ہوں ان کے چوتھے صوتیے کے بعد کسرہ مجہول کا استعمال ہوتا ہے ورنہ نہیں۔ اسی طرح (د) کے محاذی ستون نمبر ا 'قاتل' میں کسرۂ مجہول ہے۔ لیکن ستون نمبر ۲ قاتِل میں /ت/ کے بعد کسرۂ معروف یعنی فاعل کے وزن پر آنے والے الفاظ میں اگر تیسرا صوتیہ /ع/ یا /ء/ ہو تو اس کے بعد والا صوتیہ کسرۂ مجہول ہوگا۔

ہم کسرۂ مجہول کو ایک علیحدہ صوتیہ قرار دینے کے بجائے ذیلی صوتیہ اس لیے قرار دے رہے ہیں کہ یہ صرف مخصوص صوتی ماحول میں پایا جاتا ہے اور اصطلاح ذیلی صوتیہ کی مندرجہ ذیل شرائط پوری کرتا ہے۔ (۱) یہ ذیلی صوتیہ اہل اردو کی مخصوص لسانی عادت کا نتیجہ ہے ۔ (۲) اگر اس کی جگہ کسرۂ معروف یا فتحہ /ـَ/ کا استعمال کیا جائے تو اس سے معنی میں فرق نہیں لازم آتا۔ بلکہ صرف اردو سے الگ لب و لہجہ کا احساس ہوتا ہے۔

کسرۂ مجہول کی طرح 'ضمہ مجہول' بھی خاص صوتی ماحول میں ملتا ہے۔

(الف) اگر مصمتہ /ہ/ سے قبل کوئی مصمتہ ہو تو ان کے درمیان ضمہ معروف /ـُ/ کی جگہ ضمہ مجہول کا استعمال ہوتا ہے۔ جیسے

ستون ۱	ستون ۲
عہدہ ۔ بہرہ ۔ تحفہ ۔ محبت	عُہدہ ، کُلچہ ، غُصّہ ، مُروّت

ستون نمبر ا کے تمام الفاظ میں ضمہ مجہول اور ستون نمبر ۲ کے تحت درج شدہ الفاظ میں ضمہ معروف ہے۔

ب : اگر /ع/ سے قبل کوئی مصمتہ ہو تو ان کے درمیان ضمہ مجہول کا استعمال ہوتا ہے۔

ستون نمبر ا	ستون نمبر ۲
دعا ۔ معاملہ ۔ لعاب	دکان ، مقابلہ ، گلاب

ستون نمبر ۱ کے تحت الفاظ میں ضمہ مجہول اور ستون نمبر ۲ کے تحت الفاظ میں ضمہ معروف ہے [1]

مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ میں کسرۂ مجہول اور ضمہ مجہول کا استعمال اردو کا صوتی تصرف ہے کیونکہ یہ ذیلی صوتیے عربی اور فارسی میں نہیں پائے جاتے۔

مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ میں اہل اردو کسرۂ مجہول کا استعمال مندرجہ ذیل صورتوں میں کرتے ہیں۔

۱: (الف) جب کسی مفرس عربی یا فارسی دخیل لفظ /ہ/ سے قبل کوئی مصمتہ ہو اور لے /ہ/ پر ٹوٹتی ہو تو ان دونوں کے درمیان اردو میں کسرۂ مجہول ہوتا ہے جیسے

مہمان - مہربان - محنت

(ب) (اول) /ہ/ پر لے نہ ٹوٹے (یعنی اگر /ہ/ متحرک ہو) تو /ہ/ اور مصمتہ مابعد کے بعد کسرۂ مجہول پایا جاتا ہے۔ جیسے محل، وحدت - زحمت - احمد - محمود

(نوٹ) اگر الف کے تحت دیے ہوئے الفاظ کا تلفظ اس طرح کیا جائے کہ /ہ/ پر لے نہ ٹوٹے تو (ب) (اول) کی طرح کسرۂ مجہول /ہ/ اور مصمتہ مابعد کے بعد ہوگا۔

(دوم) اگر درمیانی /ہ/ پر مشتمل سہ مصمتی لفظ ساکن الاوسط ہو اور اسے متحرک الاوسط کر دیا

---

[1] ڈاکٹر شوکت سبزواری اور ڈاکٹر گوپی چند نارنگ ایک اور ذیلی صوتیہ فتحہ خفیفہ کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔ شوکت سبزواری 'فتحہ لینہ' کو بھی ذیلی صوتیہ قرار دیتے ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ دونوں مبینہ ذیلی صوتیے کسرۂ مجہول سے الگ آوازیں نہیں ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ الفاظ وحدت، رحمت، احمد، محسوس اور محروم میں بھی کسرۂ مجہول ہی ہے یعنی ان الفاظ کا تلفظ (ZAIHMAT, WAIH'DAT) وغیرہ نہیں ہے بلکہ (ZAHEMAT) اور (WAHEDAT) ہے یہ وہی آواز ہے جو محل (MAHEL) اور بہن BAHEN میں ہے۔ چونکہ مذکورہ بالا مثالوں میں لے مصمتہ /ہ/ پر نہیں ٹوٹتی بلکہ اس میں کسرۂ مجہول شامل ہو جاتا ہے۔ اس لئے /ہ/ اور کسرۂ مجہول مل کر /اے/ کی طرف جھکتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ اگر ہم اس آواز کو /اے/ فرض کریں تو بھی اسے ذیلی صوتیہ قرار دینے میں تکلف ہوگا۔ کیونکہ /اے/ اردو کا بنیادی صوتیہ ہے۔ اور آزاد صوتی ماحول میں ملتا ہے۔ بہرحال ہماری رائے میں اردو کے صرف دو ذیلی صوتیے ہیں (۱) کسرۂ مجہول اور (۲) ضمہ مجہول

جائے تو /ہ/ کے بعد کسرۂ مجہول آتا ہے۔ جیسے

• تحت > تحِت، صحن > صحِن، رَحم > رَحِم، صحرا > صحِرا، فہم > فہِم

۲- اگر /ہ/ سے قبل /ـِ/ ہو تو یہ کسرۂ مجہول میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جیسے
اِحسان، اِہتمام، اِحتشام، اِحتراز، اِہتراز، اِحرام (اہرام)
[نوٹ: اگر /ہ/ کی جگہ /ع/ ہو تو کسرۂ مجہول کی جگہ /اے/ آتا ہے۔ جیسے اعتراض (اے تراز)، اعجاز (اے جاز) وغیرہ]

۳- (الف) اگر کوئی مفرس عربی لفظ 'فاعل' کے وزن پر نہ ہو تو تیسرے صوتیے /ع/ یا /ا/ کے بعد اصل زبان میں آنے والا کسرہ معروف کسرۂ مجہول بن جاتا ہے۔ جیسے شاعِر، قائِل، حائِل، اوائِل لاطائِل
[نوٹ: اس صوتی ماحول میں اگر /ع/ یا /ا/ کی جگہ کوئی اور مصمتہ ہو، چاہے وہ /ہ/ ہی کیوں نہ ہو تو اصل زبان کا کسرۂ معروف اردو میں برقرار رہتا ہے۔
جیسے ساحِل، جاہِل، کاہِل، کامِل، عادِل وغیرہ

(ب) اگر کوئی مفرس عربی لفظ بر وزن 'استفعال' ہو اور چوتھا صوتیہ /ع/ ہو تو /ع/ اور ما قبل مصمتے کے درمیان کسرۂ مجہول ہوتا ہے جیسے
استعمال، استعداد، وغیرہ

۴- اب تک جو مثالیں پیش کی گئیں، ان میں /ہ/ یا /ع/ یا /ا/ کی موجودگی لازمی ہے۔ لیکن کسرۂ مجہول کی بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں مخصوص صوتی ماحول کا انحصار کسی خاص مصمتے پر نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف مصمتوں اور مصوتوں کی ترتیب اہمیت رکھتی ہے۔

(۱) مفاعلہ اور مفاعلت کے وزن پر مفرس عربی الفاظ جن میں چوتھے مصمتے کے بعد /ـَ/ ہوتا ہے اردو میں آ کر کسرۂ مجہول بن جاتا ہے جیسے تبادِلہ، محاسِبہ، مراقِبہ، مکالِمہ، مراسِلہ، مخاطِبت، مصالِحت، منافِرت، معاشِرہ، معاشِرت
[نوٹ: اگر سانس چوتھے مصوتے پر نہ ٹوٹے (یعنی وہ ساکن ہو) تو کسرۂ مجہول

استعمال نہیں ہوتا اور نہ کوئی دوسرا مصوتہ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے تبادلہ (بجائے تبادِلہ) مراقبہ (بجائے مراقِبہ)

(۲) تفعلہ کے وزن والے الفاظ پر بھی یہی عمل ہوتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس وزن میں تیسرے مصمتے کے بعد والا / ـِ / کسرۂ مجہول بن جاتا ہے جیسے تذکِرہ، مشغِلہ، تفرِقہ وغیرہ

(۳) فاعلہ کے وزن والے الفاظ میں بھی کسرۂ مجہول کا استعمال ہوتا ہے۔ اس میں تیسرے مصمتے کے بعد والا کسرۂ معروف کسرۂ مجہول بنتا ہے۔ جیسے شاکِرہ، خالِدہ وغیرہ

(۴) یہی حال وزن استعمال یا انفعال کا ہے۔ اس وزن میں تیسرے مصمتے کے بعد والا کسرۂ معروف کسرۂ مجہول بنتا ہے جیسے امتِحان، اختِصار، ارتِکاب، اتِفاق، انتِظار، انکِسار، انہِماک، انبِساط وغیرہ

(نوٹ: اگر اس وزن کے الفاظ میں تیسرے مصمتے کے بعد کے کسرۂ معروف کے بعد نیم مصوتہ یا (ی) ہو تو اصل زبان کا کسرۂ معروف برقرار رہتا ہے۔ جیسے اِختیار، اِحتیاج، اِحتیاط)

(۵) استفاضہ یا استقامت کے وزن والے مفرس عربی الفاظ جس کے تیسرے مصمتے کے بعد کسرۂ معروف ہوتا ہے وہ اردو میں کسرۂ مجہول بن جاتا ہے۔ جیسے استِفادہ، استِعارہ، استِطاعت، استِقامت وغیرہ)

(۶) افعلال کے وزن میں تیسرے مصمتے کے بعد جہاں اصل زبان میں کسرۂ معروف ہوتا ہے اردو میں کسرۂ مجہول بن جاتا ہے جیسے اضمِحلال

اب ضمۂ مجہول کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ (الف) اگر کسی مفرس عربی دخیل لفظ میں مصمتہ /ہ/ سے قبل کوئی دوسرا مصمتہ ہو تو اصل زبان کا مصوتہ /ـُ/ (جسے ہم ضمۂ معروف بھی کہہ سکتے ہیں) اردو میں آکر ضمۂ مجہول بن جاتا ہے۔ جیسے عُہدہ، مُہلت، مُہمل، مُحسن

تُحُفہ وغیرہ

(ب) اگر اس صورت میں اصل زبان میں ضمہ معروف کی جگہ خفیف مصوتہ /ـُ/ ہو تو وہ بھی ضمہ مجہول بن جاتا ہے۔ جیسے مَحبت > مُحبت، مَحَلّہ، مُحلّہ

۲- اگر مفرس عربی دخیل الفاظ میں /ع/ سے قبل ضمہ معروف ہو تو /ع/ قاطع[1] مصوتہ بن جاتی ہے۔ اور ضمہ معروف ضمہ مجہول میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ جیسے دُعا (Do'a) مُعاملہ Mo'a mela وغیرہ

مصمتے۔ صوتی تصرف

ہم بتا چکے ہیں کہ ایرانیوں کی طرح اہل اردو نے بھی عربی صوتیے /ث/ /ص/ /ذ/ /ض/ /ظ/ /ح/ اور /ط/ کو مسترد کر دیا اور /ث/ اور /ص/ کو /س/ سے، /ذ/، /ض/ اور /ظ/ کو /ز/ سے /ح/ کو /ہ/ سے اور /ط/ کو /ت/ سے بدل دیا اور ان عربی صوتیوں کو صرف حرفیوں کی حیثیت سے مفرس عربی دخیل الفاظ میں رسم الخط میں باقی رکھا۔ اردو نے[2] فارسی ہی کی طرح عربی صوتیہ /ق/ کو قبول کیا۔ عربی، فارسی اور اردو صوتیات کے تقابلی مطالعے سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اردو صوتیات میں /ز/، /خ/ /ق/، /ف/ اور /غ/ ایسے صوتیے ہیں جو ہندوستان کی کسی بھی دوسری ہند آریائی زبان میں نہیں ملتے۔ سوائے /ز/ اور /ف/ کے، مذکورہ بالا تمام صوتیے فارسی ہی کے زیر اثر اردو میں آئے ہیں۔ البتہ /ز/ اور /ف/ ایسے دخیل صوتیے ہیں جو اردو کے علاوہ دیگر ہند آریائی زبانوں میں غالباً انگریزی اور پرتگالی کے اثر سے یا پھر شاید اردو کے اثر سے آئے ہوں جس زمانے میں ہندوستان کی اپ بھرنش زبانیں فارسی سے ربط میں آئیں اس وقت سنسکرت صوتیے

---

[1] اصطلاح قاطع مصوتہ کے لیے دیکھیے صفحہ ۱۹۰ [2] فارسی نے ایرانی الاصل الفاظ میں بھی عربی صوتیے /ق/ کو شامل کر لیا۔ جیسے قالیچہ، قلندر، سمرقند اور خانقاہ میں جو اصل میں غالیچہ، غلندر، سمرکند اور خانگاہ تھے۔

/ڑ/ اور /ڑھ/ بھی ان زبانوں سے غائب ہو گئے تھے۔ اردو نے عربی فارسی کے راستے سے
ان کو قبول کر کے اسے اپنی صوتیات میں شامل کیا۔

اس طرح اردو کے صوتیاتی نظام میں /ز/، /خ/، /ف/ /ق/، /ش/ اور
/غ/ ایسے دخیل صوتیے ہیں جو اردو کو ہندوستان کی دیگر زبانوں سے ممتاز کرتے ہیں۔
عربی مصمتہ /ع/ اور /ء/ کا معاملہ قدرے مختلف ہے اس لیے اس پر تفصیلی گفتگو
بعد میں کریں گے۔ یہاں اردو کی ایک ممتاز خصوصیت کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ دیگر
ہند آریائی زبانوں کے برخلاف جب اردو نے فارسی سے مفرس عربی و فارسی الفاظ قبول کیے
تو ان کے اکثر صوتیے بھی قبول کر لیے۔ جبکہ دوسری ہندوستانی زبانوں نے /ز/ کو /ج/ /خ/
کو /کھ/، /ق/ کو /ک/، /ف/ کو /پھ/، /ش/ کو /س/ اور /غ/ کو /گ/ جیسے قریب
المخرج صوتیوں میں بدل دیا۔ اردو نے اپنے ابتدائی دور ہی میں ان نئی دخیل آوازوں پر
قابو پالیا تھا۔ جیسا کہ قدیم دکھنی کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے۔ اور آج بھی یہ زبان اپنے
شین قاف سے پہچانی جاتی ہے۔ دراصل اردو کے کھڑی بولی کا ممتاز روپ اختیار کرنے
کی تاریخ اسی وقت سے شروع کرنی چاہیے۔ جب یہ اجنبی صوتیے اردو میں داخل
ہوئے۔ نئی آوازیں قبول کرنے میں اردو کوئی تنہا زبان نہیں ہے۔ جب ایک ہی زبان سے
بے شمار الفاظ قبول کرنے کے مواقع فراہم ہوتے ہیں تو مستعار لینے والی زبان کا صوتیاتی
نظام بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا بقول وینرخ:

"جب ایک ہی زبان سے متعدد دخیل الفاظ کا کلاً یا جزواً
غیر منقسم صوتی ہیئت میں کسی دوسری زبان میں راہ پاتے ہیں
تو اس کے نتیجے میں مستعار لینے والی زبان کی آوازوں میں تبدیلیوں
کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں"[1]

کچھ ایسی ہی بات بلوم فیلڈ بھی لکھتا ہے:

---

[1] LANGUAGE IN CONTACT

"اگر مستعار لینے والی زبان بخوالے معطی زبان سے نسبتاً زیادہ مانوس ہوں یا اگر (اس مستعار لینے والی زبان میں) دخیل الفاظ کافی تعداد میں پائے جائیں تو ایسی غیر ملکی آوازیں جو دیسی صوتیوں سے صدائی اعتبار سے کافی بعید ہوتی ہیں۔ کم و بیش صحت کے ساتھ مستعار لینے والی زبان میں باقی رکھی جاتی ہیں۔ جس سے اس کا صوتیاتی نظام متاثر ہوتا ہے۔ یہ نئی آوازیں قبول کر لیے جانے کے بعد مستعار لینے والی زبان میں اپنی مستقل جگہ بھی بنا سکتی ہیں۔[1]"

اس کے بعد بلوم فیلڈ بتاتا ہے کہ کس طرح اسکینڈی نیویائی خوشہ (SK) اور فرانسیسی صوتیے /V/، /θ/، /Z/ اور /dʒ/ نہ صرف انگریزی زبان میں داخل ہوئے۔ بلکہ انگریزی کے نئے وضع کردہ الفاظ میں بھی ان صوتیوں کا استعمال ہونے لگا۔ اردو نے بھی فارسی کے توسط سے نہ صرف /خ/ /غ/ /ف/ /ز/ اور /ق/ کو مفرس عربی و فارسی الفاظ میں قائم رکھا ہے بلکہ ان دخیل صوتیوں کی مدد سے نئے نئے الفاظ وضع کیے۔ اور دیسی الفاظ میں ان کا استعمال کیا اور اس طرح ان دخیل صوتیوں کو اپنے صوتیاتی نظام کا جزو لاینفک بنا دیا۔ مثلاً ذیل کے غیر مفرس عربی و فارسی الفاظ میں مندرجہ ذیل صوتیے ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

(۱) مصمتہ /خ/

مخول، نرخرا (نرخرہ بھی لکھتے ہیں۔) ریخیں (اصل ریکھ، ہندی ریکھا، جمع ریکھائیں)، خرانٹا (اصل کھرّاٹا) خرّانٹ، تماخ (بننے، ٹھننے والی عورت)، بخر (اصل کھچّر جو سنسکرت [illegible] سے ماخوذ ہے) پیخچے، پیخ (اصل لفظ پاکھا، پکھ)

---

[1] LANGUAGE BLOOMFIELD

بہ جتھنی، خُتکا (تر کی کنتکا ۔ موٹا ڈنڈا ۔ بھنگ کوٹنے کا سونٹا)
کمرخی (بقول اثر لکھنوی وہ چیز جس میں کمرک کی طرح پہلو ہوں، زبان کا بھی طرفہ
ماجرا ہے ۔ کمرکی اور کمرکھی اصولاً صحیح ہوگا ۔ بولیے تو سامعہ پر گراں گزرتا
ہے ۔ فرہنگ اثر)
پہ چرخ (اصل چمرک، چمرکھ)، پھبڑخانی، ٹخنا (جیسے ٹخنہ نکھنے ہیں) ٹپاخا (جیسے
پٹاخہ نکھتے ہیں)، خون خچر، چڈا گل خیرو، وغیرہ
یہ صوتیہ صوت نما الفاظ میں بھی استعمال ہوتا ہے ۔ جیسے چٹاخا، چٹاخ،
ٹماخ، خٹ خٹ، چنخارہ، ٹخ ٹخ، بہ چخ، تڑخ، خرخراہٹ وغیرہ

(۲) مصمتہ /ز/

زٹل (جعفر زٹلی)، ذات زمات (سرکار کی ذات زمات وہ کیا جانے ۔ دلی کی چند
عجیب ہستیاں ص۱۸) زناخی (سہیلی ۔ رسی زناخی جل گئی لیکن نہ بل گیا ۔ جان صاحب) زٹیک
(بے حمیت) زڑ (بکواس) زِرچ (؟)
صوت نما الفاظ میں زن زن، بازازن (تلوار چلنے کی آواز) زناٹا (زناٹے
سے جانا)، زوں ٹوں (زوں ٹوں کی صدا چرخ پیر زہرہ کے گوش زد ہوتی تھی ۔ فسانہ عجائب ص۱۶۸)

(۳) مصمتہ /غ/

غنڈا (گنڈا)، تر غا (ترغہ تحریر میں)، کلغی (اصل کلگی) تغادہ (تگادہ ۔
تقاضا سے ۔ دکنی میں عام ہے ۔) غپ (فارسی گپ) اسی سے غپّی، جغادری (اصل جگادری)
دوغلا (اصل دوگلا) اناٹ غفیل، غٹ (اصل گٹ، گردہ) الم غلم (غین ہوتا نشے میں ہوتا)،
یہ صوتیہ بھی صوت نما الفاظ میں ملتا ہے جیسے غڑپ (گڑپ)، بغبغانا
(کبوتر کا مستی میں گوبجنا ۔ نور اللغات)، غٹ غٹ یا غٹا غٹ (پینے کے لیے)،
غوں غوں، غٹر غوں، غٹرغوں، غچ (تلوار، چاقو وغیرہ کے گوشت میں گھسنے یا کیچڑ میں

چلنے کی آواز)، غٹکنا (اصل گٹکنا بمعنی نگلنا) غنچہ (غنچہ، کھانا، غُنغُنانا (گنگنانا سے، ناک میں بولنے کے معنوں میں) غل غپاڑہ، غین غین (منت سماجت کرنا) غرفش (غرش سے)

(۴) مصمتہ اف/

فوار (پھوار سے۔ اوپر جو فوار پڑتی ہیں تس سے کبتک توخوش ہوتی ہیں۔

مہرافروز دلبر ص ۱۶-۱۷) فالودہ (فارسی پالودہ)، فالسہ (فارسی پالسہ)، فرخند (مکر وحیلہ) فنس (اصل پینس ..... فینس پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ فسانہ آزاد ص ۱۳۶) اکم ٹوں، نفاس (مراٹھی لفظ نیناس سے جو عربی لفظ تفحص کی بدلی ہوئی شکل ہے۔" اس بات کو خوبی کرنا نقاس سب رتس) الفس (پینٹنگ کی ایک قسم) الف ہونا، الفا۔ الفی (کفنی) (خو چکر فیل) لانا (جھگڑنا)، ڈفلی (اصل دف) فی نکالنا (عیب جوئی)

صوت نما الفاظ میں فرفر (پڑھنا)، فراٹا (فراٹے بھرنا) ٹائیں ٹائیں فش وغیرہ

(۵) مصمتہ اق/

قتلا (قتلہ ہندی کتلا)، قلابازی (قلا سنسکرت کلا، کا مورد ہے) قسائی (املا قصائی) چپر قناتیا (قلاش عاشق) قلف (قفل کی تقلیب) اس سے قلفی، تڑاق پڑاق (حاضر جواب۔ شوخ)۔ "ڈومنیاں تڑاق پڑاق فسانہ عجائب ص ۱۹۲) تڑاقا (ایک قسم کا کپڑا) سخت گرمی کے معنوں میں (جیسے دھوپ کا تڑاقا)

صوت نما الفاظ میں قاؤں قاؤں ۔ قائیں قائیں (اصل کائیں کائیں)، تڑاق کسی سخت چیز کے ٹوٹنے یا جوتے کی مار کی آواز)، تڑاقا (حقے کا دم لگانے کی آواز)

دکن بالخصوص حیدر آباد (آندھرا پردیش) میں /ق/ کو /خ/ اور /خ/ کو /ق/ میں بدلنے کا رجحان عام ہے۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں /ق/ کو /خ/ میں بدلنے کے رجحان کو مشرقی ایرانی (افغانی، پشتو/ پختو اور بلوچی وغیرہ) کی خصوصیات

بتاتے ہیں[1] شمالی ہند میں مذاق کو 'مزاخ' بھی کہا جاتا ہے۔[2] کرخنداری اردو کی بھی یہی خصوصیت ہے جس میں سبق کو سبخ، وقت کو وخت، رفیق کو رفیخ وغیرہ بنانے کا رجحان ہے۔

عربی مصوتہ /ع/ اور ہمزہ /ء/

اب ہم یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ اردو کے صوتیاتی نظام میں /ع/ اور /ء/ کا کیا مقام ہے۔ دراصل جہاں تک /ع/ کا تعلق ہے۔ خود اہل ایران اس کے تلفظ پر قادر نہیں تھے۔ اور اسے مصوتہ /ۓ/ میں تبدیل کیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی /ع/ کی آواز پر تجربہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ٹیپ ریکارڈ پر 'ماکول' اور معدوم ـ ماکول اور 'مادم' سنائی دیتے ہیں۔ اس کی تصدیق (SPECTOGRAM) پر کی گئی گئی پھر (PATTERN PLAY BACK) کی مدد سے 'عام' اور 'آم' آوازوں کا مقابلہ کیا گیا۔ دونوں میں کوئی فرق نوٹ نہیں کیا جاسکا۔[3] عربی مصوتہ /ع/ مندرجہ ذیل مثالوں میں /ۓ/، /ۓا/، /ۓِ/، /ۓِی/، /ۓُ/، /ۓُا/، /اے/، /اٰے/، /اَے/، /او/، /اٰو/ اور /اَو/ بن جاتا ہے۔

(۱) لفظ کی ابتدا میں (ۓ) عجب (اجب)، عادت (ۓادت)، عبادت (ابادت)، عبد (ابد)، عذر (اُذر) عیب (اَیب) اور عورت (اورت)

(۲) لفظ کے وسط میں:

معلوم (مالوم)، نعرہ (نارا)، بقر عید (بقرابد) ع ایسی نہ شب برات نہ بقر عید کی خوشی (نظیر اکبرآبادی)، بعض (باز)، ربیع الآخر (ربی الآخر)

کبھی کبھی /ع/ یائے مجہول /ے/ میں بھی بدلتی ہے۔ جیسے[1] جمیرات (جمعرات)

---

[1] دکنی یا اردوئے قدیم [2] اس قدر بھی نہیں ہوں میں گستاخ - ہیں مجھ کو کسی سے ٹھٹھ مزاخ خواب وخیال میر اثر"، کوئی کسی سے مزاخ کرتی ہے"۔ "جو بڑے سے مزاخ کرے (بقا یا صد بیگم)

جمعدار ، جمیدار (کمودان) کبھی درمیانی /ع/ کا سقوط بھی ہوتا ہے۔ جیسے جماعت ، جمات

(۳) لفظ کے آخر میں (۲) جب اصل زبان کے لفظ کے آخری مصمتی خوشے میں /ع/ ہو تو اردو میں /ع/ طویل مصوتہ /ے ا/ میں تبدیل کر دیا جاتا ہے جیسے نفع ، نفا ، جمع ، جما منع ، منا ، وضع (وزا) ، خلع ، خلا ، طبع ، تبا ، تلع ، وجمع ، خلا تما ، مرتفع ، مرتفا (سطح مرتفا) ، دفع ، دفا ، رفع ، رفا ، ضلع ، زلا وغیرہ

(ب) جب اصل زبان کے لفظ کے آخر میں /ع/ اور ماقبل /ے/ ہو تو اسے بھی اردو میں /ع/ طویل مصوتہ /ے ا/ میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ مطلَع ، متلا ؛ مقطَع ، مقطا ؛ مقنع ؛ مطلِع ، متِلا ؛ مستجَع ، مستجا ؛ موقع ، موقا ؛ موضع ، موضا ؛ متبع ، تبا ؛ ۔ ضائع ، (زایا)

(ج) اگر /ع/ کے بعد تائے مدورہ بشکل ہائے مختفی ہو تو بھی /ع/ /ے ا/ میں بدل جاتی ہے۔ جیسے برقعہ ، برقا ؛ جمعہ ، جمالے تلعہ ، قلا ؛ دفعہ ، دفا

(د) بعض الفاظ میں /ع/ غائب ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ دوہرا مصوتہ آ ے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے ضائع ، زائے ، اس کا دوسرا تلفظ زایا ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا۔ مانع (مائے)

تو کیا /ث/ ، /ص/ ، /ذ/ ، /ض/ ، /ط/ ، /ظ/ کی طرح /ع/ کو بھی اردو کے صوتیاتی نظام سے خارج کر دیا جائے ؟ ایسا ممکن تھا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اردو میں اکثر الفاظ ایسے بھی ہیں جن میں عربی مصمتہ /ع/ اپنے وجود کو منواتا ہے اس لیے اسے صرف تحریری علامت سمجھ کر اردو صوتیات سے یک قلم خارج کر دینا کسی طرح مناسب نہیں

پچھلے صفحے کے حاشیے کا بقایا: تو اس جہاں میں گنا ہگار ہو دے۔ مزاج کرتا ہی سے زبوں ہے، صد ۲۹ ، صد ۳۵۱ قصہ مہر افروز دلبر [۳] ٹائپ اور رسم الخط کے طویل میعاد منصوبے ادب اور لسانیات [۴] ہر مہینے کی نوچندی جمعرات کو میں اس تابوت کو لیے پھرتا ، باغ و بہار صد ۱۹۹

[۱] بقول انشا " جمعے کے دن بجائے جمعہ کے دن زیادہ فصیح ہے " ۔ دریائے لطافت صد ۲۲

مثلاً مندرجہ ذیل دخیل الفاظ ملاحظہ ہوں۔ جماعت سماعت، تعارف، تعلق، مسعود
موعود، سعید وغیرہ ان کا رومن املا بالترتیب ہوگا۔ (JAMA'AT) (SAMA'AT)
(TA'ARRUF) وغیرہ۔ یہاں بھی /ع/ کی 'حلقیت' تو غائب ہو جاتی ہے اور وہ
خفیف مصوتہ /ے/ میں تبدیل بھی ہوتا ہے۔ لیکن یہ مصوتہ اپنی امتیازی صوتی خصوصیت
بھی رکھتا ہے۔ یہ مصوتہ ماقبل مصمتے میں ضم ہو کر ادا نہیں ہوتا۔ (جیسے بَ، پَ وغیرہ میں)
بلکہ پورے لفظ کو ارکان (SYLLABLES) میں قطع کرتا ہے۔ جماعت = جما + ے ت،
ت + ے ل + لُق ۔ مس + ۂ ود ؛ س + ِ ید وغیرہ اس لیے اسے قاطع مصوتہ
کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اور اردو صوتیات کی فہرست میں اسے جگہ دینی ہوگی۔ یہ قاطع
مصوتے /ے/، /ے ا/، /ِ/، /ِ ی/، /ُ/ اور /ُ و/ وغیرہ ہو سکتے ہیں۔ جیسے جماعت
میں قاطع مصوتہ /ے/، رعایا میں قاطع مصوتہ /ے ا/، ساعِد میں قاطع مصوتہ /ِ/،
سعید میں قاطع مصوتہ /ِ ی/، مسعود میں قاطع مصوتہ /ُ و/ وغیرہ

/ء/ ۔ ہمزہ

/ء/ بھی اردو میں خفیف مصوتہ /ے/ کا قائم مقام ہے۔ ورنہ عربی میں یہ حلقی
بندشی مصمتہ (GLOTTAL STOP) ہے۔ لیکن اردو میں /ع/ کی طرح یہ بھی اکثر الفاظ
میں قاطع مصوتہ بن جاتا ہے۔ ڈبلیو رائٹ مرتب عربی گرامر (ARBIC GRAMMAR) کے
اس قیاس کو نظر انداز کرنا مشکل ہے کہ ہمزہ /ء/ غالباً چھوٹی عین ہے جو یہ بتانے کے لیے
تحریر میں بطور علامت لائی جاتی ہے کہ ء کا لگ بھگ /ع/ کی طرح تلفظ کیا جائے۔ (لگ
بھگ اس لیے کہ عین حلقی مصمتہ ہے) مثلاً لفظ مسئلہ میں قاطع مصوتہ /ے/ کو بآسانی
شناخت کیا جا سکتا ہے۔ گزشتہ صفحات میں آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے کہ /ع/ اور /ء/
دونوں مصمتہ /ہ/ کی طرح بعض الفاظ میں مخصوص صوتی ماحول پیدا کرتے ہیں جن میں اہلِ
اردو کسرہ مجہول اور ضمہ مجہول کے ذیلی صوتیے استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے /ع/ اور /ء/
کو قاطع مصوتہ کا درجہ دیکر انھیں اردو صوتیات میں جگہ دینا ضروری ہے۔

اردو مصمتوں میں صوتی تغیرات

ہائے مخلوط:

بعض معرب عربی و فارسی الفاظ کو ان کی قریب المخرج مخلوط ہیا آوازوں میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ جیسے ک > کھ: کیسہ > کھیسا (اپنے کھیسے سے ایک ڈبیہ نکال کر ..... باغ و بہار ص ۳۵ [دکنی اردو میں یہ لفظ آج بھی عام ہے] بہانہ > بھانہ (دکنی اردو) چلہ > چھلا (دکنی اردو، جیسے چھٹی چھلا)؛ بارکش > بھارکش؛ تہ رو > تھرو (گدی جو گھوڑے کی کمر کی حفاظت کے لیے پیٹھ پر ڈال دی جاتی ہے۔ فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں جلد پنجم ص ۴) کارگاہ > کرگھا؛ میر دیہہ > مردھا۔

ترخیم:

لفظوں کے لین دین میں ترخیم اور ادغام کا عمل بولنے والوں کی سہل انگاری کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اردو میں معرب عربی و فارسی دخیل الفاظ میں اس عمل کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔

/ھ/ میں ترخیم: بالمشافہہ > بالمشافہ؛ فی البدیہہ (فی البدیہہ > فل بدیع) بالمواجہہ > بالمواجہ؛ صحیح > سہی (معنوی تغیر کے ساتھ)؛ شطاح > شتّا (لکھے پڑھوں کی سی باتیں بھی کوئی کرتی تو حرافہ اور شتّا کا خطاب پاتی (دلّی کی چند عجیب ہستیاں ص ۲۲۴) مصالح > مصالحہ > مسالہ (مسالا)

دیگر مصمتوں میں ترخیم: المضاعف > المضاف؛ ایکبیہ > ایبیہ (ایرانی چابک سوار گھوڑی کی چال)؛ افراط تفریط > اَترا تفری؛ تیرکش > ترکش > تکش (ترکش میں سے تیر نکال کر۔ اللہ اکبر کہہ کر مارا۔ باغ و بہار ص ۱۰۶)؛ جوشاندہ > جوشاندہ؛ حضرت > حضت؛ دست پناہ (ہندوستانی فارسی) > دسپنا، شب برأت > شب برات > شبرات؛ طمانیت > طمانینت؛ قہر عام > کہرام؛ مزدور > مزدر > مجور

عام طور پر آخری آواز پر بل نہ پڑنے سے وہ بول چال میں گر جاتی ہے۔ جیسے بند و بست > بند وبس؛ دستخط (دس + خط) > دسخط [ہارون نے دسخط خاص سے یہ بندیں لکھیں۔ گنج خوبی

زقند > زقن ؛ دوست > دوس ؛ عرضداشت > ارداس ؛ فرزند > فرزن ؛ درخت > درخ
گوشت > گوش ؛ نمشک > نمش ؛

کبھی کبھی پورا رکن گر جاتا ہے اور ایک نیا ہی لفظ بنتا ہے : غلغلہ > غلغل ، غل
نعوذ (باللہ) > نوج (عورتوں کی زبان پر) نگیں > نگ

ترخیم اور ادغام کے عمل سے نئے لفظ بن جاتے ہیں ۔ دریائے لطافت میں انشا نے
اس کی مثالیں دی ہیں ۔ مثلاً جانمد (جان محمد) نورمّد (نور محمد) ؛ صامرا (صاحب میرا) ؛ شجاباد
(شاہجہاں آباد) ؛ توبۃ النصوحا > توبہ تیمسوہا

کبھی کبھی آخری آواز کو ساقط کر کے مصمتہ ماقبل کو قریب المخرج مصوتے میں بدل
دیتے ہیں ۔ شری پھل > شریپھ > شریفہ

مصمتوں کا تبادل :

(۱) د > ب : دخات (بفات ۔ بالابفات) ؛ مولوی > مولبی ؛ تصویر > تصبیر ؛
طویلہ > طبیلہ ؛ کسوت > کسبت (معنوی تغیر کے بعد) ؛ باورچی > بابرچی ؛
(دریائے لطافت)

(۲) ب > و : شوراب > شوربہ > شوروا ؛ سقابہ > سقاوہ ؛ گلابہ > گلاوہ ؛
اردابہ > ارداوہ (گلا ہوا دانہ) ، کباب > کواب

(۳) د > ت : بید > بیت ؛ پلید > پلیت ؛ بدتر > بتّر ؛ اس کے برعکس بھی :
خراط > خراد

(۴) ب > م : منیب > منیم

(۵) ر > ل : خریطہ > خلیطہ (لوازمات خیمہ رکھنے کا تھیلا فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں (۱) صـ۲)

(۶) ش > س : تشنیع > تسناد (طعنہ تسنا) ؛ شاخشانہ > شاخسانہ ۔

(۷) ز > ج : یہ ہند آریائی زبانوں کا عام رجحان ہے اردو میں اس کی اکا دکا مثالیں ملتی
ہیں ۔ گزک > گجک (معنوی تصرف کے بعد) ایک قسم کی مٹھائی (فرہنگ اصطلاحات
پیشہ وراں (۳) صـ۲۰۴)

(۸) ر > ڑ: توبرہ > توبڑہ

(۹) ج > چ: خرج > خرچ

(۱۰) تقلیب (META THESIS) اس کی مثالیں عوامی تلفظ میں کافی ملتی ہیں:
فصیل > سفیل (انشا نے اسے اپنے زمانے کے پیش نظر فصیح قرار دیا تھا)
نسخہ > نخسہ؛ نبتیلہ > تلبیتہ؛ جبران > حریان؛ تفلی > تلفی؛ کبھی کبھی
تقلیب کا عمل پیچیدہ ہوتا ہے۔ قربوس > قبورس > قبور
بعض صورتوں میں صوتی تبدیلیوں سے لفظ کچھ کا کچھ بن جاتا ہے۔ اور اصل
کا سراغ لگانا مشکل ہو جاتا ہے۔ کچھ مثالیں درج ذیل ہیں:
شرح لگان > شرط لگان؛ (فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں جلد (۱) ص ۱۳)
تشت > تسلا؛ تشتری > تاسری؛ صحنک > سینی؛ سنگ جراحت > سنگریزہ
عقر قرہا > اکھل کھرا؛ ہاون دستہ > ہمام دستہ؛ تاربانی > ٹاٹ بانی، ـــ
زری کہنہ > زری کوٹا؛ (آب حیات ص ۵) حارث > ہریس (کاشت کار)
نقص > نقشہ (نقشہ نکالنا۔ دکھنی میں نقش پہ چلنا کہتے ہیں۔) خیلا۔ کہا جاتا
ہے کہ یہ خللاً بالطبع تھا۔ اس سے خبیلا اور پھر خیلا بنا واللہ اعلم۔ طعمہ > تانبا
(گوشت کا ٹکڑا جو شکاری پرندوں کو کھلاتے ہیں) وغیرہ

باب پنجم

صرفی و نحوی تصرف

ہم گزشتہ صفحات میں یہ تفصیل بتا چکے ہیں کہ جب کسی زبان کا کوئی لفظ دوسری زبان میں داخل ہوتا ہے تو وہ اسی کا حصہ بن جاتا ہے۔ گزشتہ باب میں ہم نے صوتی تصرف کا ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ تو داستان کا صرف ایک حصہ تھا۔ کیوں کہ دخیل الفاظ میں صرف صوتی تغیر و تبادل نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ تازہ ولایت الفاظ مستعار لینے والی زبان کے قواعدی اصولوں کے بھی پابند بنا دیے جاتے ہیں۔ اس باب میں اس اجمال کی تفصیل ملے گی۔

اگر ہم لسانی ساخت کے اعتبار سے عربی کا مقابلہ فارسی اور اردو سے کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اردو زبان کا تعلق سامی خاندان السنہ سے ہے اور فارسی اور اردو کا ہند یورپی خاندان السنہ سے ہے۔ عربی زبان اپنے لسانی مزاج کے اعتبار سے داخلی تصریفی (INTERNALLY INFLECTIONAL) اور فارسی اور اردو (EXTERNALLY INFLECTIONAL) زبانیں ہیں۔ عربی کے فعلی مادے منفصل (DISCONTINUOUS) ہوتے ہیں۔ جو اصطلاح میں 'مجرد' کہلاتے ہیں۔ تین مصمتوں پر مشتمل مادے 'ثلاثی مجرد'، چار پر مشتمل 'رباعی مجرد' اور چار سے زائد مصمتوں پر مشتمل مادے "مجرد مزید فیہ" کہلاتے ہیں۔ ہر مادے سے فاعل غائب، واحد مذکر ضمیر کے حوالے سے زمانۂ ماضی میں ایک فعل بنا لیا جاتا ہے (مثلاً ثلاثی مجرد ک۔ ت۔ ب سے کَتَبَ اس نے لکھا) اور اس میں صوتیوں کے مخصوص ترتیب میں اضافہ سے نئے نئے الفاظ بنائے جاتے ہیں جو مشتقات (DERIVATIVES) کہلاتے ہیں۔ جیسے کَتَبَ سے کاتِبٌ، مَکتُوبٌ، مُکتَتِبٌ، کِتَابٌ وغیرہ، ہند یورپی خاندان کی زبانیں خارجی تصریفی ہوتی ہیں۔

ان میں لفظ کے اندر تغیرات نہیں کیے جاتے۔ بلکہ لاحقوں کی مدد سے نہ صرف نئے نئے الفاظ بنائے جاتے ہیں بلکہ یہ لاحقے نحوی رشتوں کے اظہار کے لیے بھی کام میں لائے جاتے ہیں۔ جہاں تک فارسی زبان کا تعلق ہے وہ ایک تحلیلی (ANALYTICAL) زبان ہے۔ ابتدا میں قدیم فارسی بھی سنسکرت کی طرح ترکیبی زبان تھی۔ لیکن عہد ساسانی تک پہنچتے پہنچتے فارسی میانہ، ترکیب سے تحلیل کی منزل میں داخل ہو چکی تھی۔ جب خطۂ فارس کی بولی 'دری' عربی سے رابطہ میں آئی تو اس وقت وہ تحلیلی منزل میں تھی۔ یہ زبان عصر حاضر میں اس قدر تحلیلی بن چکی ہے کہ بقول تاراپوروالا:

"جدید فارسی کی ہیئتی قواعد (FORMAL GRAMMAR) کے تمام اصول (اس قدر کم ہیں کہ وہ) ایک کاغذ کے پرزے پر لکھے جا سکتے ہیں۔"

جس وقت فارسی ہندوستان میں داخل ہوئی، ہندوستان کی پراکرتیں اپ بھرنش کی منزل میں داخل ہو کر تحلیل کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ فارسی کے اثر نے اس عمل کی رفتار تیز سے تیز تر کر دی۔ بقول ڈاکٹر بہری:

"اگرچہ پراکرت منزل میں اور اس سے پہلے بھی پراکرتوں میں تحلیلی رجحان کی مثالیں ملتی ہیں۔ لیکن ہمیں فارسی کے تحلیلی مزاج کو پیش نظر رکھنا ہوگا اور اس حقیقت پر بھی غور کرنا ہوگا کہ جو ہندوستانی زبان فارسی سے جتنی قریب آئی (مثلاً لہندا، مشرقی پنجابی، مغربی ہندی، مشرقی ہندی یا بنگالی) وہ دوسری ہند آریائی زبانوں کے مقابلے میں اتنی ہی زیادہ تحلیلی بنی، چنانچہ پنجابی ہندی سے اور سندھی گجراتی مراٹھی یا بنگالی سے زیادہ تحلیلی ہے۔ ان فارسی حروف جار کا مقابلہ مندرجہ ذیل حروف جار سے کیجیے۔ فارسی: از، را، بر = ہندی: 'سے'، 'کو'، 'پر'[1]

ترکیبی زبان کے برخلاف تحلیلی زبانوں کے خزانے میں مفرد افعال کے علاوہ ایسے مرکب افعال بھی ہوتے ہیں جو یا تو (۱) دو افعال سے مرکب ہوتے ہیں۔ جن میں ایک 'امدادی فعل' ہوتا ہے یا

---

[1] PERSIAN INFLUENCE ON HINDI
P. 57

(۲) فعل کے ساتھ کسی اسم یا صفت کا استعمال ہوتا ہے۔ خارجی تصریفی ترکیبی زبانوں میں مادے کے آخر میں لاحقے جوڑ کر نئے نئے اسما اور افعال بنائے جاتے ہیں۔ جیسے سنسکرت، لاطینی اور یونانی میں۔ اس کے برخلاف تحلیلی زبانوں میں مادہ (ROOT) یا ریشے (STEM) میں خارجی تغیر پیدا کرنے کے بجائے ایک فعل کی مدد سے نئے نئے فعل بنتے ہیں یعنی اسم یا صفت کے ساتھ مل کر اور حروف جار کی مدد سے نحوی رشتے ظاہر کیے جاتے ہیں۔ اس طرح ان میں ترکیبی زبانوں کا ایجاز و اختصار اور جامعیت تو باقی نہیں رہتی بلکہ پھیلاؤ آجاتا ہے۔ لیکن اس پھیلاؤ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح اسے نحوی الجھاؤ سے نجات مل جاتی ہے اور چونکہ ان میں نئے افعال پہلے سے جانے بوجھے افعال اور اسماء و صفات پر مشتمل ہوتے ہیں اس لیے ان کی تفہیم میں ذرا بھی دقت نہیں ہوتی۔ اردو میں پھیلاؤ کا ہی رجحان پایا جاتا ہے۔

لیکن فارسی کی طرح اردو بھی مکمل تحلیلی زبان نہیں ہے۔ اس میں بھی تصریف (INFLECTION) پائی جاتی ہے۔ مثلاً ایک لفظ 'کتاب' لیجیے۔ اس کی جمع 'کتابیں' ہے۔ لفظ 'کتابیں' 'کتاب + یں' سے مرکب ہے۔ '۔یں' کو ہم علامت جمع کہتے ہیں۔ اصطلاح میں اسے 'ضربیہ' یا 'تصریفی لاحقہ' کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جب لفظ 'کتابیں' کے ساتھ حروف جار استعمال ہوں جیسے نے / کو / کا / سے / میں تو لفظ 'کتابیں' 'کتابوں' بن جاتا ہے۔ جیسے کتابوں نے.... کتابوں کو.... وغیرہ / اوں / کو بھی تصریفی لاحقہ کہتے ہیں۔ مندرجہ ذیل خاکے میں ستون نمبر ۳ میں تعداد ظاہر کرنے والے تصریفی لاحقے ہیں:

	واحد	جمع	تصریفی لاحقہ
(۱)	لڑکا	لڑکے	۔ے
(۲)	بیل	بیل	صفر
(۳)	بات	باتیں	۔یں
(۴)	لو۔ گھٹا	لوئیں۔ گھٹائیں	۔یں
(۵)	لڑکی	لڑکیاں	۔اں
(۶)	چڑیا	چڑیاں	ں

مذکورہ بالا خاکے کی پہلی مثال لیجیے لڑکا ۔ یہ اسم عام ہے، واحد ہے اور مذکر۔ اس کے

آخر میں طویل مصوتہ /ـَا/ ہے ـ بہ /ـَا/ جمع میں /ـے/ بن جاتا ہے (قدیم اصطلاح میں اسے "امالہ" کہتے ہیں)۔ اردو ان تمام مفرس عربی اور فارسی دخیل الفاظ میں جو اسم ہیں، مذکر ہیں اور جن کے آخر میں طویل مصوتہ /ـَا/ ہے۔ یہی عمل کرتی ہے۔ یعنی ان کی جمع بناتے ہوئے تصریفی لاحقہ /ـَا/ ـ ـے/ میں بدل دیتی ہے۔ جیسے

۱۔ اول (فارسی) اژدہا ـ اژدہے [استثنا: خدا، آشنا، شناسا، گدا]

دوم (مفرس عربی) تماشا ـ تماشے، تقاضا، تقاضے

۲۔ (الف) جن فارسی مذکر، اسما (یا صفات) کے آخر میں ہائے مختفی ہو جس کا اردو تلفظ /ـَا/ ہوتا ہے۔ (جمع میں یہ تلفظ میں آنے والا /ـَا/ "/ـے/ میں بدل جاتا ہے۔ جیسے آستانہ ؎ آستانے، اندازہ ؎ اندازے، آوازہ ؎ آوازے، آئینہ ؎ آئینے، بیگانہ ؎ بیگانے درندہ ؎ درندے، پیشہ، پیشے وغیرہ

(ب) جن مفرس عربی مذکر اسما یا صفات کے آخر میں تائے مدورہ بشکل ہائے مختفی ہو جس کا اردو تلفظ /ـَا/ ہوتا ہے۔) تو جمع میں یہ /ـَا/ "/ـے/ میں تبدیل ہو جاتا ہے ـــ جیسے ترجمہ ـ ترجمے، اضافہ ـ اضافے، جائزہ ـ جائزے، حملہ ـ حملے، حصہ ـ حصے ذخیرہ ـ ذخیرے، صدمہ ـ صدمے، مطالعہ ـ مطالعے، وغیرہ

اب مثال نمبر ۲ لیجیے۔ "بیل" ـ یہ اسم عام ہے، واحد ہے اور مذکر۔ اس کے آخر میں کوئی مصوتہ نہیں ہے۔ جمع میں اس کی شکل قائم رہتی ہے۔ یعنی ایک بیل (واحد) دو بیل (جمع)۔ اردو ان مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ کے ساتھ جو مذکر ہیں اور جن کے آخر میں کوئی مصوتہ نہیں جمع بناتے ہوئے یہی سلوک کرتی ہے۔ یعنی جمع میں اس کی شکل قائم رہتی ہے۔ جیسے: ایک انگور کھایا، دو انگور کھائے، ایک حاکم گیا، دو حاکم آئے وغیرہ

مثال نمبر ۳ میں لفظ "بات" مونث ہے۔ اور اس کے آخر میں کوئی مصوتہ نہیں ہے۔ جمع میں اس میں تصریفی لاحقہ ـیں بڑھا دیا جاتا ہے۔ اردو میں وہ تمام مفرس الفاظ عربی و فارسی الفاظ جو مونث ہیں اور جن کے آخر میں کوئی مصوتہ نہیں ان میں بھی جمع کا تصریفی لاحقہ ـیں بڑھایا جاتا ہے، جیسے:

(الف): فارسی - امید - امیدیں؛ آواز - آوازیں؛ انجمن - انجمنیں؛ آہ - آہیں؛
نگاہ - نگاہیں؛ چیز - چیزیں؛ وغیرہ

(ب): مفرس عربی - ایجاد - ایجادیں؛ اصلاح - اصلاحیں۔ سطر - سطریں؛ قسم - قسمیں؛
قوم - قومیں؛ حکومت - حکومتیں؛ - وغیرہ

عربی زبان کی کچھ جمعیں اردو میں بطور واحد مستعمل ہیں - جیسے، افواہ، حور، خیرات
خواص، تحقیقات وغیرہ - جمع بنانے کے لیے ان میں بھی - یں بڑھا دیتے ہیں - جیسے افواہیں؛
حوریں؛ خواصیں؛ وغیرہ

مثال نمبر ۴ میں 'لو' اور 'گھٹا' دونوں مونث ہیں - لو کے آخر میں طویل مصوتہ /و/
اور گھٹا کے آخر میں /ا/ ہے - جمع کی صورت میں ان میں بھی - یں بڑھایا جاتا ہے - لوئیں؛
گھٹائیں - اسی طرح وہ مفرس عربی فارسی اسماء جو اردو میں مونث ہیں اور جن کے آخر میں /و/
یا /ا/ ہے - جمع بنانے کے لیے ان میں بھی تصریفی لاحقہ / - یں / کا اضافہ ہوتا ہے - مثلاً:

(۱) /و/ پر ختم ہونے والے مونث اسما کی مثالیں:
(الف) فارسی - آبجو - آبجوئیں؛ آرزو - آرزوئیں؛ ترازو - ترازوئیں؛
(ب) مفرس عربی۔

(۲) /ا/ پر ختم ہونے والے مونث اسما کی مثالیں
(الف) فارسی: سزا - سزائیں؛ صدا - صدائیں؛ ہوا - ہوائیں۔
(ب) مفرس عربی: بلا - بلائیں؛ تمنا - تمنائیں؛ جفا - جفائیں؛ دعا - دعائیں؛
غذا - غذائیں؛ رائے - رائیں وغیرہ

جن مونث فارسی دخیل الفاظ کے آخر میں ہائے مختفی یا مونث مفرس عربی الفاظ کے
کے آخر میں تائے مدورہ بشکل ہائے مختفی ہو تو ان کی جمع بھی / - یں / بڑھا کر بنائی جاتی ہے جیسے:
(الف) فارسی: بیوہ - بیوائیں؛ دوشیزہ - دوشیزائیں۔
(ب) مفرس عربی: حبیبہ - حبیبائیں؛ خالہ - خالائیں؛ خادمہ - خادمائیں

مثال نمبر ۵ میں لڑکی کی جمع لڑکیاں [لڑکی + - اں ←] ہے - عمل ادغام سے تصریفی

لاحقہ 'یاں' بن جاتا ہے. اور ما قبل مصوتہ ے ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وہ مفرس عربی و فارسی اسماء جو اردو میں مونث ہیں اور جن کے آخر میں /ے ی/ ہے۔ ان کی اردو جمع /ے ی/ کو /ے/ کر کے اور تصریفی لاحقہ 'یاں' بڑھا کر بنائی جاتی ہے۔ مثلاً:

آزادی - آزادیاں؛ آسانی - آسانیاں؛ بیماری - بیماریاں؛ پری - پریاں وغیرہ

کچھ فارسی دخیل الفاظ میں اہل اردو نے /ے ی/ اور /نی/ کا اضافہ کر کے انھیں مونث بنا لیا ہے۔ جیسے: پیالی، دیگچی، تختی، شہزادی، دیوانی، استانی ان کی اردو جمع بھی پیالیاں استانیاں وغیرہ ہیں۔

فارسی مشتقات و مرکبات جن کے آخر میں /ے ی/ ہو اور یہ مونث اسما ہوں تو جمع بنانے کے لیے ان میں بھی یاں بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے امیدواریاں، بیہودگیاں، بے تابیاں، بے قراریاں، کارروائیاں، کمزوریاں وغیرہ

وہ اسماء جن میں اہل اردو نے فارسی کی تقلید میں مفرس عربی الفاظ میں /ے ی/ کا اضافہ کیا ہے اور جو اردو میں مونث ہیں۔ ان کی جمع بھی ے ی کی جگہ /یاں/ استعمال کر کے بنائی جاتی ہے۔ جیسے صفا ← صفائی ـــ صفائیاں؛ سلام ← سلامی ـــ سلامیاں؛ ضبط ← ضبطی ـــ ضبطیاں؛ بدل ← تبدیل ← تبدیلی ـــ تبدیلیاں ـ؛ غلط ← غلطی ـــ غلطیاں [1]

---

[1] یہ اردو جمعیں ایک زمانے میں اردو میں اس قدر مقبول تھیں کہ شعراء اور انشا پرداز ان کا استعمال بالالتزام کرتے تھے اور انھیں حسن عبارت سے تعبیر کرتے تھے۔ نثر میں نیاز فتحپوری اور مولانا ابوالکلام آزاد اس کا استعمال کثرت سے کرتے تھے۔ مولانا حسرت موہانی نے اپنے رسالے محاسن سخن میں اسے حسنِ کلام سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس بات کو فخریہ اپنے خاندان شاعری کی خصوصیت بنایا ہے۔ عنوان: استعمال الفاظِ جمع مخصوص بہ خاندانِ مومن و نسیم کے تحت لکھتے ہیں:

"الفاظ جمع کا حسن استعمال جو مومن و نسیم کے خاندان شاعری کے ساتھ مخصوص ہے اس کی مثالیں دیگر اساتذہ قدیم و جدید کے کلام میں بھی ملتی ہیں۔"

(اگلے صفحہ پر)

ہم جانتے ہیں کہ اردو میں وہ تمام مذکر اسما جن کے آخر میں /ـہ ا/ ہو جب ان کے بعد کوئی حرف جار مثلاً نے، سے، کو، پر، تک وغیرہ استعمال ہوتے ہیں تو یہ /ـہ ا// ـے ا/ میں بدل جاتا ہے۔ جیسے لڑکا ـــ لڑکے نے / سے / پر / تک ..... اسی طرح ان مذکر مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ میں جن کے آخر میں /ـہ ا/ ہو یا ہائے مختفی یا تائے مدورہ بشکل ہائے مختفی ہو، جب ان کے بعد کوئی حرفِ جار استعمال ہوتا ہے تو یہ /ـہ ا// ـے / میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جیسے اژدہے نے؛ تماشا ــ تماشے میں؛ تقاضہ ــ تقاضے سے؛ بچے کو، درندے پر، حملے تک؛ وہ الفاظ جو اردو میں غیر جمع پذیر ہیں۔ (جن کی جمع نہیں آتی) ان پر بھی املے کا یہی عمل ہوتا ہے۔ مثلاً:

مالیخولیا ← مالیخولیے: یقین سمجھو کہ اسے مالیخولیے کا آزار و جنون ہے۔ گنج خوبی ص ۲۵۶

ماجرا ← ماجرے: اس ماجرے کو دریافت کرنے کی خاطر یہ سب آفتیں سہیں۔ باغ و بہار ص ۱

جمعہ ← جمعے: جمعے کی نماز کو نکلیں گے۔ گنج خوبی ص ۱۱۳

دفیعہ ← دفیعے: چند حکیموں سے اس کے دفیعے کا علاج پوچھا۔ گنج خوبی ص ۲۴۹

وہ مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ جن کے درمیان واوِ عطف ہو اور جن کے آخر میں /ـہ ا/ ہو یا ہائے مختفی / تائے مدورہ بہ شکل ہائے مختفی ہو اور جن کا تلفظ /ـہ ا/ کی طرح ہوتا ہے۔ ان میں بول چال میں یہ /ـہ ا// ـے / بن جاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم آج کل تحریر میں اس کا اظہار نہیں کرتے۔ یعنی ہم لکھتے تو ہیں: "لب و لہجہ سے" لیکن بولتے ہیں "لب و لہجے سے" غم و غصہ (غم و غصے) کا یہ عالم ہے۔ وغیرہ قدیم کتابوں میں ایسی صدہا مثالیں ہیں جن میں بول چال

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ) اس سلسلے میں مولانا نے کچھ مثالیں بھی پیش کی ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

شیفتہ: روزِ غم میں کیا قیامت ہے شبِ عشرت کی یاد ؛ اشکِ خوں سے آ گئیں رنگینیاں صحبت کی یاد

حسرت: مے و مینا سے یاریاں نہ گئیں ؛ صرف پرہیزگاریاں نہ گئیں

تھے جو ہم رنگِ نازان کے ستم ؛ دل کی امیدواریاں نہ گئیں

کی پیروی میں اِ ـے لکھا بھی جاتا تھا۔ کچھ مثالیں درج ہیں:

"کلکتے میں آبِ ودانے کے زور سے آپہنچا" باغ وبہار صـ ۱۲

حیاں فکر وحیلے کا پیچھا کر...... امیدوار رہتے تھے۔ گنج خوبی صـ ۳۰۳

شربتِ غم وغصے کے زہر سے ملے ہوئے پیتا ہے۔ " صـ ۲۴۶

چلے ناز وغمزے کے آپس میں ہاتھ ــ سحر البیان

رات کو دیکھوں ہوں جب میں شمع ویرانے میں دھوم

حرف عطف "مع" کے ساتھ بھی یہی عمل ہوتا ہے۔

پہنچا جان عالم اور انجمن آرا کا مع توتے ملکہ مہر نگار کے ساتھ، فسانۂ عجائب صـ ۲۷۶

کسرۂ اضافت کی موجودگی میں بھی آخری آواز کو متصرف کرنے اور انھیں تحریر میں ظاہر کرنے کی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً:

شعلۂ محبت مجمرِ سینے میں بھڑکنے لگا۔ فسانۂ عجائب۔ صـ ۲۸۷

اہلِ لشکر کو تپِ لرزے کا عالم تھا۔ " صـ ۳۱۲

پایا ہر ایک بات میں اپنے میں یوں تجھے ؛ معنی کو جس طرح سخنِ عاشقانے میں[1] سودا

جدید ادب سے مثال

متنِ قصے کے علاوہ سرورنے فقروں اور ترکیبوں میں بھی تبدیلیاں کی ہیں۔ اطہر پرویز، فسانۂ عجائب ــ

حرف جار کے ساتھ جمع میں لڑکا لڑکے بنتا ہے۔ اور لڑکے لڑکوں ــ اسی طرح بیل (جو حرف جار استعمال نہ ہو تو "بیل" ہی رہتا ہے۔ لیکن حرف جار کے استعمال کی صورت میں جمع میں) بیلوں بنتا ہے۔ اردو میں متفرس عربی وفارسی الفاظ کے ساتھ بھی یہی عمل ہوتا ہے ــ انڈہوں نے ــ بچوں کو؛ غموں سے۔

---

[1] اس "اردو دانہ" استعمال پر سودا پر اعتراضات بھی کیے گئے تھے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے آبِ حیات اور معائبِ سخن (حسرت موہانی)

جمع میں یہ تصریفی لاحقہ مونث اسما میں بھی بڑھایا جاتا ہے جیسے "لڑکیوں نے" کی
طرح، سختیوں نے، گرمیوں سے، ہواؤں کا وغیرہ

جس طرح اردو میں اگر مونث اسما کے آخر میں /-ا/ ہو تو حرف جار استعمال کرنے
کے بعد بھی /-ا/، /-ے/ نہیں بنتا۔ جیسے گھٹا سے / کو / پر تک یہی عمل مفرس عربی و فارسی مونث
دخیل الفاظ پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے ادا سے، بلا کو، جس طرح جمع میں حرف جار کے استعمال
کے بعد گھٹا، گھٹاؤں (سے، پر) بنتا ہے۔ اسی طرح مفرس عربی دخیل مونث الفاظ بھی جیسے
اداؤں سے، بلاؤں کا (اس کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا۔)

جس طرح اردو میں /-ا/ پر ختم ہونے والی صفت جمع میں /-ے/ میں منصرف
ہو جاتی ہے۔ اچھا آدمی — اچھے آدمی — اچھے آدمیوں نے؛ یہی عمل مفرس عربی فارسی
دخیل الفاظ میں /-ا/ (یا ہائے مختفی / تائے مدورہ) پر ختم ہونے والی صفت میں بھی ہوتا ہے،
جیسے گندہ آدمی — گندے آدمی — گندے آدمی نے / آدمیوں نے۔ مثالیں آدھے خرما میں
زہر ملا، آدھے سادے — رکھ طباق بھر لائی۔ کربل کتھا ص ۹۶
سفلے آدمی بخیل اور ممسک سے بھی بدتر ہیں — گنج خوبی ص ۲۵
کمینے اور رذالے لوگ جب مرتبے پر چڑھیں، سب طرح کے مال پر لالچ کریں۔ گنج خوبی ص ۲۵۹

مفرس عربی و فارسی کی بعض صفات ایسی ہیں جن کے آخر میں اہل اردو نے
/-ا/ کا اضافہ کیا ہے۔ جیسے بعض سے بعضا (بعضا آدمی ایسا ہوتا ہے کہ — قصہ مہر افروز و دلبر ص ۲۱۸
فلاں سے فلانا۔ یہ بھی جمع میں منصرف ہو جاتے ہیں۔ جیسے بعضے لوگ — بعضے بادشاہ —
بعضے بادشاہوں کو جو غفلت ہوتی ہے۔ گنج خوبی ص ۱۸۵)

اگر وہ بطور اسم استعمال ہوں تو حرف جار کے اثر سے بعضوں اور فلانوں بھی بن
جاتے ہیں۔ بعضوں نے ایسا کہا ہے کہ — کربل کتھا ص ۸

اگر /-ا/ پر ختم ہونے والی صفت — مونث موصوف کے ساتھ استعمال ہو تو
-ی میں تبدیل ہو جاتی ہے — اچھی عورت۔ اسی طرح مونث موصوف کے ساتھ /-ا/ پر
ختم ہونے والی مفرس عربی یا فارسی صفت بھی -ی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ گندی عورت

وہ اردو مذکر اسما جن کے آخر میں کوئی مصوتہ نہ ہو۔ یا صرف مصوتہ /ـُ دا/ ہو تو ان کی جمع میں کوئی تصریفی لاحقہ بڑھایا نہیں جاتا۔ جیسا کہ اوپر کی مثال نمبر ۲ میں بتایا گیا ہے۔ ایک بیل، دو بیل، ایک ڈاکو دو ڈاکو، لیکن جمع میں حرف جار کے ساتھ استعمال ہونے کی صورت میں ان میں /ـِ وں/ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ جیسے بیلوں نے، ڈاکوؤں سے؛ مفرس عربی و فارسی کے اس قسم کے دخیل الفاظ پر بھی یہی عمل ہوتا ہے۔ مثلاً:

میں سب حجیوں کا ثواب تمھارے پاس پہنچاتا ہوں۔ گنج خوبی صہ ۴۸

خدا پرستوں اور صاحب کمالوں کی تعریف کیا کریں۔ " صہ ۲۶۷

ہم سب ایسے یاوہ گوؤں کو اپنے شہر میں رہنے نہیں دیتے، آرائش محفل صہ ۱۷

قدیم اردو میں اگر ایسے الفاظ کے درمیان واؤ عطف ہوتا تو بھی آخر میں /ـِ وں/ بڑھاتے تھے۔ جیسے

وحوش وطیوروں تلک بے خلل ؛ پڑے آشیانوں سے اپنے نکل۔ سحر البیان

ضعیف و زیر دستوں کو شفقت و رحمت سے لحاظ کرے۔ گنج خوبی صہ ۱۵

مع کے ساتھ: اس وسیلے سے مجھے مع وابستوں فراغت ہو جائے گی۔ " صہ ۲۸

کسرۂ اضافت کے ساتھ: اپنے زمرۂ کنیزوں میں مجھے سرفراز کرو۔ فسانۂ عجائب صہ ۲۳۱

اردو میں اسما کی عربی جمع مکسر بھی بلا تکلف استعمال ہوتی ہے۔ اردو کا موجودہ مزاج یہ ہے کہ اس طرح کی عربی جمع میں حرفِ جار کے استعمال کے بعد جمع کے تصریفی لاحقے (ـِ وں) کا اضافہ نہیں کرتے جیسے امرا نے کہا۔ بجائے امراؤں نے کہا۔ غربا کی مدد کرو، بجائے غرباؤں کی مدد کرو۔ لیکن قدیم اردو میں عربی جمع مکسر کے بعد بھی /ـِ وں/ کا اضافہ کرتے تھے جیسے اصحابوں نے عرض کی ...... گنج خوبی صہ ۱۳

.... ظاہری اسبابوں سے صاف کرے۔ گنج خوبی صہ ۱۴

کچھ عربی جمع مکسر اردو میں بطور واحد استعمال ہوتی تھی۔ جیسے: سلاطین [1]

---

[1] قلعہ معلیٰ میں بقول سرسید 'سلاطین' واحد مستعمل تھا۔

امرا[۱]، اولیا[۲]، مشائخ[۳]، ابرار[۴] وغیرہ، جمع میں حروف جار کے بعد ان کے آگے بھی اں / وں
بڑھا دیا جاتا تھا۔

مستعار افعال

اب ہم مفرس عربی و فارسی دخیل افعال میں صرفی تصرفات کا ذکر کریں گے۔

افعال میں عاریت کا عمل بہت کم ہوتا ہے۔ لیکن جس طرح فارسی نے کئی عربی الفاظ سے نئے نئے افعال ڈھالے ہیں۔ جیسے رقص سے رقصیدن، فہم سے فہمیدن، طلب سے طلبیدن وغیرہ، اسی طرح اردو نے بھی مفرس عربی و فارسی الفاظ سے کئی نئے نئے فعل تراشے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ (اول) فارسی افعال سے۔

خریدن ۔ خریدنا؛ لرزیدن ۔ لرزنا؛ فرمودن ۔ فرمانا؛ آزمودن ۔ آزمانا؛ تراشیدن ۔ تراشنا؛ چریدن ۔ چرنا؛ ترکیدن ۔ ترکنا؛ گزشتن کے امر گزر سے گزرنا؛ درگذشتن ۔ درگزرنا؛ درآمدن ۔ درآنا (درانا اسی سے بنا ہوگا) گزارنیدن ۔ گزراننا (ہر ایک نے مبارکباد کی نذریں گزرانیں۔ گنج خوبی صہ ۹۔ خواصوں نے خواجہ سراؤں نے جا۔ کئی نذریں گزرانیاں اور کہا۔ سحرالبیان) گردانیدن ۔ گرداننا؛ غرانیدن ۔ غرانا؛ راندن ۔ راندنا؛ بخشیدن ۔ بخشنا؛ ورغلانیدن ۔ ورغلانا۔

(دکنی میں آزاریدن سے آزرنا، اندیشیدن سے اندیشنا؛ جنبانیدن سے جنبانا؛ خمیدن سے خمنا

---

[۱] اور ایک امراس گھڑی حاضر تھا۔ گنج خوبی صہ ۱۲۳ [۲] بڑے ولی کو آج بھی اولیا کہتے ہیں جیسے نظام الدین اولیاء [۳] شاید مشائخ بھی بطور واحد مستعمل تھا۔ خواجہ عبدالرؤف عشرت نہیں لکھتے ..... انھوں نے ..... مشائخوں کو دھوم دھام سے مدعو کیا۔

[۴] میر انیس لکھتے ہیں ۔
زاہد ایسے تھے کہ ممتاز تھے ابراروں میں
عابد ایسے تھے کہ سجدے کیے تلواروں میں

اور نگاشتن کے امر نگار سے نگارنا بھی استعمال ہوتا تھا)

دوم: فارسی اسماء وصفات سے:

رنگ سے رنگنا (ممکن ہے کہ رنگ میدہ لواحق اللسانین ہو) گرم سے گرمانا، نرم سے نرمانا، شرم سے شرمانا (فارسی میں شرمیدن بھی ہے، لیکن اب متروک ہے) داغ سے داغنا، گم سے گنوانا (دکن میں گمانا آج بھی مستعمل ہے) سہم سے سہمنا۔

(ب) مفرس عربی

اخطار سے انطارنا، تجویز سے تجویزنا، ضد سے ضدیانا، کاہل سے کہلانا (معنی بیمار پڑنا)، بدل سے بدلنا، قبول سے قبولنا، بحث سے بحثنا، نظر سے نظرانا (نظر لگ جانے کے معنوں میں)، تحصیل سے تحصیلنا، منکر سے منکرنا (؟)، دفن سے دفنانا، کفن سے کفنانا؛ خرچ سے خرچنا، قہقہے سے قہقہانا (ٹونے ہوائی سنگ کہیں قہقہاتے ہیں۔ نظیر اکبر آبادی)

جب اردو نے یہ افعال اپنا لیے تو ان میں زمانے کے اظہار کے علاوہ فاعل یا مفعول کی جنس و تعداد ظاہر کرنے کے لیے وہ وہی تصریفی لاحقے بلا تکلف استعمال کرنے لگی جو دیگر تمام ہندی الاصل افعال کے ساتھ کرتی ہے۔ جیسے وہ شرمایا، وہ شرمائی، وہ شرمائے، وہ شرمائیں، تو شرماتا ہے، تم شرماتے ہو، تو شرماتی ہے، ہم شرمائیں گے، تو شرمائے گی، وغیرہ

اشتقاقی (سابقے اور لاحقے)

DERIVATIONAL AFFIXES

اب تک ہم نے تصریفی لاحقوں (INFLECTIONAL SUFFIXES) سے بحث کی ہے۔ اب اشتقاقی سابقوں اور لاحقوں سے بحث کی جائے گی۔ پہلے اشتقاقی لاحقے لیجیے، اردو نے اشتقاقی لاحقوں کی مدد سے لفظ سازی کے سلسلے میں جو تصرفات مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ میں کیے ہیں۔ انھیں ہم دو حصوں میں تقسیم کریں گے۔

(الف) مفرس عربی و فارسی کے ساتھ ہندی الاصل اشتقاقی لاحقوں کا استعمال، اور

(ب) ہندی الاصل اور مورد الفاظ میں فارسی اشتقاقی لاحقوں کا استعمال

(الف) اردو میں وہ ہندی الاصل اشتقاقی لاحقے جن کی مدد سے مفرس عربی فارسی دخیل الفاظ میں اشتقاق ہوتا ہے۔ حسب ذیل ہیں:

(۱) پن۔ پنا۔ پا۔ اس لاحقے کا سلسلہ سنسکرت [illegible] اور [illegible] سے جوڑا جاتا ہے جو پراکرت میں بالترتیب [illegible] اور [illegible] ہے اور اردو میں "پا" اور "پن" میں تبدیل ہو گئے[1] اردو میں موٹا سے موٹاپا (مٹاپا)، بوڑھا سے بڑھاپا اور لڑکا سے لڑکپن میں یہ لاحقے ملتے ہیں۔ اردو نے اس اشتقاقی لاحقے کو مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ کے ساتھ بڑی فراخدلی سے استعمال کیا ہے۔ اس کی متعدد مثالیں ہیں۔ جن میں سے چند یہاں درج کی جاتی ہیں: بچہ ۔ بچپن، مردانہ پن، زنانہ پن، دیوانہ پن، سادہ پن، کمینہ پن، لاابالی پن، بازاری پن، اجنبی پن، مصنوعی پن، بے ساختہ پن، شہدا پن، معشوق پن، احمق پن، بے فکرا پن، ناشکرا پن، ندیدہ پن، جوشیلا پن، بے دلا پن، سفلہ پن، مسخرا پن وغیرہ

پن کی جگہ 'پنا' بھی استعمال کرتے ہیں۔ شیطان پنا، بچپنا وغیرہ

(۲) ایلا [illegible] ہارنلی کے خیال کے مطابق اس کا تعلق پراکرت [illegible] سے ہے[2] پتھر سے پتھریلا اور گانٹھ سے گٹھیلا میں یہی لاحقہ ہے۔ یہ لاحقہ صفت بنانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ فارسی الفاظ کی مثالیں: رنگیلا، جوشیلا، زہریلا، خرچ (موزوں) سے خرچیلا، شرمیلا، نوک سے نوکیلا (تلفظ نکیلا) درد سے دردیلا، چرب سے چربیلا ۔ مفرس عربی نش سے نشیلا۔

(۳) ۔ی [illegible] اسے یائے تانیث کہا جاتا ہے۔ یوں تو فارسی میں بھی ایک لاحقہ ۔ی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ فارسی میں یائے تانیث نہیں ہے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ اس لاحقے کی اصل ہندی ہے۔ یہ سنسکرت کی ایک علامت تانیث

---

[1] ہندی بھاشا کا اتہاس۔ دھریندر ورما ایڈیشن ۱۹۴۹ء صفحہ ۲۴۰

[2] منقول از " " " " " صفحہ ۲۳۵

اکھی تج سے آیا ہے۔ جو پراکرت میں (ب) تج رہ گیا اور عمل اشباع سے /ـِ ی/ بن گیا۔
جیسے گھوڑا ــ گھوڑی ؛ لڑکا ــ لڑکی۔ مفرس عربی و فارسی سے کچھ مثالیں یہ ہیں۔
(الف) وہ الفاظ جن کے آخری مصوتے کی آواز (ــَـ ا) ہو۔
علیحدہ سے علیحدی - ہر ایک مراتب اس باغ کی قطعہ بندی علیحدی علیحدہ
پھولوں کی ہے (قصہ مہر افروز و دلبر ص ۱۹)
جدا سے جدی - ہر ایک کی گویائی اور بولی جدی جدی تھی۔ باغ و بہار ص ۱۳
مستانہ سے مستانی، صوفیانہ (صفت) سے صوفیانی
سفید سفید صوفیانی پوشاک - فسانۂ عجائب ص ۱۶۸
تازہ سے تازی، کمینہ سے کمینی ــ
کمینی ذات والے کو پالنا اپنی آبرو مٹانی ہے۔ گنج خوبی ص ۲۶۵
گندہ سے گندی، فلاں سے فلانی
فلانی مسجد کے دروازے پر جب پہنچے۔
شہزادی، حرام زادی، شریف زادی، فقیر زادی، استاد زادی
استاد زادی کی خانہ بربادی ہے ــ فسانۂ عجائب ص ۲۶۴
بندی، مرغی، بیگانی (بیگانی بھی) دیوانی (دوانی بھی) مردانی (مردانی وضع - مردانی عورت)
زنانی (زنانی پوشاک) مردہ سے مُردی، بیچاری (بچاری) ہمسائی، ختنی، تدیدی، بچی،
مصیبت زدی۔
یہ اسٹیشن پر کون مصیبت زدی جاتی ہے۔ فرہنگ آصفیہ ص ۴۹۲
(ب) : وہ الفاظ جن کے آخر میں مصمتہ ہو۔ اس میں تانیث کے لیے /ـِ ی/ کا اضافہ
کرتے ہیں۔ کبوتری، ناشرنی (اصل میں یائے لیاقت ہے۔ اردو میں بطور یائے
تانیث مستعمل ہے۔) بمعنی نالائق - مرغ آبی (فارسی کی یائے صفت، اردو میں یائے
تانیث) مرغابی - نور چشمی (فارسی لفظ میں عربی کی ضمیر متصل /ـِ ی/ کا اضافہ کر کے
اہلِ ایران "میرے نور چشم" کے معنوں میں استعمال کرتے تھے۔ یہ اہل ایران کا تصرف ہے۔

اہلِ اردو اس ا ـِ ی اکو یائے تانیث سمجھ کر 'بیٹی' کے معنوں میں استعمال کرنے لگے۔ اور نورِ چشم بیٹے کے لیے مختص ہو گیا۔ کبی (دکنی کبن)

(ج) : بے جان چیزوں کی تصغیر کے لیے بھی اہلِ اردو ـِ ی کا استعمال کرتے ہیں۔ مفرس عربی و فارسی الفاظ میں بھی اسے روا رکھتے ہیں۔

بقچہ (ترکی)۔ بقچی؛ کرتہ ۔ کرتی؛ شیشہ ۔ شیشی؛ پرچی، برجی، پیالی، کُجّا (کوزہ کا مورّد) سے کجی

(ح) : تانیث یا تصغیر کے لیے جس طرح ہندی الفاظ کے ا ـ ا / کو ا ـِ ی ا میں بدلتے ہیں۔ اسی طرح مورد الفاظ میں بھی یہی کرتے ہیں۔ رنگیلی، زہریلی، جوشیلی، شرمیلی نشیلی وغیرہ ہیں۔

(د) : ـِ ی کے استعمال سے نیا لفظ بنا لیتے ہیں، چرخ سے چرخی، برف سے برفی، قفل سے قفلی۔ پھر عملِ تقلیب سے قلفی، کنار سے کناری (گوٹا کناری)

(نوٹ: متعلق فعل زرا کو زری بھی بنا دیتے تھے ع کہا دیکھنے پاؤں اس کو زری۔ سحر البیان)

۴۔ اَن۔ اَین، نی اور ـَ انی۔ تانیث کے اشتقاقی لاحقے ہیں۔ ان کا ماخذ سنسکرت اشتقاقی لاحقے برائے تانیث آنی आनी ہے۔ جیسے भवानी, इन्द्राणी ہیں۔

(۱) : اِن

بعض اپ بھرنشوں سے ماخوذ ہند آریائی زبانوں اودھی اور جدید ہندی میں 'اِن' ہے جیسے ناگن لیکن اردو 'اُن' ہی ہے۔

ضدی سے ضدّن ۔ صالحہ ضدّن تھی۔ بے ادب نہ تھی۔ حیاتِ صالحہ، راشد الخیری؛ اعتباری (معتبر) سے اعتبارن ۔ جو کوئی تیری ہمراز ہووے اور اعتبارن ہووے اس کے تائیں بھیج۔ مہر از و زد لبر ص ۱۳۳

ساقی سے ساقن (معنوی تغیر کے بعد)۔ "اللہ اللہ ایک وہ زمانہ تھا۔ جب ساقنوں کے مزاج نہیں ملتے تھے۔ فرہنگ آصفیہ

کبابی (کباب بیچنے والا) سے کبابن، خونی سے خونن (پلیٹس ص ۴۹۷) غیبن،

(طلسمِ ہوشربا ، ریلیٹس صفحہ ۶۷) غضبی سے غضبن (یعنی عیارہ ۔ ریلیٹس صفحہ ۶۱)، حبشن ، ترکن ، (حبشنیں اور ترکنیں سرگرم ۔ فسانۂ عجائب صفحہ ۲۲۶) بھشتی (بہشتی) سے بھشتن خبطی سے خبطن ، تنبولی (تنبول کی اصل سنسکرت ہے ۔ فارسی میں مستعار دہیں سے اردو میں) سے تنبولن ، مالکن خاکروبن (فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں جلد ۱ صفحہ ۲۰۷) شیخ سے شیخن (شیخانی بھی) سقہ سے سقن ، بلاقن (وہ لڑکی جس کی ناک میں بلاق ڈالی جائے) لغات الہند)

عورتوں کے ناموں میں بھی یہی لاحقہ لگاتے ہیں ۔ جیسے امامن ، نصیبن ، کریمن ، بقاتن ، شبراتن امیرن وغیرہ ۔ بقول انشا

"جہلا کبھی پیار سے لڑکیوں کے نام بگاڑتے ہیں ۔۔ اور نور النساء کو نورن اور ظہور النساء کو ظہورن کہتے ہیں ۔[1]

محبوبن ۔ "پہلے اس کا نام نصیبن تھا ۔ آواز کے رس اور گانے کی خوبی سے محبوبن بن گئی ۔ دلی کی چند عجیب ہستیاں صفحہ ۲۸۳

شیرازی سے شیرازن (انشا لکھتے ہیں کہ "یہ فصحا کی زبان نہیں" اس پر تبصرہ کرتے ہوئے پنڈت کیفی تحتی حاشیے میں تحریر فرماتے ہیں" پالتو کبوتروں کی ایک قسم شیرازی کہلاتی ہے ۔ اس کی مادہ کو دلی میں شیرازن کہتے ہیں ۔ شاید اس خیال سے مصنف (انشا) نے انسانوں کے لیے یہ لفظ روا نہ رکھا ہو[2]) باورچن ، سردارن ، حلوائی (مورد) سے حلواین ۔

(ج) : نی کے اضافے سے

ترکنی ، حبشنی ، ازبکنی ، کشمیرنی ۔ باغ و بہار صفحہ ۵

عیار سے عیارنی ۔ "تب اس عیارنی نے کہا" ۔ مذہب عشق صفحہ ۱۱

کافر سے کافرنی ۔ ع میں کافرنی بنوں یا پوش سے دنیا کی آنکھوں میں جانا صاحب منقول از نور اللغات

---

[1] دریائے لطافت صفحہ ۲۴۵ [2] ایضاً صفحہ ۲۴۳

فقیرنی ۔ میں رنڈیا فقیرنی ہوں ــــ باغ و بہار صـ[۲۱۲]

غریبنی ۔ "حضور مجھ غریبنی سے کوئی چھین جھپٹ لے تو آپ کو ملنے نہیں ہیں بیا" (فرہنگ آصفیہ (۱) صـ[۱۹۵]

ہندو سے ہندنی (ہندوانی بھی) (فرہنگ آصفیہ صـ[۶۱۷]) دیونی، شیرنی، جادوگرنی، تحصیلدارنی، ملانی، مددگارنی (مددگار ASSISTANT کی بیوی) شاعرنی (وضع اصطلاحات) چوبدارنی، حجامنی، قوالنی، سقنی (ساقن بھی) نصانی (موزوں تر) قصائنی، مسلمانی، شیطانی، مستانی، (مستانی بھی)، باغبانی ــ نگہبانی کو گوشے میں باغبانیاں المست کھڑیں (فسانۂ عجائب صـ[۱۶۱])

(ج) : ۔انی کے اضافے سے

مغلانی، مہتر (معنوی تغیر کے بعد) سے مہترانی، نوکرانی، غیبانی (غیبی سے ۔ کلمہ تحقیر کے طور پر ۔ دیوی کے معنوں میں بھی)

(د) : کچھ لفظوں میں ۔ اصل لفظ میں تغیر کرنے کے بعد مذکورہ بالا اشتقاقی لاحقوں میں سے کوئی لاحقہ جوڑا جاتا ہے ۔ جیسے حاجی سے حاجن کے بجائے حجن (حجن بھی) استاد سے استادنی کے بجائے استانی، سید سے سیدانی، داروغہ سے درو غن

(ہ) : ـُـو :

ہارنلی کے قول کے مطابق یہ لاحقہ سنسکرت حالیہ ہے یا اس میں ہیمل ک کے اضافے سے یعنی [illegible] سے ماخوذ ہے ۔ پراکرت میں سنسکرت [illegible] سے [illegible] بن جاتا ہے ۔ جیسے سنسکرت [illegible] پراکرت [illegible] جو اردو میں آکر کھاؤ ([illegible]) بنا ۔ بقول چٹرجی یہ لاحقہ سنسکرت [illegible] سے بنا ہے ۔ (کاٹنگ بھاؤک) بہرحال اردو میں اس لاحقے کو محض عربی و فارسی الفاظ سے جوڑ کر نئے لفظ بنائے گئے ہیں ۔ جیسے غرضو (غرض مند، خود غرض)

غرضو آدمی جھوٹ موٹ خیر خواہی کے دعوے کرتے ہیں ۔ گنج خوبی صـ[۲۴۶]

دیدارو، بازارو، وغیرہ

(۶) : ـ الو

اس کا ماخذ سنسکرت تت سم لاحقہ ـ الو ہے ۔ اردو مثالیں جھگڑالو، رگڑالو،
دکنی میں فارسی لفظ رشک کے ساتھ اس لاحقے کا استعمال ہماری نظر سے گزرا
ہے ۔ رشکالو ۔

خدا تھے بڑا کوئی رشکالو نہیں ۔ شمائل الاتقیا ۔ میران یعقوب)

اس لاحقے کی اور مثال نہیں ملی ۔

(۷) ـ اہٹ

بقول ہارنلی، اس لاحقے کا تعلق سنسکرت اسما वृत्ति वृत्त वात سے ہے ۔
جو پراکرت میں वट्ट یا अट्ट ہو جاتے ہیں ۔ بیمز کا قیاس ہے کہ یہ سنسکرت वृत्
یا आवृत् سے نکلا ہے ۔[1] اردو میں اس اشتقاقی لاحقے کا استعمال اکثر پراکرت
الاصل الفاظ میں ہوتا ہے ۔ جیسے گھبراہٹ، سرسراہٹ، مسکراہٹ، آہٹ،
کسماہٹ وغیرہ میں چند مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ میں بھی اس لاحقے کا
استعمال ہوا ہے ۔

عمدہ سے عمداہٹ ۔ شہر کے لوگوں کا عمداہٹ ۔ قصہ مہر افروز دلبر
نرم سے نرماہٹ، گرم سے گرماہٹ (معنی شوخی و شرارت)

(۸) : ـ یا ـ इया

ـ یا ـ یا इया سنسکرت تت سم इका یا इका سے ماخوذ بتایا جاتا ہے[2]
اردو کے مندرجہ ذیل مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ میں یہ لاحقہ ملتا ہے ۔
جلیا ۔ کابل میں دو جلیے گرفتار ہوئے ۔ فسانہ آزاد صـ ۲۱
کبابیا ۔ (بقول اثر لکھنوی کبابی اور کبابیے میں یہ فرق ہے کہ دکان پر بیٹھ کر بیچنے
والا کبابی ہے اور پھیری لگا کر بیچنے والا کبابیا ۔ فرہنگ اثر

---

[1] ہندی بھاشا کا اتہاس صـ ۲۳۳ [2] ایضا صـ ۲۳۴

خربوزیا۔ ایک خربوزیے کنکوے سے ہم نے کوئی تودیں کے قریب کاٹے (خلاصہ فسانۂ آزاد صفحہ ۱۳۳) سیمابیا۔ (کبوتر کی ایک قسم ۔ فسانۂ عجائب صفحہ ۱۱۳) ربابیا، سرودیا (فسانۂ عجائب صفحہ ۱۶۱) بالشتیا (جسے بالشتیہ لکھتے ہیں) آتشکیا (جسے آتشک کی بیماری ہو۔)

(۹) : ڑا

یہ پراکرت میں 'ڈا' تھا۔ اردو میں یہ تصغیر کے لیے (جیسے بچھڑا) پیار کے لیے (مکھ سے جیسے مکھڑا، آنکھ سے انکھڑی) اور تحقیر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کا استعمال مفرس عربی و فارسی الفاظ کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ جیسے لنگ سے لنگڑا، جیر سے جبڑہ، شوم سے شومڑا (جو سمڑا/ سمڑی بھی بن جاتا ہے) شیخ سے شیخڑا، یہ 'ڑا' کبھی 'ٹ' سے بدل جاتی ہے۔ غلام سے غلمٹا۔

(۱۰) : ے ا صفت کا لاحقہ ہے۔ جیسے 'اندھا' اور 'بہرا' ہیں ۔ اہل اردو نے گرگ سے گرگا (معنوی تغیر کے ساتھ) اور لنج سے لُنجا بنالیا۔ کبھی کبھی یہ ے ا 'وا' میں تبدیل ہو جاتا ہے اور بالعموم تحقیر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کلوا، جوروا ۔ فارسی دخیل لفظ سے مرد ۔ مردُوا

سابقے

لفظ سازی میں بہت کم سابقے استعمال ہوتے ہیں۔ مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ کے ساتھ ہندی الاصل سابقوں کا استعمال اکا دکا مل جاتا ہے۔ جیسے نبخنا، پرشہر، پرمحلہ وغیرہ

(ب) : ہندی الاصل اور مورد الفاظ میں فارسی اشتقاقی لاحقوں کا استعمال

---

(۱) "ی" یہ اشتقاقی لاحقہ ہندی الاصل یائے تانیث "ی" سے مختلف ہے۔ یہ لاحقہ فارسی میں کثیر الاستعمال ہے اور چند عربی الفاظ کے آخر میں بھی اندرونی لاحقے کے طور پر پایا جاتا ہے۔ کچھ علمائے زبان جیسے ہارنلی، سنیتی کمار چٹرجی، گیلاگ، بیمز، شوکت سبزواری اور

ڈاکٹر دھریندر ورمانے اس لاحقے کا سراغ سنسکرت اور پراکرت میں لگانے کے سلسلے میں قیاس کے گھوڑے دوڑائے ہیں ۱؎ لیکن دراصل یہ اشتقاقی لاحقہ اپنی موجودہ یا قدیم امکانی شکل میں نہ تو سنسکرت میں پایا جاتا ہے اور نہ قدیم پراکرت میں۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ یہ لاحقہ شمالی ہند میں مسلمانوں کی آمد کے بعد فارسی سے ہندوستان کی عہدِ وسطیٰ کی اپ بھرنش پراکرتوں میں داخل ہو گیا ہو۔ اس قیاس کو تقویت اس بات سے بھی پہنچتی ہے کہ فارسی میں اشتقاقی لاحقہ اسم کیفیت بنانے کے لیے مختلف اجزائے کلام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے: (۱) صفت + ـِ ی ـ بزرگی، بلندی، پاکی، درازی، کوتاہی وغیرہ (۲) اسم حالیہ + ـِ ی جیسے روانی، شادانی (شادمانی) (۳) ان الفاظ میں جس میں پہلے سے کوئی اشتقاقی لاحقہ موجود ہو۔ جیسے گرفتاری، پرہیزگاری، عقلمندی، میزبانی، میہمانی، سردری، زرگری وغیرہ (۴) ان الفاظ میں جن میں کوئی اشتقاقی سابقہ ہو۔ جیسے بے خبری (بی خبری) ہم نشینی، پرکاری، ناتوانی وغیرہ (۵) اسم فاعل کے ساتھ جس کے آخر میں ا ـ/ ا ہو جیسے آشنائی، دانائی، رسوائی وغیرہ (۶) مرکبات میں جیسے تندرستی، سرگرانی، بزدلی جوانمردی (۷) واؤ عطف کے ساتھ جیسے بے سروسامانی (۸) علامت مصدرن کے ساتھ اسے یائے لیاقت کہتے ہیں جیسے دیدنی، گفتنی، سوختنی، گردن زدنی (۹) اگر کسی لفظ کے آخر میں ہائے مختفی ہو تو ـِ ی کی جگہ "گی" استعمال ہوتا ہے۔ جیسے بندہ ـ بندگی۔ زندہ ـ زندگی۔

فارسی میں یہ لاحقہ عربی دخیل الفاظ میں بھی جوڑا جاتا ہے۔ جیسے سلامت ـ سلامتی انتظار ـ انتظاری، نقصان ـ نقصانی ۲؎ خلاصی ـ فضولی وغیرہ

عربی میں ـِ ی یائے نسبتی ہے۔ اور یہ مشدّد ہے۔ مصرّی (مصر کا) علمّی (متعلق بہ علم) اسی طرح مکّی۔ مدنی، عیسوی وغیرہ کبھی آخر میں ـِ انی کا استعمال ہوتا ہے۔ جیسے: روح ـ روحانی اور ربّ ـ ربّانی۔ اسم فاعل قاض سے قاضی ـ فارسی میں عربی کے اکثر اسمائے

۱؎ تفصیل کے لیے دیکھیے: اردو زبان کا ارتقا صفحات ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۵۷ اور ہندی بھاشا کا اتہاس صفحہ ۲۳۴ ۲؎ صفحہ 54-55 PERSIAN INFLUENCE ON HINDI

منسوب بطور اسم فاعل یا صفت مستعمل ہیں۔ یاد رہے کہ عربی کے لاحقے اندرونی ہیں خارجی نہیں اردو نے اس باب میں فارسی کی تقلید کی ہے۔

اس لیے ہمارا قیاس ہے کہ یہ کثیر الاستعمال لاحقہ فارسی سے شورسینی اپ بھرنشوں میں ضرور داخل ہوا ہوگا۔ اور مالن سے مالی اور تیلک سے تیلی کا بننا بھی معرب فارسی کا اثر ہوگا۔ ہمارے قیاس کی تائید ڈاکٹر ہردیو بہری کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے:

"ـِی" (۱) یا ـ اَئی (۲ ، ۳) پر ختم ہونے والے اسما، فارسی الفاظ "شدنی" اور رسوا سے رسوائی کے طرز پر بنائے گئے ہیں... چٹرجی فرماتے ہیں کہ یہ دونوں لاحقے پراکرت کے آپکا (A P I K A) سے ماخوذ ہیں۔ لیکن یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ یہ لاحقہ (ہندی میں) نہ تو اس طریقے سے اور نہ اس مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ واضح طور پر فارسی سے مستعار ہے۔ (الف: میٹھا > مٹھائی؛ بڑا > بڑائی (ب) افعال: کرنا > کرنی؛ ہونا > ہونی؛ دھونا - دھلائی؛ سینا - سلائی ج: یہی لاحقہ اسم فاعل سے اسم کیفیت بنانے کے لیے کام میں لایا جاتا ہے۔ جیسے افسر > افسری؛ ڈاکٹر > ڈاکٹری[۱]۔ البتہ لفظ "دیسی" کے متعلق ان کا خیال ہے کہ یہ لفظ ممکن ہے देशीय سے ماخوذ ہو۔

اردو میں ایسے ہندی الاصل الفاظ کی کثرت ہے۔ جن میں یہ فارسی لاحقہ پایا جاتا ہے۔ خوف طوالت سے ہم انھیں قلم انداز کرتے ہیں۔ اور صرف ان مفرس عربی و فارسی الفاظ کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں جن میں یہ لاحقہ موجود ہے:

(۱) اسم یا صفت میں، اسے یائے زائدہ کہنا مناسب ہوگا۔ کیوں کہ اصل زبان کے متعلقہ الفاظ میں ان کا وجود نہیں۔ غلط سے غلطی تغیری معانی، رخصتی، طلبی، (معنوی تغیر کے ساتھ) حیاتی (بمعنی زندگی، دکنی میں) انکسار سے انکساری، تقرر سے تقرری

---

[۱] PERSIAN INFLUENCE ON HINDI . P. 55

ناراضی (بمعنی ناراض) - اگر وہ مجھ سے ناراضی ہو جائیں گے تو میں ڈرتا ہوں ۔ باغ و بہار صـــــ ۱۲۷ بہبود کی جگہ بہبودی ، خوشی (بمعنی خوش) ع خوشی پھرتے ہیں باغباں کیسے کیسے ۔ آتش اعتراضی (بجائے اعتراض) اعتراضی بادشاہ کے سے آزردہ نہ ہوئیے ۔ قصہ مہر افروز دلبر صـــــ ۲۳ یادگاری ، غمی ، دیر کی جگہ دیری ، مبارکباد کی جگہ مبارکبادی ، قدیمی وغیرہ

(۲) : اسم فاعل بنانے کے لیے ۔ ظلمی (بمعنی ظالم) ظلمی روحوں سے بھنڈا ہوتا ہے ۔ (دلی کی چند عجیب ہستیاں صـــــ ۱۰۲) ۔ غضبی (ایسے بچے دلی والیوں کی اصطلاح میں غضبی کہلاتے ہیں ۔ دلی کی چند عجیب ہستیاں صـــــ ۲۴۸) بدعتی ، خدمتی (بمعنی خدمت گزار) - ایک سید پوپلے تھے بڑے زندہ دل نہایت خدمتی (دلی کی چند عجیب ہستیاں صـــــ ۱۳۰) فسادی حمایتی ، کراماتی ، (گردجی تو کراماتی تھے ہی ۔ رسوم ہند صـــــ ۶۵) غرضی (خود غرض) (بی بی سب دھن کے غرضی ہیں (رسوم ہند صـــــ ۲۷) انکاری ، رشوتی (پس دیوان اعلیٰ خود رشوتی ہوا تو ۔ گنج خوبی صـــــ ۳۱۱) کار بار ی (سلطنت کے کار باری ۔ گنج خوبی صـــــ ۱۸۵) بانگی ، حلوائی ، قصائی (قصاب کا مورّد) خلاصی (خلاصی اور مسافر سب ریل سے اتر آئے تھے ۔ فسانہ آزاد جلد اول صـــــ ۴۹۳) ، سفری (بمعنی مسافر ۔ ع اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا ۔ میرؔ) مزاجی (بمعنی مغرور) شرابی (بمعنی شراب خور)

(۳) : اسم کیفیت بنانے کے لیے : مزیداری ، مختاری ، ضبطی ، اولیائی (محبوب الٰہی کی اولیائی کو پہنچنے والے سر کے بل ہی جاتے ہیں ۔ دلی کی چند عجیب ہستیاں صـــــ ۱۳۳) ، احمقی (اور چھوٹے کان نشان احمقی کا ہے ۔ قصہ مہر افروز دلبر) مغروری (بجائے غرور) اتنا مال و اسباب نہ دیجیے کہ مغروری سے کچھ نہ کر سکے " صـــــ ۳۶۴) مقلدی میں یہاں کے لوگ صاحب کمال ہیں ۔ فسانۂ عجائب صـــــ ۱۲۲) امرائی ۔ جتنا اسباب امرائی کا ..... پیدا کرے ... گنج خوبی صـــــ ۲۹۶) ملائمی (..... نشان نرمی اور ملائمی کا ہے ۔ گنج خوبی صـــــ ۱۹۳) شاباشی ، مضبوطی ، شیخی ، زبردستی ، بے غوری (ننھیال والوں کی بے غوری کے سبب تکلیف دہ ثابت ہو رہے ہیں ۔ دلی کی چند عجیب ہستیاں صـــــ ۲۶۸)

(۴) : صفت کے لیے : بستی ، خاختی ، بغلی (گھونسہ) مثلی (سزا یافتہ جیسے مثلی چور)

(۵) : اسم خاص کے طور پر: جمعراتی، رمضانی، شبراتی، بقاتی

ایک زمانے میں ـی کی جگہ "گی" کا استعمال کثرت سے ہوتا تھا۔ (حالانکہ فارسی قواعد کی رو سے اسم کیفیت بنانے کے لیے صرف ہائے مختفی کو گی میں تبدیل کرتے ہیں۔) ان میں سے اکثر اب متروک ہیں۔ البتہ کچھ الفاظ کا چلن آج بھی ہے۔ جیسے کرختگی ناراضگی، خفگی، علیحدگی، بے ضابطگی، بدمعاشگی، ادائیگی وغیرہ البتہ مہربانگی، لاچارگی حیرانگی اور محتاجگی وغیرہ اب قریب قریب متروک ہیں۔ دکنی میں بدا (وداع) سے بداگی (بمعنی رخصتی) آج بھی مستعمل ہے۔

اردو میں عربی سے ماخوذ لاحقہ "یت" بھی غیر عربی الفاظ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے شہنشاہیت، مادریت (اس کے عضو عضو سے مادریت پھوٹی پڑتی تھی۔ گئودان صد ۵۵۴) مردیت (ہمیں اپنی مردیت پر ذرا بھی بھروسہ نہیں۔ گئودان صد ۲۲) شہریت، یکسانیت چند اصطلاحیں جیسے: نرگسیت، بیکریت وغیرہ قبول عام کا درجہ حاصل کر چکی ہیں۔ کبھی کبھی صرف ت، کا استعمال ہوتا ہے۔ جیسے بادشاہت، سہولت کی جگہ سہولیت، شیطنت کی جگہ شیطنیت (شوبھا نے شیطنیت سے کہا۔ گئودان صد ۲۹۹) رسوخیت (بجائے رسوخ) بادشاہ سے بھی اس نے نہایت رسوخیت بہم پہنچائی تھی) (آرائش محفل صد ۵)

ہندی الاصل الفاظ میں بھی "یت" کا استعمال ہوتا ہے۔ جیسے رسائیت ("چاول ہیں نا بیچارے۔ سمن رسانیت سے بولی۔ ٹیڑھی لکیر صد ۵۹۶) اپنائیت (یہ لفظ اصل میں "اپنایت" ہے جس میں پراکرت الاصل لاحقہ "یت" ہے۔ جیسے پنچایت، لیکن اہل اردو نے عربی لاحقہ "یت" کے قیاس پر "اپنائیت" بنالیا۔

دوسرے لاحقے:

(۱) ـش: فارسی حاصلِ مصدر، کوشش، پوشش کے قیاس پر رہنا سے رہائش اور فہم سے فہمائش اردو میں بنایا گیا۔ فہمائش سے ایک عرصے تک ثقہ حضرات پرہیز کرتے رہے [1]

(تحتی حاشیہ دوسرے صفحے پر دیکھیے)

(۲) : ــــِین ہمہ لاحقہ وصفی ــ ِین (جیسے رنگ سے رنگین) کے قیاس پر اردو میں شوق سے شوقین بنایا گیا۔

(۳) : مند/وند ــ سنسکرت میں اس کا ہم معنی لاحقہ 'ونت' ہے۔ جیسے 'کلاونت' دکھنی میں مفرس عربی و فارسی الفاظ کے ساتھ ونت یا وند کا استعمال بھی ہوتا تھا جیسے فکر وند، ہوش ونتا، آس مند۔

(۴) : گر ــ فارسی لاحقہ "گر" دیسی الفاظ کے ساتھ ــ موچی گری ــ موچی گری۔۔۔۔ کر دگے! فسانۂ آزاد جلد اول صـ۲۳ ، گری کو گیری بھی بنا دیتے ہیں (جو ممکن ہے گرفتن کے امر "گیر" سے ماخوذ نہ ہو) دایہ گیری۔ ماما گیری

(۵) : کار ــ سنسکرت لاحقہ بھی کار ہے۔ جیسے کلاکار میں ـــ بین کار، کہانی کار، قلمکار (مورد) ـــ

(۶) : چی (ترکی لاحقہ) دیسی الفاظ کے ساتھ، ڈھنڈورچی، ایلچی، ڈفالچی، طبلچی، ڈھولچی، چراغچی (مورد) ــ وہ شخص جو مندر میں ہر وقت چراغ روشن رکھنے کی خدمت انجام دے)

(۷) : چہ ــ فارسی میں اسم تصغیر کا لاحقہ ہے ــ ہندوستانی فارسی میں چہ کی مدد سے باغیچہ بنایا گیا تھا۔ اردو نے اسے قبول کیا۔ دیچی میں چہ تانیث کے لیے چی بن گیا ــ کبھی تحقیر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ پٹھانچہ

(۸) : ستان ــ پرستان (فارسی میں یہ لفظ نہیں)

(۹) : دان ــ مفرس عربی و فارسی الفاظ کے ساتھ جو غالباً فارسی میں مستعمل نہیں جیسے حُسن دان (بمعنی سنگھاردان) آرام دان (چھوٹی سی پٹاری) تابدان، روشندان، خاصدان

ہندی الفاظ کے ساتھ : ارگجہ دان، پاندان، اگالدان، پھل دان، پھولدان، ہڈی دان

لہ (اگلے صفحہ کا تحتی حاشیہ : غالب ایک خط میں لکھتے ہیں۔ "نہائش کا لفظ میاں بدھا ولد میاں جما اور لالہ گنیشی داس ولد لالہ بھیرون ناتھ کا گھڑا ہوا ہے۔ میری زبان سے بھی کبھی تم نے سُنا ہے"؟ ادبی خطوط غالب صـ۱۷۱

بیسن دان ، تلادان (تلادانی بھی) چوہے دان (چوہے دانی بھی) مچھر دان (مچھر دانی بھی) کٹوردان (ڈھکنے والا برتن) نابدان ، پیک دان ، دھوپ دان (خوشبودار چیزیں جلانے کا برتن ، اس میں ـی کا اضافہ کر کے ، سرمے دانی ، نمک دانی ، راکھ دانی ، بچہ دانی ، ناس دانی ، جامہ دانی ، اچار دانی ، صابن دانی

فارسی ۔ عربی سابقے :

ہندی الاصل الفاظ کے ساتھ فارسی سابقے بھی مستعمل ہیں ۔ جیسے : بے بس ، بے چین بے ڈھنگا ، بے دھڑک ، بے سُرا ، بے کل ، بے لاگ ، بے سنگم ، بے سہارا ، بے آسرا ۔

ہم ۔ ہمجولی

نا ۔ ناسمجھ

عربی لا :۔ لاپتہ ، لاپروا ، لاچار

مرکبات :

اردو چونکہ جدید ہند آریائی زبان ہے اس لیے اس میں نہ صرف مرکبات کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں ۔ بلکہ یہ زبان مرکب سازی کی حیرت انگیز صلاحیت رکھتی ہے ۔ یہ اور بات ہے کہ اس صلاحیت کے پھلنے پھولنے کا بھرپور موقع اسے ابھی تک مل نہیں پایا ہے ۔ ہند ایرانی خاندان کی زبان فارسی میں بھی صدہا مرکبات پائے جاتے ہیں ۔ اسی لیے اردو نے اپنے رشتے کی زبان سے مرکبات کثیر تعداد میں قبول کیے ۔ یہی نہیں بلکہ مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ میں پیوندکاری بلکہ بخیہ کاری کر کے نئے نئے مرکبات کو اپنا لیا ۔ وہ لوگ جو اس لسانی تصرف کی اہمیت سے ناواقف ہیں خود اپنی زبان کی اس صلاحیت پر جس سے اظہار بیان کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں پابندی لگانے کی سعیٔ ناروا کرتے ہیں اور اس طرح کے گنگا جمنی مرکبات کو دُوغلے مرکبات کہہ کر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اس سے پہلے کہ ہم اردو زبان کی اس صلاحیت کا مختصراً جائزہ لیں یہ بتانا مناسب سمجھتے ہیں کہ مرکب سے کیا مراد ہے :

"مرکب دو یا دو سے زائد الفاظ پر مشتمل وہ مجموعۂ الفاظ ہے جو مجموعی طور پر ایک ہی خیال ،

تصور یا چیز پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً: بیل گاڑی، ڈاک گھر، ہاتھی دانت، جل پری وغیرہ اگر ہم مرکب کا مقابلہ مشتق سے کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ مشتق ایک لفظ پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی سابقہ یا لاحقہ جڑا ہوتا ہے۔ یا پھر عربی الفاظ کی صورت میں ان میں اندرونی تغیر ہوتا ہے۔ سابقے یا لاحقے کی پہچان یہ ہے کہ وہ تنہا جملوں میں استعمال نہیں ہوتے اور بالعموم مجہول الاصل ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف مرکب کا ہر لفظ بامعنی اور آزاد ہوتا ہے۔ مرکب کے دو یا اس سے زائد اجزا ہوتے ہیں۔ ہر جزو کو اصطلاح میں عضو (MEMBER) کہتے ہیں۔ مثلاً بیل گاڑی میں بیل ایک عضو ہے عضو اول اور گاڑی دوسرا عضو ہے عضو ثانی۔ بعض مرکبات ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے ایک عضو میں صوتی تغیر واقع ہوتا ہے۔ مثلاً پن چکی، (پانی + چکی) ہتھکڑی (ہاتھ + کڑی) وغیرہ میں، لیکن چونکہ ان کی اصلیت کا پتہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے اس لیے یہ سابقے یا لاحقے کے ذیل میں نہیں آتے۔ کیوں کہ سابقے اور لاحقے مجہول الاصل ہوتے ہیں۔

اردو کے ان گنگا جمنی مرکبات کا تجزیہ جن میں مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ کام میں لائے گئے ہیں دو لحاظ سے کیا جا سکتا ہے۔ (۱) صوتی (۲) صرفی۔ صوتی نقطۂ نظر سے ان مرکبات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے (۱) وہ مرکبات جن میں دونوں اعضا پہلو بہ پہلو ہوتے ہیں۔ جیسے 'جل پری' اور (ب) وہ مرکبات جس میں کسی عضو میں صوتی تغیر ہوا ہے۔ جیسے ہتھکڑی۔ صرفی لحاظ سے ان مرکبات کو مختلف اجزائے کلام یعنی اسما، صفات وغیرہ میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ تکرار بیجا سے بچنے کے لیے صرفی تقسیم کے تحت ہم نے (ب) کے تحت وہ مثالیں دی ہیں۔ جن میں صوتی تغیر ہوا ہے اور الف کے تحت وہ مرکبات رکھے ہیں جن میں کوئی صوتی تغیر نہیں ہوا ہے۔ جہاں (ب) کے تحت کوئی مثال نہیں وہاں انھیں الف اور ب میں تقسیم نہیں کیا ہے۔

اسما

(۱) : (الف) اسم + اسم = اسم

(اول) ایک عضو ہندی اور دوسرا مفرس عربی یا فارسی

گھر داماد، ڈاک منشی، چور بدن، چور دروازہ، چور بازار، چور محل، بھٹیاری سرا، کرن ریزہ (فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں جلد (۱) ص ۱۶۲) جل پری، کل پرزہ، پنچ فیصلہ، شہر بہار (ایک قسم کا ستار) امی جان، چچا جان (کنول زہ، نگینے کی بیٹھک کی زہ۔ فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں، جلد (۴) ص ۳۷) اونٹنی سوار، سانڈنی سوار، گدھے سوار، گھوڑے سوار، پٹہ سلامی

چھب تختی (عضو ثانی میں تصرف کے بعد)

(دوم) مفرس عربی فارسی + ہندی

حق بھینٹ (عہدہ داران مال کا ششماہی نذرانہ۔ فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں، جلد ۶ ص ۵۸) کمر کوٹ (مکان کے احاطے کی چہار دیواری جو کم تک اونچی ہو ایضاً (۱) ص ۴۳)، بازار چودھری، سبزی منڈی، آتش کھنڈ، چادر جوڑا (ایک قسم کی دوہری چادر) دلی کھنگر (چند ہی روز میں چوروں کے دلی کھنگر ہو گئے۔ فرہنگ آصفیہ) انجم جالی، کمر گڑھا (ہندو نابالغ بچے کی قبر، بچے کو جلاتے نہیں بلکہ دفن کرتے ہیں۔) بلبل ترنگ (ایک قسم کا ساز) اللہ میاں۔ لوگوں کے نام، جیسے فتح چند گلاب سنگھ وغیرہ شتر نال (چھوٹی توپ جو اونٹ پر لادی جاتی ہے۔) شہروں یا محلوں کے نام جیسے احمد نگر، شاہ گنج وغیرہ بال صفا

(سوم): دونوں مفرس عربی یا فارسی

بغل تکیہ، گاؤ تکیہ، عمر قید، حضور تحصیل (شاہی دفتر کے ذریعہ مالگزاری کی وصولی)

(ب) (صوتی تصرف کے بعد) گل تکیہ (گل "گال" میں صوتی تصرف کا نتیجہ) گزی گاڑھا (اصل فارسی لفظ گزینہ۔ ایک قسم کا موٹا سوتی کپڑا "نہ" حذف ہو گیا) نگ گھر (نگ نگینہ کا مخفف انگوٹھی کی وہ جگہ جہاں نگینہ بٹھاتے ہیں۔) کٹھ ملا۔ ٹکرہ گدا (ٹکڑا کا مخفف)، توشہ خانہ (اصل لفظ توشک تھا) خواص پرا (پرا۔ پورا کا مخفف ہے۔ محل کا وہ حصہ جو خواصوں کے لیے مختص ہو)

نوٹ: لفظ خانہ کے ساتھ کئی مرکبات اردو میں مستعمل ہیں۔ جن میں سے کچھ اول کے تحت آتے ہیں اور کچھ سوم کے۔

باورچی خانہ، لوہار خانہ، بالاخانہ، پاخانہ (ہندوستانی فارسی کی دین) مرغی خانہ، پاگل خانہ،

بھٹیار خانہ، چھاپہ خانہ، بھنڈے خانہ (حقے کا سامان رکھنے کا حجرہ) کباڑ خانہ، جواخانہ، مدک خانہ، کوڑا خانہ (سامنے کا گھر کوڑا خانہ بنا ہوا تھا۔ ٹیڑھی لکیر صفحہ ۱۴۲) گنجی خانہ (اناج کا کوٹھا، گھاس رکھنے کا مقام) چور خانہ، بگی خانہ، رنڈی خانہ، ڈاک خانہ، ٹپہ خانہ (حیدرآباد میں مستعمل) پنڈت خانہ (وزیر کو پنڈت خانے میں لے جاؤ۔ باغ و بہار صفحہ ۱۱۹) چینی خانہ، پھانسی خانہ (اندھا کنواں تہہ خانہ، کال کوٹھری، مرتب کربل کتھا) مورت خانہ، کلال خانہ، ناڑی خانہ، ہاتھی خانہ، چانڈو خانہ، بھنگڑ خانہ، گاڑی خانہ

(۲) : ہم معنی اسما۔ اسم + اسم

(اول) : دونوں مفرس عربی و فارسی

ادب قاعدہ، تحصیل وصول (یہی تحصیل وصول کی بات تھی گئو دان صفحہ ۲۳) کلمہ کلام (کلمہ کلام ہونے لگا۔ باغ و بہار صفحہ ۲۳) لعنت ملامت، صلح مشورہ، بندہ بشر، پاک صاف تن بدن، دنیا جہان، صورت شکل، تن بدن، تواضع مدارت، مرد آدمی (مرد آدمی اگر روپیہ ہی بچانے کی خواہش تھی تو یہ دعا کیوں نہ مانگی۔ فسانۂ آزاد صفحہ ۶۲) مال متاع (متاع کو متا بھی کہتے ہیں) سیر تماشا، آل اولاد، علاج معالجہ، حصہ بخرہ، زور زیادتی، زور زبردستی، طور طریقہ، عرض معروض، خراب خستہ، (شہر کے باہر ننگے منگے خراب خستہ باہر بیٹھے ہیں۔ باغ و بہار صفحہ ۱۳۹) دوست آشنا، یار آشنا، دوست یار، نوکر چاکر۔

(دوم) : ہندی + مفرس عربی و فارسی اور مفرس عربی و فارسی + ہندی

بو باس (بعضوں کا خیال ہے کہ 'باس' فارسی الاصل ہے واللہ اعلم) دیوانہ باولا، موج لہر (لہریے دار ریشمی کپڑا) لال سرخ، پیلا زرد، کپڑا لتہ (غالب لتہ کو فارسی سمجھتے ہیں یا توافق اللسانین کے ذیل میں شامل کرتے ہیں) جوڑ بند، سڑی سودائی، رانڈ بیوہ، شادی بیاہ، راہ باٹ، بھینٹ ملاقات، ضلع جگت، قصہ کہانی، رشتہ (مورد) ناتا، گوڑ گڑھا گانٹھ گرہ (گانٹھ گرہ میں کوڑی نہیں۔ فسانۂ آزاد) بانٹ بجری، ٹھٹھا مذاق، ٹھٹھا مسخری، گلی کوچہ، پیار محبت، (اسے پیار محبت بھی کہتے ہیں) بال بچے، دکھ قلق (دہی ہجر کے دکھ قلق اٹھاتا ہے۔ فسانۂ عجائب صفحہ ۲۰) باغ باڑی (باغیچہ جس میں پھول اور ترکاری کے پودے

اگائے جائیں۔ فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں (٦) صـ۱۲۸) ہنسی خوشی وغیرہ

ہم معنی اسما کے ذیل میں ایسے مرکبات بھی شامل کیے جاسکتے ہیں۔ جو اگرچہ ہم معنی نہیں ہیں پھر بھی مفہوم کے اعتبار سے متجانس ہیں۔

(اول): ہندی + مفرس عربی وفارسی اور مفرس عربی وفارسی + ہندی

مرہم پٹی، دانہ پانی، ساز سنگیت، رنگ روپ، ناچ رنگ، راگ رنگ، ناک نقشہ

(دوم): دونوں مفرس عربی وفارسی

نان کباب، گور کفن، روزے نماز

(مزید مثالیں حذفِ واوِ عطف کے تحت دیکھی جائیں)

(۳) : اسم + اسم ۔ تکرار (REDUPLICATION.)

فارسی میں اسم کی تکرار سے کثرت کا اظہار ہوتا ہے۔ جیسے موج موج، فوج فوج، پیچ پیچ، گرہ گرہ، اردو نے اس طرح کے مرکبات کو قبول کرکے اپنا دامن وسیع کیا ہے۔

کچھ فارسی مرکبات میں تکرار لفظی کے درمیان مصوتہ /ا/ ہوتا ہے جیسے بر+بر= برابر؛ سر+سر= سراسر؛ لب + لب = لبالب، ممکن ہے اس کے قیاس پر اردو نے غٹاغٹ اور چٹا چٹ بنالیا ہو۔

کبھی حرف 'بہ' کا درمیان میں استعمال کرتے ہیں۔ جیسے تو بہ تو، نو بہ نو، تازہ بہ تازہ، کو بہ کو، دم بہ دم، اہل اردو اس حرف 'بہ' کا استعمال ہندی الاصل الفاظ کے درمیان بلا تکلف کرتے ہیں۔ جیسے گاؤں بہ گاؤں، دن بہ دن (روز بروز کے قیاس پر۔ دن بہ دن دبلے اور ضعیف ہونے لگے۔ گنج خوبی صـ۲۱۳) گلی بہ گلی (گلی بہ گلی چھاپے خانے ہیں — فسانۂ آزاد جلد (۱) صـ۵۶۲)

بہ کی جگہ بے یا بن بھی استعمال کرتے ہیں۔

وقت بے وقت، ناحق بن ناحق (ناحق بن ناحق کسی کے طعنے سننا۔ فسانۂ آزاد جلد (۱) صـ۵۶۰)

تاکید وزور کے لیے اردو میں ے-وں کا بھی اضافہ کرتے ہیں (جیسے راتوں رات) فارسی الفاظ کے ساتھ بھی یہ عمل ہوتا ہے جیسے شاموں شام۔

اردو میں مفرس عربی الفاظ میں تکرار لفظی کی ایک ایسی قسم ہے جس میں دوسرے لفظ (عضو ثانی) میں پہلے لفظ (عضو اول) کی عربی جمع سالم یا جمع مکسر ہوتی ہے، جیسے:

خیر خیرات؛ فرش فروش؛ امیر اُمراء؛ حال احوال؛ غریب غرباء؛ تحفہ تحائف؛ رسم رسومات (سب رسم رسومات کر کے فارغ ہوئے۔ باغ و بہار صـ۲۱۹) خط خطوط — (باغ و بہار صـ۲۹) حاکم حکام (گئو دان صـ۱۴۲)

اردو میں کبھی کبھی تکرار لفظی کے درمیان مصمتہ /م/ کا اضافہ ہوتا ہے۔ جیسے لٹھم لٹھا، دھکم دھکا، اس قیاس پر مفرس عربی و فارسی پر مشتمل مرکبات میں بھی /م/ کا استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کشتم کشتا، ضدم ضدا۔

چھینا جھپٹی کے قیاس پر مفرس عربی فارسی مرکبات — بحثا بحثی، گرما گرمی، شرما شرمی، نصفا نصفی۔ کبھی دو مختلف الفاظ بھی ہوتے ہیں، ٹھکا فضیحتی (فضیتی) دھینگا مشتی، شرما حضوری

تکرار لفظی کی ایک قسم وہ ہے جس میں عضو اول یا ثانی تابع مہمل ہوتا ہے۔ جیسے آس پاس، روٹی ووٹی، کپڑا وپڑا۔ فارسی میں بھی یہی رجحان ہے، جیسے فلان (بہمان)، پیچ و پوچ، چادر مادر، سردی مردی، اسپ مسپ، اشتر مشتر وغیرہ۔ اردو مفرس عربی و فارسی (دخیل) الفاظ کے ساتھ بھی تابع مہمل کا استعمال فراخدلی سے کرتی ہے۔ مثلاً

(۱) : اردو میں عضو ثانی کے ابتدائی مصمتے کو 'م' سے بدلتے ہیں جیسے عین مین، چہرہ مہرہ، طعنہ منہا

(۲) لفظ کو ابتدا میں /ے/ /ُ/ /ِ/ /ا/ /اُ/ /ا/ یا /ب/ سے بدل کر عضو اول میں استعمال کر کے اول بدل، اوج موج، اِرد گرد، الا بلا، ہیچ پیچ (ہیچ پیچ بھی) اغل بغل؛ داغل بغل (دو چپراسی۔ فسانۂ آزاد صـ۲۲۶) اُدنی مولی (دیہاتی ادنی مولی — میاں آزاد فسانۂ آزاد صـ۲۲۶) غیر سے ایرا غیرا

کبھی دونوں عضو بے معنی ہوتے ہیں۔ اول فول، الّم غلّم

(۳) : عضو ثانی کے ابتدائی صوتیے "س" سے بدل کر غلط سلط، علیک سلیک

وخت سخت، گم سم، برابر سرابر

(۴) : عضو ثانی کے ابتدائی مصمتے کو "و" سے بدلنے کی مثالیں کثرت سے مل جاتی ہیں۔ کچھ

تحریری مثالیں جن میں بول چال کی پیروی کی گئی ہے۔ درج ذیل ہیں:

تربیت یافتہ لوگ ساعت واعت ذرا تو مانتے نہیں۔ فسانۂ آزاد (۱) صـ۵۰۳

غبن دبن کیا ہوگا کم بخت نے۔ ٹیڑھی لکیر صـ۵۶

دیکھیے نادان وادان نہ بنائیے گا۔ فسانۂ آزاد (۱) صـ۲۲۴

سرکار قصہ وصہ کیا ہوتا تھا۔ دلی کی چند عجیب ہستیاں صـ۱۰۱

جمعے کے دن گوشت کہاں حلوہ دلوہ ہوگا۔ " " " صـ۲۷۳

عزت وزت خاک میں مل گئی۔ فسانۂ آزاد (۱) صـ۵۵۱

خطوط بھیجا کیجیے۔ " صـ۵۸۳

شہزادیوں وہزادیوں کے بھیر میں نہ پڑنا " صـ۶۰۱

جی نہیں ابھی شادی وادی نہیں ہوئی " صـ۵۸۶

آپ کے ہاں نسخہ وسخہ لکھوانے آئے۔ " صـ۵۷۸

حسن آرا فال وال کی قائل نہ تھی۔ " صـ۵۸۶

(۵) : عضو ثانی عضو اول سے مختلف لفظ ہوتا ہے۔ لیکن مہمل جیسے خوشامد برآمد۔

.... اور خوشامد برآمد کیا کرنا۔ باغ و بہار صـ۲۲۳

حیلہ حوالہ، سودا سلف، گپ شپ، تراش خراش، گالی گفتار، غل غپاڑہ،

غائب غلہ، نخرا تلّا،

.... مچھل بائی بھی نخرے تلّے کرنے لگی۔ باغ و بہار صـ۶۱

توبہ تلّا، بچے کچے، نوک جھونک وغیرہ

(۶) : صفت عددی + اسم = اسم

اول۔ (الف) بارہ دفات، سہ پہر، دوپہر

(ب) فارسی میں صفت عددی کے بعد جو موصوف ہوتا ہے۔ اس میں ہائے مختفی کا اضافہ کرتے ہیں۔ جیسے صد سالہ، اردو میں بھی اس کی تقلید کی جاتی ہے۔ اردو میں موصوف 'سالہ' سے پہلے ہندی صفات بلا تکلف استعمال ہوتی ہیں، جیسے گیارہ سالہ، پندرہ سالہ، بارہ سالہ وغیرہ

دو دلہ۔ (دو دلہ ہونا ٹھیک نہیں۔ گنج خوبی ص۴۲)

چوپایہ (بجائے چہارپایہ) چوگوشیہ (ٹوپی) دو بالشتیہ، اک درہ، پنج درہ (پانچ محرابوں کا دالان۔ فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں (۱) ص۱۱

یوں تو اردو میں ہائے مختفی کا تلفظ / ے ا/ ہی ہوتا ہے۔ لیکن بعض الفاظ میں اردو میں ہائے مختفی کی جگہ / ے ا/ بھی لکھتے ہیں۔ جیسے دوراہا۔ چوراہا، تراہا، چومغزا، چوگلا، (چار پنکھڑی کا پھول) چوبغلا، تسالا (سہ سالہ گھوڑا) اک بیجا (ایک قسم کی پگڑی) اک تارا (ساز کا نام) کبھی عضو ثانی میں ہندی یائے تانیث کا استعمال کرتے ہیں، جیسے:

بارہ دری، تپائی، چارپائی، تیرہ تیزی (ماہ صفر)

(دوم): صفت ذاتی + اسم = اسم

بڑی فجر، دیوانی ہانڈی، ترلزالہ، اکڑے خان (اکڑو خاں بھی) ٹھنڈی گرمیاں (بیجا مذاق کے معنوں میں) نوتوڑ (غیر مزروعہ اراضی جو زراعت کے لیے پہلی مرتبہ کام میں لائی جائے۔) تل نظرا، تنگ نظرا، بدجانور، بدگوشت (زخم کا غیر معمولی طور پر بڑھا ہوا گوشت جس پر کھال نہ آئے اور نہ زخم بھرنے پائے۔ فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں (۷)، ص۱۱)، نو دولت (نودولتیا بھی) نوسکھیا، کچھے اشارے، گلابی جاڑا، کانا پردہ، لنکا حایوی (بیاہتا کے قیاس پر)

اس کے برعکس یعنی اسم + صفت ذاتی = اسم۔ جیسے بول بالا صوتی تصرف کے ساتھ لم تڈا، تھڑ دلا

(۵): حالیہ + اسم = اسم

لوٹن کبوتر، اڑن پردہ (پالکی یا ڈولی کا پردہ جو بوقت ضرورت پورا یا اس کا کچھ حصہ اٹھا دیا جائے۔ کہاروں کی اصطلاح - فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں (۵) صد ۱۴۷) اُٹھتی جوانی ــ

اس کے برعکس یعنی اسم + حالیہ = اسم - جیسے راہ چلتا

حالیہ ناتمام + اسم = اسم

پڑھا جن (ہوشیار آدمی) پڑھے جن ہو سمجھیں شیشے میں اتارنا کالے وارد ــ فسانۂ آزاد صد ۱۳)

(۶) : اسم فاعل

اسم + امر: کفن کھسوٹ، آفتاب چمن (منہ ہاتھ دھلانے والی خادمہ۔ فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں (۲) صد ۲۱) جیب کترا، نام لیوا، بلا چٹ، قلعی چٹ (ایسا برتن یا اس کا حصہ جس پر قلعی نہ چڑھے۔)

نوٹ: فارسی اور امر ترکیبی سے بننے والے اسمائے فاعل کی مثالیں آگے درج ہیں؛

(۷) : اسم کیفیت:

شربت پلائی، جان ماری، جنس پھیر، (تبادلۂ اجناس)

۲ : صفات - مرکبات توصیفی

اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں صفت (و اسم سے جو مرکب بنتا ہے وہ بطور اسم فاعل بھی استعمال ہوتا ہے اور بطور صفت بھی کچھ گنگا جمنی مرکبات حسب ذیل ہیں۔

(۱) اسم کی تکرار سے:

فارسی: لبالب، گوناگوں کے قیاس پر زرد ا زرد

• اب ان حضرت کی قطع ملاحظہ فرمایئے کہ از سرتاپا زرد از زرد، فسانۂ آزاد (۱) صد ۲۱۳

سر خا سرخ: جس طرف دیکھو سرخا سرخ گلِ لالہ کھلا ہے۔ " " صد ۴۲

(۲) اسم + اسم = صفت

• پر تیغ (صوتی تغیر کے بعد)

(۱۳)(۱) صفت + اسم = صفت

شیریں بچن، نیک چلن، خوش ڈول، بدڈول، بدذات، گراں ڈیل۔

(۲) صفت + اسم = اسم فاعل

ڈھلمل یقین، نیم ہٹو، کوڑھ مغز

(۳) اس کے برعکس یعنی اسم + صفت = صفت، کلے دراز، منہ زور

(۴) صفت عددی + اسم = صفت

پانچ سالہ، چوطرفہ (صوتی تغیر کے بعد) تماہی

(۵) صفت + صفت = صفت: اچھاخاصا، موٹاتازہ

(۶) فعل + فعل = صفت: زمنت گزشت کے قیاس پر گیاگزرا۔

(۷) حالیہ ناتمام + اسم = صفت: چلتاپرزہ، خدالگتی۔

(۸) حالیہ تمام + اسم = صفت: جلاتن - باوجود جلاتن آدمی ہونے کے مسکرائے۔ (دلی کی چند عجیب ہستیاں صن۲) بگڑے دل۔

اس کے برعکس: (اسم + حالیہ تمام) - دل چلا (منچلا کے قیاس پر)، سرکٹا، سرمنڈا، سرپھرا۔

(نوٹ: یہ مرکبات اسم فاعل کے طور پر بھی مستعمل ہیں۔)

(۹) اسم + فعل = صفت

جان توڑ (کوشش)، سرتوڑ (کوشش) دل پھینک، کمرتوڑ، گردن توڑ (بخار)

۳۔ متعلق فعل

کچھ گنگا جمنی مرکبات بطور متعلق فعل بھی مستعمل ہیں۔ صفت + اسم = کھلے خزانے لوک دم (بھاگنا)

اسم فاعل (جاری)

اب ہم ان گنگا جمنی مرکبات کا ذکر کریں گے جن کے آخر میں فارسی امر ترکیبی استعمال ہوتا ہے اور یہ مرکبات صفت یا / اور اسم فاعل کا کام کرتے ہیں۔ مولف وضع اصطلاحات

نے ان ادام ترکیبی کو غلطی سے 'لاحقے' قرار دیا ہے اور انھیں اردو میں لاحقے کہنے کا چلن بھی خاصہ عام ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ لاحقے نہیں ہیں[1]۔ ان مرکبات کی کثرت کے پیش نظر ان کا ذکر یہاں علیحدہ سے کیا جا رہا ہے۔ اردو میں ادام ترکیبی سے سینکڑوں مرکبات بنائے گئے ہیں۔ دار (داشتن کا امر)، باز (باختن سے)، پوش (پوشیدن سے)، بند (بستن سے)، کش (کشیدن سے) بردار (برداشتن سے)، کُش (کشتن سے)، فروش (فروختن سے) گیر (گرفتن سے)، خور (خوردن سے)، نشیں (نشستن سے)، وغیرہ

اردو نے 'باز' اور دار سے تو اتنے مرکبات بنائے ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ پھر بھی ہم نے زیادہ سے زیادہ مثالیں دینے کی کوشش کی ہے۔

باز کے ساتھ:

یہ عضو ثانی اظہار مہارت اور تحقیر دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

(۱) ہندی الفاظ کے ساتھ:

(اول) اگر ہندی لفظ کے آخر میں اِ ے/ا ہو تو مرکب میں یہ/ ے/ ا بن جاتا ہے۔ جیسے بٹے باز (بداری ٹھگ) بتے باز (بتے بازی زیادہ مستعمل ہے)، پٹے باز، پینترے باز، ٹھٹھے باز، چٹکلے باز، دھوکے باز، ڈھیلے باز(ی)، گلے باز، لونڈے باز، مینڈھے باز(ی)،

استثنا: قلاباز (قلے بازی نہیں کہتے)

(دوم) وہ ہندی الفاظ جن کے آخر میں اِ ے/ا نہ ہو

اٹکل باز، اڑی باز، افیم باز، اٹی باز (دغاباز۔ وضع اصطلاحات) بٹیر باز بندر باز (نٹ)، بین باز، بھگت باز (لڑکوں کو نچانے والا۔ وضع اصطلاحات)، پتنگ باز(ی)، پھکڑ باز، تلوار باز، ٹھٹر باز(ی) جگت باز، چانڈو باز، چلتر باز(ی) (چلتر بازیاں رہنے دیجیے۔ فسانہ آزاد (۱)، ص۱۹۷) چوسر باز، چہل باز، چھری باز، چھڑی باز، دل لگی باز۔ "سرکار بڑے دل لگی باز ہیں۔ گئودان ص۱۸۱) دھاندل باز، دھاندلی باز، رنڈی باز، لٹھ باز، لڑائی

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کی کتاب نئی اردو قواعد

باز (سپاہی) کبڈی باز (ڈیڑھی لکیر صفحہ ۵۳۹) کھلی باز (ی) گیند باز، لنگاوٹ باز (جان عالم بشرت لنگاوٹ باز تھا۔ فسانۂ عجائب صفحہ ۲۹۴)

(انگریزی الفاظ کے ساتھ بھی۔ لیکچر باز (ی) پارٹی باز (ی) وغیرہ)

(۲) :- مفرس عربی و فارسی یا مورد دخیل الفاظ کے ساتھ

(اول) /ـــا/ پر ختم ہونے والے الفاظ جو /ـــے/ میں بدل جاتے ہیں:

ضلع باز (ر) لے باز، طرّے باز، فقرے باز، گرہ باز (گرہے باز کبوتر کی ایک قسم) نخرے باز (نخیر فارسی لفظ ہے مرد فرمایہ دکمینہ) نشے باز

(دوم) وہ مورد فارسی اور فارسی الفاظ جن کے آخر میں /ـــا/ نہ ہو۔

آتشباز، چاقو باز، دمباز (دھوکے باز) کبوتر باز، شیخی باز، کشتی باز (ی) (اصل فارسی لفظ کشتی) کلغی باز، گنجفہ باز (ی)

بردار کے ساتھ:

(۱) ہندی الفاظ کے ساتھ

(اول) /ـــا/ پر ختم ہونے والے الفاظ جو مرکب میں /ـــے/ ہو جاتا ہے۔

بھنڈے بردار (حقہ پلانے والا) سانٹے بردار (ہاتھی کے نگہبانوں کا ایک گروہ' فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں (۵) صفحہ ۵)

استثنا: برچھا بردار، بھالا بردار، سونٹا بردار

(دوم) (۱) وہ ہندی الفاظ جن کے آخر میں /ـــا/ نہ ہو۔

بلم بردار، تپائی بردار، چرن بردار (ہندوستانی فارسی سے) - اگر کچھ تقصیر چرن برداری

لے "اہل فارس کی تصنیفات میں یہ لفظ نہیں پایا جاتا غالباً اہلِ ہند نے بنا لیا ہے۔ فرہنگ آصفیہ لیکن فرہنگ آنند راج میں یہ لفظ موجود ہے۔" آنکہ ہوائی وانار وگلریز دمانند آن بباز د توپ انداز راہم گویند" ممکن ہے یہ لفظ صرف ہندوستانی فارسی میں ہو۔ لیکن ایرانی فارسی میں ہرگز نہیں۔

میں ہوئی ہو تو ارشاد ہو۔ باغ و بہار صـ۲۰۴) ککڑ بردار (بمعنی بھنڈے بردار)

(۲) مفرس عربی و فارسی (مورد) لفظ کے ساتھ حصہ بردار

بند کے ساتھ :

ہندی الفاظ کے ساتھ :

بانا بند، بھالا بند بھیج بند (زیور کا نام)، پنڈلی بند (پنڈلیوں پر باندھنے کی پٹی)، ناڑ بند (ایک دوا کا نام)، ٹیک بند (ی) تلوار بند، ٹھاٹر بند (ی) چک بند (ی) (زمین کی حدبندی) چکلہ بندی (حدبندی) چھپر بند (چھپر بنانے والا)، چھری بند (بھائی) ۔ ہم پیشہ قصائی، دھوتی بند، ڈھٹ بندی (ڈھٹ، انگیچھ ۔ نظر بندی) ڈھولا بندی (کھیت یا زمین کی حدبندی) سیج بند وہ ڈوری جس سے پلنگ کی چادر کو پایوں سے کس کر باندھتے ہیں)، کوکھ بند (بانجھ کھٹ بند (ی)) (نغل بندی وضع اصطلاحات) منڈاسا بند (پگڑی پہننے والا)، ناک بند (گھوڑے کی لونی)

(۲) مفرس عربی و فارسی دخیل (مورد) الفاظ کے ساتھ :

بستہ بند (ساور جانے والے کپڑے کے تھانوں کی گٹھڑیاں باندھنے والا فرد در فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں (۲) صـ۵۳) حسین بند (انگوٹھی جو عاشورا میں بچوں کو پہناتے ہیں۔)، لنگی بند (فارسی لنگ سے ۔ سقوں کی برادری کا۔ فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں (۱) صـ۲۰۲)

(نوٹ : بھائی بند میں 'بند' فارسی لاحقہ نہیں بلکہ بندھو بمعنی بھائی کی بدلی ہوئی شکل ہے)

پوش کے ساتھ :

اُجلا پوش (بمعنی سفید پوش (کسی اجلے پوش کی شامت آئی تھی۔ دلی کی چند عجیب ہستیاں صـ۹۴) انگ پوش (گھوڑوں کے سوار سب زربفتی انگ پوش ہیں۔ قصہ مہر افروز دلبر صـ۲۳۵) بادلہ پوش، بسنتی پوش، پلنگ پوش، چنبل پوش (چلم کے گھبر پر ڈھانکنے کا جالی دار ڈھکنا۔ فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں صـ۹۸) کمبل یا کمل پوش، کھدر پوش، گدڑی پوش۔

خور کے ساتھ:

فارسی میں خور اور خوار دونوں مستعمل ہیں۔ لیکن بقول ہمایوں فرخ خور اسم مکان ہے۔ جیسے آبخور، آبشخور۔ اور پانی پینے کے مقام کو ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن اردو میں یہ دونوں ام مترادف ہیں۔ فارسی میں ام خوار کو خوارہ بھی بنا دیتے ہیں۔ جیسے غمخوارہ، میخوارہ وغیرہ اردو میں خور میں /ـا/ کا اضافہ کرکے خورا بنا دیتے ہیں۔

(اول) ہندی الفاظ کے ساتھ

خور۔ بیاج خور

خورا۔ بال خورا (ایک بیماری جس میں سر کے بال جھڑتے ہیں)، جوتی خورا۔ موئے جوتی خورے! شرم نہیں آتی فسانۂ آزاد (۱) ص۱۸۴ ، میل خورا (کپڑا)

(دوم) مفرس عربی و فارسی الفاظ کے ساتھ

خور۔ حرام خور، شیخی خور، ہوا خور (ی)

خورا۔ شیخی خورا، رنگ خورا (بینائی کا نقص جس کی وجہ سے گہرے اور ہلکے رنگ میں تمیز نہ ہوسکے۔ فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں جلد (۷)، ص۱۰۹)، گرد خورا (گاڑی کے پیچھے لگا ہوا پردہ جو چلتی گاڑی کے پیچھے اڑنے والی گرد کو روکے۔ فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں (۵) ص۱۴۱)

دار کے ساتھ:

(۱) ہندی الفاظ کے ساتھ:

(اول) اگر ہندی لفظ کے آخر میں /ـا/ ہو تو یہ مرکب میں /ـے/ بن جاتا ہے۔

آنکڑے دار، بٹے دار، لبوے دار (بڑے کاشت کار کے زیر دست کاشت کار)، پٹے دار (پٹے پر زمین لینے والا)، پلے دار (غلہ اٹھانے والا مزدور)، پٹھے دار۔ (ان کے بھرے ہوئے بازوؤں اور پٹھے دار رانوں سے ان کی قوت کا پتہ مل رہا تھا۔ گئو دان ص۱۳۶)، پہرے دار، پہیے دار (گاڑی) پھندنے دار (ٹوپی) توڑے دار (بندوق)، (توڑے دار کا یہ حال تھا کہ کندھا توڑے ڈالتا تھا۔ فسانۂ عجائب ص۲۱۳)، تھانے دار، ٹھکانے دار (وہ کیرا جو خدمت

گذاری کی موروثی یا مستقل جگہ رکھتا ہو۔ فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں (ر)، صـ ١٠١)،
ٹھیکیدار، جھبّے دار (وضع اصطلاحات) چھلّے دار، دھبّے دار، ڈیرے دار (طوائف)، ڈھکنے
دار (برتن)، روئے دار، ساجھے دار، کانٹے دار، کڑاکے دار (کڑاکے دار بولی۔ دلی کی چند عجیب
ہستیاں)، گتّے دار (حیدرآباد دکن میں ٹھیکیدار کو کہتے ہیں)، گنڈے دار۔ (بھائی کوئی چھ
سات برس بڑے مگر گنڈے دار پڑھائی۔ خلاصہ فسانہ آزاد صـ ١٣٤)، گوٹے دار (پگڑی)۔
(گوٹے دار پگڑی سر پر۔ طلسم ہوشربا)، گچھے دار (باتیں) لہریے دار (ٹیڑھی لکیر صـ ٦٦)، نلکے دار
کبھی کبھی / ہ ے / جمع میں / ے وں / بن جاتا ہے جیسے مرچوں دار (سالن)،
چتّیوں دار (ٹیڑھی لکیر صـ ٥)

(دوم) وہ ہندی الفاظ جن کے آخر میں / ا / نہ ہو۔

انی دار (جوتی)، باری دار (چوکیدار) (پروانگی، دربانوں اور باری داروں کو
دے رکھے۔ گنج خوبی صـ ١٦٧)

باڑھ دار، بال دار، باندار، برچھی دار، بل دار، بھٹی دار، بھڑک دار، پانی دار
(طاقت ور غیرت مند)

(گھوڑا پانی دار تھا، اڑا چلا جا رہا تھا۔ گئودان صـ ٣٣٣)

پٹی دار، پٹ دار (روشن دان)، پتی دار، پرت دار (پتھر)، پھلدار، پھلی دار (چھل)،
پھولدار، ٹاپ دار (آواز)، ٹوپی دار (بندوق)، ٹونٹی دار (لوٹا)، جالی دار، جوڑی دار، جھاگ دار،
جھالر دار، جھلملی دار (کواڑ)، جھولدار، جیتّی دار (داغدار)، چمکدار، چوڑی دار، (پاجامہ، پگڑی)
۔ (چوڑی دار پگڑی باندھے۔ فسانہ عجائب صـ ٢٢٤)، چوکیدار، چوبچ دار

(ڈاڑھی کچھ چوبجدار، کچھ صفاچٹ۔ دلی کی چند عجیب ہستیاں صـ ١١٤)، جیب دار،
چھوت دار۔ (دوست میری بیماری چھوت دار نہیں۔ ٹیڑھی لکیر صـ ٣١٠)، دلدار، دیندار
(میں اس کا دین دار نہیں ہوں۔ گئودان صـ ٣٦٣)

دھاری دار (کپڑا)، ڈنڈی دار (منڈی میں جنس تولنے والا۔ فرہنگ اصطلاحات
پیشہ وراں (ر)، صـ ١٢)، ڈیوڑھی دار، رس دار، روئی دار (لکڑی)، سمجھ دار، کامدار (جوتی)،

کٹاری دار (آڑی دھاریوں کا ۔ نور اللغات) کٹوری دار (جوڑ، انگیا) کرن دار (چوکھٹ فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں (۱) صہ ۱۴) کلدار (گھوڑا، روپیہ، بندوق) کلپ دار (کلپ: وہ دھار جو دھوبی کپڑوں پر لگاتے ہیں ۔ کلف دار بھی) کلی دار (پاجامہ) کور دار، گرجدار، گنڈیری دار، گونجدار، گہرائی دار، گھمنڈدار (بال) ۔ بال چہرے کی مناسبت سے زیادہ گھمنڈ دار معلوم ہوتے ہیں۔ ٹیڑھی لکیر صہ ۳۱) گھنگھرو دار (پازیب ٹیڑھی لکیر صہ ۳۶) گھیر دار (پاجامہ) لچدار (بانس) لچکدار، لس دار، لیندار، ہڈی دار

(نوٹ: یہ امر انگریزی الفاظ کے ساتھ بھی بے تکلفی سے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے پینشندار، بٹن دار، نمبر دار وغیرہ)

(۲) مفرس عربی و فارسی الفاظ کے ساتھ جن میں سے اکثر مورد ہیں۔

(اول) وہ مرکبات جن کے آخر میں /ے ا/ ہو یہ مرکب میں ے بن جاتا ہے:
(بال) بچے دار، پیالے دار (جوڑ)، تابعدار (تابے دار) جمعدار (جمیدار جمادار بھی) ذمہ دار (ذمے دار بھی)، رشتہ دار (رشتے دار) غرارے دار، کنارے دار، محلہ دار (محلے دار) مزیدار، منکے دار (نکّا ۔ نوک سے بنا ہے ۔ مورد) ہوادار (ہوا مونث ہے اس لیے ہوا سے ہوے نہیں بنا)

(دوم) وہ مفرس عربی و فارسی الفاظ جن کے آخر میں /ے ا/ نہ ہو۔
اُریب دار (پاجامہ) جاندار، جواب دار (بجائے جواب دہ) حوالدار، خنجری دار (آڑی دھاریوں والا کپڑا) دمدار، زوردار، طاقت دار، طبیعت دار (یعنی شوقین)

ساز کے ساتھ:

ہندی الفاظ کے ساتھ،

(اول) اینٹ ساز (ی) جوتا ساز (ی) چھتری ساز، سلما ساز (ی)، سوئی ساز، کنگھی ساز گھڑی ساز۔

(دوم) فارسی الفاظ کے ساتھ:
گجک (فارسی گزک) ساز

فروش :

برتن فروش، پان فروش، تھوک فروش، چیلر فروش، چلم فروش

کَش :

(اول) رسہ کشی، بھارکش (عورتیں بھارکس بھی کہتی ہیں) کمنالاکشی

(دوم) آراکش (اصل فارسی ارہ) دم کش (حقے کی ہوا کھینچنے کی نلی)

کُش :

بندرکُش (بندرکُش بادشاہ اترا ہے۔ فسانۂ عجائب صفحہ ۲۴)

نُما :

گُھرال نما داڑھی (مرقع زبان وبیان دہلی صفحہ ۶۱) پٹاری نما (ٹوپی)

اسی طرح کچھ اور بھی فارسی ادات ترکیبی ہیں جن کی مدد سے ہندی الفاظ کے ساتھ گنگا جمنی مرکبات بنائے جاتے ہیں۔ لیکن وہ اس قدر مقبول نہیں ہیں مثلاً امر نویس۔ انگریزی الفاظ کے ساتھ زیادہ مستعمل ہے۔ جیسے ڈراما نویس، ناول نویس، اپیل نویس وغیرہ ہندوستانی فارسی میں چٹھی نویس کا عہدہ تھا۔

بار — گولہ باری

باف — گوٹا باف، ٹاٹ بافی (جوتی) کناری باف (کناری بنانے والا)

پرور — کنبہ پرور

خیز — سنسنی خیز۔ ا/۔ا/ با/ با/ کے اضافے کے ساتھ صبح خیزا۔ صبح خیز یا وہ شخص جو سویرے اٹھ کر سرائے سے مسافروں کا مال لے کر چمپت ہو جائے۔)

دہ — دھوکا دہی

دوز — چکن دوز

رساں — چٹھی رساں

زن — اسم کیفیت میں کلمہ زنی (شیخی) ڈاکہ زنی

سوز — اگر سوز، فیتل سوز

گرد — اسم کیفیت (اول) مرہٹہ گردی، پٹھان گردی

(دوم) اشراف گردی، نادر گردی

گیر:— /ا-ا/ کے اضافہ سے اٹھائی گیرا

نشین — گدی نشین، پالکی نشین

گنگا جمنی مرکبات میں امر کی جگہ فعل زمانہ ماضی میں استعمال ہوتا ہے۔

بُرد — بالو بُرد (ندی، نالے یا دریا کے قریب کی ایسی زمین جس پر پانی کی رو سے ریت کی اتنی تہہ جم جائے کہ کاشت کے قابل نہ رہے۔ فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں (۶) ص 115)

زاد (زادہ) چچازاد، ماموں زاد

گشت — مٹر گشت، کوٹ گشتی وغیرہ

فارسی علامتِ کسرہ

چند جزدی اختلافات سے قطع نظر اردو اور فارسی میں مرکب سازی کے سلسلے میں بڑی یکسانیت پائی جاتی ہے۔ لیکن ایک معاملے میں فارسی اردو سے ہی نہیں بلکہ دنیا کی اکثر زبانوں سے مختلف ہے اور وہ ہے علامت کسرہ /ـِ/ کا استعمال دیگر ہند آریائی زبانوں کی طرح اردو میں پہلے مضاف الیہ اور بعد میں مضاف آتا ہے۔ جیسے "احمد کا گھوڑا" لیکن فارسی اور عربی میں پہلے مضاف اور بعد میں مضاف الیہ کا استعمال ہوتا ہے اور فارسی میں مضاف اور مضاف الیہ کا تعلق صوت صرفیہ /ـِ/ سے ظاہر کیا جاتا ہے جس کی تحریری شکل کو علامتِ کسرہ کہتے ہیں۔ اسی طرح اردو کے برخلاف فارسی میں موصوف پہلے آتا ہے اور صفت بعد میں تحریر میں صفت و موصوف کا تعلق بھی علامتِ کسرہ کے ذریعہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ اضافت ظاہر کرنے والی علامت کسرۂ اضافت اور صفت و موصوف کا تعلق ظاہر کرنے والی علامت کسرۂ توصیفی کہلاتی ہے۔ فارسی میں کسرہ کا استعمال اردو کے نحوی مزاج کے خلاف ہے۔ کیوں کہ اردو میں جملوں میں مضاف الیہ اور صفت پہلے اور مضاف اور موصوف بعد میں آتے ہیں۔ چونکہ کسرہ پر مشتمل فارسی کے تمام مرکبات اور ترکیبیں (PHRASES) بآسانی پہچانی جاتی ہیں۔ اس لیے مہذب

گفتگو میں ان میں تصرفات کو روا نہیں رکھا جاتا۔ حتیٰ کہ وہ مفرس عربی و فارسی الفاظ جو معنوی تغیر سے گزر کر اردو ہو گئے ہیں۔ ان میں بھی کسرہ کی اجازت نہیں دی جاتی[1]۔ لیکن اردو کے ابتدائی دور میں ہندی الفاظ کے ساتھ کسرہ کا استعمال بے تکلفی سے ہوتا تھا۔ فضلی نے کربل کتھا میں اس طرح کی ترکیبیں استعمال کی ہیں۔ مثلاً دلہن کم جہیز ص ۳۰، صحنِ گھر ص ۴۰، وقتِ لڑائی ص ۱۴۱، اے بوبخیِ حضرتِ محمدی ص ۴۳، مانندِ کھیل، نواسۂ رسول خدا، ص ۲۶۷ گھا دانِ بے شمار ص ۱۱۳، ارادۂ لڑائی ص ۱۶۶، قصدِ لڑائی ص ۱۶۹، برسینِ فرزند ص ۲۰۷، کپڑۂ حریر ص ۲۴۴، صاحب بھید ص ۲۶، چوٹِ تیر و تفنگ ص ۲۰۶ وغیرہ۔ فضلی اس حمام میں تنہا نہیں ہیں۔ اس عہد کے دوسرے مصنفین کے یہاں بھی اس کے تحریری ثبوت ملتے ہیں مثلاً 'دعوۂ کل' (میراثر۔ خواب و خیال)، 'تواضعِ عطر و پان' (گنجِ خوبی ص ۱۱۶)، 'سنگِ پارس' (ذوق) وغیرہ۔ آج بھی اردو میں انگریزی الفاظ کے ساتھ علامتِ کسرہ کا استعمال بے تکلفی سے ہوتا ہے جیسے درجِ رجسٹر (حیاتِ جاوید ص ۱۳۹) کارکنانِ کانفرنس، افرادِ کمیٹی، لیڈرانِ قوم، افسرانِ محکمہ، ممبرانِ پارلیمنٹ، بادۂ ہینچر (مضامین شرر ۶، ص ۸۳ وغیرہ) آج بھی ہندی الاصل الفاظ کے ساتھ علامتِ کسرہ کے استعمال کی اکا دکا مثالیں مل جاتی ہیں۔ اقتضائے بچپن (محاسنِ کلامِ غالب ص ۲۱) لبِ سڑک، موسمِ برسات، ساحلِ سمندر، بذریعۂ ڈاک اور بوالپسی ڈاک وغیرہ۔

اگر علامتِ کسرہ کے اس آزادانہ استعمال پر پابندی عائد نہ ہوتی تو اردو تصرفات کا میدان اور بھی وسیع ہو جاتا۔

(نوٹ جہاں تک عربی کا تعلق ہے۔ اہلِ اردو نے عربی نمونے پر اندازاً (غالباً ہندوستانی فارسی سے) مونثہ اداکارہ (فارسی لفظ میں عربی تائے تانیث کا استعمال) کالِہ لائقہ، لائق کی جگہ لیق، شوقیہ، شوقین، تنقید بجائے انتقاد، عادی (بجائے معتاد) مکلف

---

[1] نظم طباطبائی، ترکیب 'محرمِ آبِ رواں' پر اس لیے معترض تھے کہ عربی لفظ محرم اس ترکیب میں اردو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

(بمعنی پر تکلف) ، بالراست (بجائے براہِ راست) مجرب ، رسائد (رسید (فارسی لفظ کی عربی جمع) اور نمازت جیسی کئی ترکیبیں ڈھالیں اور غوث الاعظم، شریف الخاندان، غریب النواز، قریب المرگ ، فوق البھڑک ، گنج العلم ، گنج العرش ، چراغ الدین ، اختر الایمان ، مہر النساء اختر الزماں اور خورشید الاسلام جیسی ترکیبوں میں خالص عربی حرف تعریف 'ال' کو داخل کر کے اردو کی تصرفی صلاحیت کا ثبوت دیا ہے۔

واوِ عطف

عربی اور فارسی دونوں میں "و" حرف عطف ہے۔ عربی میں "و" مضمومہ ہے۔ لیکن فارسی میں یہ تلفظ میں مصوتہ / ـُ / یا ـُ بن جاتا ہے۔ جیسے ابر و باد (ابرُ و باد یا ابرُباد) پنڈت کیفی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ "واو" پراکرت میں بھی پایا جاتا ہے [1] لیکن اردو میں واوِ عطف فارسی ہی کے اثر سے آیا ہے۔ چونکہ یہ واو فارسی سے مستعار ہے۔ اس لیے غیر عربی فارسی الفاظ کے درمیان اس کا استعمال معیوب قرار دیا گیا۔ لیکن اردو میں اس طرح کے استعمال کی مثالیں قدیم و جدید ادب میں بے شمار ملتی ہیں۔ کچھ کی طرف پنڈت کیفی نے اشارے کیے ہیں [2] قدیم ادب میں اس طرح کا استعمال بے تکلفی سے ہوتا تھا۔ کچھ مثالیں درج ذیل ہیں:

چین و آرام (باغ و بہار صـ ۱۷۱ اور فسانۂ عجائب صـ ۲۵۲) محبت و ڈر، ڈف و نقارہ و ڈھول (کربل کتھا صـ ۹۵ ، صـ ۲۵۳) نشان و چھڑ (گنج خوبی صـ ۲۶) ، باغ و تالاب و نہریں ، بات و بھول ، چھوٹا و بڑا ، مور و کوئل و پپیہا ، دیکھنے و سننے (قصہ مہر افروز و دلبر صـ ۲ ، صـ ۱۹ صـ ۲۱ ، صـ ۳۱) ، عبیر و گلال ، تال و سم (فسانۂ عجائب صـ ۱۹۸ ، صـ ۱۶۸) برچھی و تلوار (باغ و بہار صـ ۱۹۵) شیر و بکری (آرائش محفل صـ ۵) ناچ و رنگ (فسانۂ آزاد صـ ۲) اخلاق و پیار (میر ، نیند و بھوک (میر اثر خواب و خیال)

عہد حاضر کے مصنفین کے یہاں بھی غیر عربی و فارسی الفاظ کے درمیان واوِ عطف

---

[1] کیفیہ صـ ۱۵۶ [2] ایضاً ۵۶-۱۵۴

کی مثالیں ملتی ہیں۔ یہ مثالیں ان کے علاوہ ہیں جو کیفیہ میں درج ہیں۔

جنیح و پکار دا لیکشن۔ رشید احمد صدیقی) اطمینان و بھروسہ (گنج ہائے گرانمایہ صہ ۱۶۱)
معتمد عدالت و کوتوالی (دقارالملک ۔ غلام رسول مہر) راگ و رنگ (غبار خاطر۔ آزاد صہ ۲۷۹)

حرفِ عطف دو لفظوں ہی کو نہیں بلکہ دو جملوں کو بھی جوڑنے میں استعمال ہوتا ہے۔ اساتذہ نے اس موقع پر بھی واوِ عطف سے کام لیا ہے۔ حسرت موہانی نے معائب سخن میں اس کی مثالیں دی ہیں اور انھیں ناجائز قرار دیا ہے۔ جیسے:

۱۔ ع دل مدعی وِ دیدہ بنا مدعا علیہ ۔ غالب
۲۔ " معشوقِ شوخ وِ عاشقِ دیوانہ چاہیے۔ "
۳۔ " تجھ سے جفاوِ میر سے رسم وفا چلی ۔ میر
۴۔ " بادفا حسن وِ بے دفا ہے عشق ۔ مومن
۵۔ " بے اثر آہ وِ بے قرار ہے دل "
۶ " شانے سے ہو وِ مو سے بلا اور بلا سے ہم ۔ میر ممنون

لیکن یہ عیب نہیں بلکہ اہلِ اردو کا تصرف ہے جس سے اساتذہ نے کام لیا۔ قصہ مہر افروز دلبر سے اس طرح کی مثال لیجیے۔ اس بادشاہ کو اپنی حکمرانی کا وِ رعیت کی آسودگی کا وِ نوکروں کا اور دولت کا بڑا آرام تھا، صہ ۲

جب فارسی ترکیب میں دو مضاف یا دو موصوف ہوں تو ان کے درمیان جہاں اہلِ ایران واوِ عطف کا استعمال کرتے ہیں اہلِ اردو، اردو حرفِ عطف "اور" کا استعمال کرتے ہیں۔ جیسے:

"سزاوارِ خلافت اور امامت" بجائے "سزاوارِ خلافت و امامت" ذکر مجنوں اور لیلیٰ" وغیرہ۔ ہو سکتا ہے کہ ضرورتِ شعری کے تحت ایسا کیا گیا ہو۔ لیکن نثر قدیم و جدید میں بھی اس طرح کے استعمال کی کچھ مثالیں ملتی ہیں:

سب طرح کا اختیار ان کے ہاتھ میں دیا اور صاحبِ قدرت اور قوت کیا۔ گنج خوبی صہ ۲
اولادِ نیک بخت اور نامور اس بادشاہ کی۔ " صہ ۲

ان سے بوئے محبت اور دلسوزی آتی ہے ۔ سفینۂ شیخ علی حزیں ۔ مہاراجہ کسن پرشاد صہ ۱۵

رعایا مبتلائے قحط اور گرانی تھی   ایضاً صہ ۱۸

حسرت موہانی فارسی وعربی دخیل الفاظ میں بھی فارسی واوِ عطف کا استعمال ناجائز سمجھتے تھے [۱] ۔ لیکن اگر مولانا کے اس موقف کو صحیح مان لیا جائے تو اردو کو اس قسم کی کئی ترکیبوں سے دست بردار ہونا پڑے گا ۔

اردو میں بعض ایسے مرکبات بھی مستعمل ہیں جن میں "و" عطف کا استعمال حشو یا غیر ضروری ہے ۔ جیسے "خط وکتابت" اصل مرکب "خط کتابت" ہے ۔

تمام خط کتابت جو کہ وہ حکام ضلع کے ساتھ کرتے تھے ۔ حیات جاوید صہ ۲

خط کتابت ـــ حیات جاوید صہ ۱۲۳

ع راہ ورسمِ خط کتابت ہی سہی ۔ اسمٰعیل میرٹھی

لیکن اردو میں 'خط وکتابت' کا چلن عام ہوگیا ہے ۔ اسی طرح قدرِ عافیت، قدر وعافیت، اور بے نیلِ مرام کو بے نیل ومرام کہنے کا چلن عام ہوگیا ہے ۔ اس کے برعکس بھی ہے۔ 'حسن وخوبی' کو 'حسنِ خوبی' کہا جاتا ہے ۔

فارسی واوِ عطف کو حذف کرنے کی صدہا مثالیں قدیم ادب میں ملتی ہیں ۔ 'قول قرار' بجائے 'قول وقرار' ، پیچ وتاب ، گردبیش ، شان شوکت ، مال ملک ' کاربار (بجائے کاروبار) آبرو حرمت (باغ وبہار صہ ۱۱ ، صہ ۶۱ ، صہ ۱۶۳ ، صہ ۲۰۸ ، صہ ۱۹۵ ، صہ ۱۷) نوشت خواند ، نیست نابود (گنج خوبی صہ ۳۱۳) گردبیش (کربل کتھا صہ ۱۱۲) جواب سوال ، مکر فریب ، عیب ہنر (قصہ مہر افروز ودلبر صہ ۳۲۵ ، صہ ۲۷۷ ، صہ ۳۲۸) ظاہر ہے کہ ان مصنفین نے بول چال کی پیروی کی ہوگی ۔ لیکن موجودہ ادب میں یہ واوِ عطف لوٹ آیا ہے اور قول وقرار، شان وشوکت جیسے مرکبات

---

[۱] ع باعث رنجش وتکرار کہوں یا نہ کہوں ۔ حسرت لکھتے ہیں "تکرار" لفظ ہندی ہے ۔ اس کے اور رنجش کے درمیان واوِ عطف صحیح نہیں ہوسکتا ۔

عام ہیں۔

جنس

یہ ضروری نہیں کہ دنیا کی ہر زبان میں جنس کا نظام ہو اور اگر ہو بھی تو وہ یکساں ہو۔ یوں تو جنس کا تصور ہر زبان میں ہوگا۔ کیوں کہ حقیقی دنیا میں مخلوقات 'نر' اور 'مادہ' میں بٹی ہوئی ہیں۔ لیکن لسانیات کی اصطلاح میں "جنس" (GENDER) اسما کی وہ قسم ہے جو متعلقہ الفاظ کے "برتاؤ" میں منعکس ہوتے یعنی جملے میں وہ دیگر الفاظ کو متاثر کرے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو فارسی میں جنس کی کوئی قواعدی اہمیت نہیں۔ بلکہ اس کا عدم وجود برابر ہے۔ اگرچہ فارسی میں مذکر اسما جیسے 'پدر'، 'پسر'، برادر اور مونث اسما جیسے مادر، دختر، خواہر وغیرہ موجود ہیں۔ لیکن ان الفاظ کے استعمال سے جملے کے کسی لفظ میں تغیر نہیں ہوتا چینی زبان کا بھی یہی حال ہے۔ بعض زبانوں مثلاً سنسکرت، قدیم پراکرت، مراٹھی اور گجراتی میں بے جان چیزوں کے لیے "غیر جنس" (NEUTER GENDER) کا استعمال بھی ہوتا ہے عربی میں تانیث کی کئی قسمیں ہیں جن میں مونث سماعی اور مونث قیاسی قابل ذکر ہیں۔ اردو میں دو جنسی نظام ہے۔ یعنی صرف تذکیر و تانیث اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بے جان اسما کی بھی جنس ہوتی ہے۔ وہ مذکر ہوتے ہیں یا مونث اور اس بات کا اظہار افعال میں بھی ہوتا ہے۔ جیسے:

پتھر گرا۔ لکڑی گری

جب اردو فارسی سے ربط میں آئی اور اس سے شمار دخیل الفاظ قبول کیے تو اپنے جنسی نظام کی مطابقت میں اس نے انھیں مذکر اور مونث میں ڈھال دیا۔ مثلاً ایک لفظ ہے 'آسمان'۔ فارسی میں اس کی کوئی جنس نہیں لیکن جب اہل اردو نے یہ لفظ مستعار لیا تو اسے مذکر قرار دیا۔ اسی طرح جب مفرس عربی لفظ 'شمس' کو مستعار لیا تو اگرچہ لفظ 'شمس'

لے ہاکیٹ کی کتاب MODERN LINGUISTICS ص ۲۱۶

عربی میں مونث ہے۔ لیکن اردو میں آکر وہ مذکر ہو گیا ہے۔ کیوں کہ اس کا مترادف سورج اردو میں مذکر ہے۔

دوسری زبانوں کی طرح جن میں جنس کا نظام ہے اردو میں بھی جنس کے تعین بالخصوص بے جان اشیا کے جنس کے تعین کے سلسلے میں کوئی قاعدہ کلیہ مقرر نہیں۔ پھر بھی اردو میں طویل مصوتہ /ے ا/ کو برتری اور /ے ی/ کو کمزوری کی علامت سمجھنے کا رجحان واضح ہے۔ اس لیے /ے ا/ پر ختم ہونے والے اکثر بے جان اشیا پر دلالت کرنے والے الفاظ مذکر اور ے ی پر ختم ہونے والے الفاظ مونث ہوتے ہیں[1]۔ لیکن اس اصول کے مستثنیات بھی ہیں۔

مفرس عربی و فارسی اسما کے جنس کے تعین میں مندرجہ ذیل چند موٹے اصول کارفرما نظر آتے ہیں۔

مذکر

اردو میں عام طور پر اکثر وہ اسما جن کے آخر میں طویل مصوتہ /ے ا/ ہو مذکر ہوتے ہیں جیسے لڑکا، راجا، بکرا، ڈنڈا وغیرہ اس لیے اردو نے اس رجحان کے تحت /ے ا/ پر ختم ہونے والے (چاہے تحریر میں انھیں ہائے مختفی سے کیوں نہ لکھا جاتا ہو۔) مفرس عربی و فارسی الفاظ کو مذکر قرار دیا ہے۔ جیسے:

(اول) فارسی ۔ آغا (ترکی سے مستعار) خدا، اژدھا، آئینہ، پروانہ، خانہ پر مشتمل تمام مرکبات جیسے کتب خانہ، شفاخانہ وغیرہ "کدہ" پر مشتمل تمام الفاظ جیسے عشرت کدہ، غم کدہ وغیرہ، ستارہ، ہفتہ وغیرہ

(دوم) مفرس عربی ۔ اشارہ، اضافہ، ارتقا، مشاعرہ، رسالہ، تذکرہ، مدینہ، وسیلہ وغیرہ

---

[1] مثلاً "ڈاڑھی" جو مردوں کے لیے مخصوص ہے بمصوتہ /ے ی/ کی بدولت مونث ہے اور عورتوں کا ذ ب ثہ /ے ا/ کی وجہ سے مذکر ہے۔

اسی طرح وہ مفرس عربی الفاظ جن کے آخر میں /ع/ یا (عہ) ہو اور جن کا اردو تلفظ /ے ا/ ہے مذکر ہیں۔ جیسے مطلع (مَطلا)، مقطع (مقطا)، مصرع (مصرا)، برقعہ (برقا)، وغیرہ

استثنا

(۱) عربی و فارسی کے وہ تمام سہ حرفی الفاظ جن کی آخری آواز /ے ا/ ہو اردو میں مونث ہیں جیسے ادا، غنا، ریا، ردا، قضا، حیا، خطا، ہوا، غذا، وفا، جفا، وبا وغیرہ

(اردو میں سنسکرت الفاظ جن کے آخر میں سنسکرت کی علامت تانیث /ے ا/ ہو مونث ہیں۔ جیسے سبھا، گنگا وغیرہ۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بالا مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ کی جنس کے تعین میں اسی رجحان کا دخل رہا ہو۔)

(۲) عربی کے وہ تمام مونث دخیل الفاظ جن کے آخر میں اردو رسم الخط میں تائے مدورہ بشکل ہائے مختفی لکھا جاتا ہے اور جس کا تلفظ /ے ا/ ہے وہ بھی عربی قواعد کی تقلید میں مونث ہیں۔ جیسے ادیبہ، ملکہ، سلطانہ۔

(نوٹ: ہندوستانی مسلمانوں میں لڑکیوں کے نام فہمیدہ اور شائستہ رکھے جاتے ہیں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان الفاظ میں عربی کی تائے تانیث ہے لیکن یہ فارسی الفاظ ہیں۔ اس لیے اہل ایران مردوں کے نام فہمیدہ اور شائستہ (جیسے شائستہ خاں) رکھتے ہیں۔ کچھ لوگ تو فارسی لفظ 'شاہین' سے شاہینہ بنا لیتے ہیں۔)

(۳) وہ فارسی الفاظ جن کے آخر میں ہندوستانی فارسی کی تقلید میں انفیایا ہوا مصوتہ /ے اں/ ہو وہ بھی مذکر ہوتے ہیں۔ کیوں کہ اردو میں کنواں، رواں، دھواں وغیرہ مذکر ہیں۔ اسی قیاس پر آشیاں، کارواں، جہاں، گلستاں وغیرہ اردو میں مذکر ہیں۔

مونث

(۱) اردو میں جس طرح /ے ا/ علامت تذکیر ہے اسی طرح /ے ی/ علامت تانیث ہے۔ اسی لیے فارسی کے وہ اسما جن کے آخر میں /ے ی/ یا گی ہے اردو میں مونث قرار دیے گئے ہیں۔ جیسے انگشتری، کشتی، اسمائے کیفیت جیسے نیکی، بدی، ہمدردی،

گرمی، پستی، بلندی، کشادگی، زندگی، یہی حال ان الفاظ کا ہے جن کے آخر میں اہل ہند نے /ی/ بڑھا دیا ہے۔ جیسے غلطی، شیخی، خریدی، معافی وغیرہ

استثنا:

(۱) اردو میں /ی/ پر ختم ہونے والے وہ اسما جو پیشے کا اظہار کرتے ہیں مذکر ہیں جیسے مالی، تیلی، موچی، دھوبی وغیرہ، اسی طرح وہ مفرس عربی الفاظ جو معنوی اعتبار سے مذکر ہیں۔ لیکن جن کے آخر میں ی ہے۔ اردو میں مذکر ہی رہتے ہیں جیسے حاجی، قاضی، مفتی، ہادی، داعی، غازی وغیرہ

(۲) فارسی کے وہ تمام حاصلِ مصدر جن کے آخر میں /ش/ ہے اردو میں مونث ہیں۔ جیسے آزمائش، کوشش، آسائش، بارش، کاوش، کشش، بخشش، پیدائش وغیرہ،

استثنا۔

'بالش' مذکر ہے غالباً تکیہ کے قیاس پر

(۳) وہ تمام مونث عربی دخیل اسما جن کے آخر میں /ت/ ہو۔ (یہ 'ت' عربی میں تائے تانیث ہے) اردو میں بھی عربی کی طرح مونث ہیں، محبت، نفرت، قدرت، فصاحت، بلاغت، صحت، خصوصیت، انسانیت وغیرہ

(۴) عربی کی وہ سالم جمعیں جن کے آخر میں 'ت' ہو اور وہ اردو میں بطور واحد مستعمل ہوں اردو میں مونث ہیں جیسے معلومات، کائنات، سکرات، خیرات، تحقیقات وغیرہ

(نوٹ: اگر بطور واحد مستعمل نہ ہوں اور اگر واحد میں مذکر ہوں تو جمع میں بھی مذکر ہوتے ہیں۔ جیسے حال (واحد مذکر — حالات جمع مذکر۔ لیکن اگر وہ واحد میں مونث ہوں تو جمع میں اہل لکھنو مذکر اور اہل دہلی مونث باندھتے تھے۔ جیسے عادت مونث — عادات (اہل لکھنو مذکر۔ اہل دہلی مونث) اردو میں مونث ہی کو ترجیح حاصل ہے۔

(۵) عربی کی مکسر جمعیں جو اردو میں بطور واحد مستعمل ہیں۔ مونث ہوتی ہیں۔ جیسے اولاد، ارواح (بمعنی روح)، اوقات (اگر وقت کی جمع ہو تو مذکر)

تعداد

تعداد کے سلسلے میں ہم متعلقہ تصریفات کا ذکر گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں.
ہم یہاں ایسے الفاظ کا ذکر کریں گے جو اصل زبان کے برخلاف اردو میں واحد مستعمل ہیں:

فارسی کچھ عربی الفاظ کو جو جمع میں ہیں. انھیں واحد استعمال کرتی ہے۔ مثلاً
عسس (عربی میں عاشق کی جمع ہے.) فارسی میں کوتوال کے معنوں میں مستعمل ہے۔ وقائع،
(واقعہ کی جمع)، غلمان (غلام۔ یعنی بچہ کی جمع) حور (حورا کی جمع) عجائب (عجیب کی جمع)، ریاض
(روضہ = باغ کی جمع) نواب (نائب کی جمع)

اردو نے فارسی کے تتبع میں حور، غلماں اور نواب کو واحد قرار دیا۔ یہی نہیں بلکہ اس
نے اور کئی ازروئے اصل جمع الفاظ کو واحد تصور کیا ۔ مثلاً:

جمع تعظیمی ۔ بطور واحد ۔ تصریفات کے ضمن میں ہم نے کچھ مثالیں دی ہیں۔ کچھ اور
مثالیں درج ذیل ہیں:

سادات (بجائے سید) اس سید کو دس روپے دے دو. سادات ہے بے چارہ ۔
فسانۂ آزاد صـ۶۶۲)

آیات ۔ (بجائے آیت) ع لوح محفوظ سے اتری ہے یہ آیات نئی۔ ناسخ
بندگانِ عالی، آداب تسلیمات [1]

کبھی کبھی مبالغے کے لیے بھی جمع کو واحد استعمال کرتے ہیں:
جواہر ۔ میں نے باوجود سلطنت کے ایسا جواہر کبھو نہ دیکھا تھا۔ باغ و بہار صـ۱۱۶
دوسری مثالیں: گویا اس کی زندگی کی خاک میں گمشدہ جواہر مل گیا. گئودان صـ۲۳
قواعد ۔ یعنی یہ بڑا درصرف و نحو

---

[1] عبدالحلیم شرر لکھتے ہیں کہ لکھنو میں ایک سے زائد بار سلام کرنے کا رواج تھا. اس لیے
آداب و تسلیمات کہتے تھے. گزشتہ لکھنو

طوائف (عربی میں طائفہ کی جمع)

اوزار۔ (وزر، بمعنی بوجھ کی جمع)

اسامی (اسم کی جمع الجمع) بمعنی کسان جو زمیندار سے زمین کرائے پر یا پٹے پر لے کر کھیتی باڑی کرے۔

افواہ (فم۔ فوہ کی عربی جمع)

اوباش (واحد وبش)

الطاف (لطف کی جمع)۔ آپ کا الطاف فقیروں کے حال پر ...... ہے۔ باغ و بہار صـ۱۱۶)

اشراف

آثار (بمعنی بنیاد) (عربی اثر کی جمع)

دو منزلہ دیوار کا آثار تین انچ کاٹ دیا جائے۔ فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں (۱) صـ۹۸

مواد (مادہ کی جمع)

غدود (واحد غدد)

خلائق۔ (خلق کی جمع)۔ خلائق ایک مرتبہ مسجد میں آئی۔ کربل کتھا صـ۸۶

ظلمات (اردو ظلمات) (ظلمت کی جمع) اڑجائے دھواں بن کے یہ ظلمات تمھاری

کرامات (کرامت کی جمع) معنوی تغیر کے بعد۔ بس یہ جتنی بھی کرامات ہے صرف اسی کی ہے۔ چچا چھکن۔ امتیاز علی تاج

عنایات۔ (عنایت کی جمع) ع کب مرے حال پہ ساقی کی عنایات نہ تھی۔ رند

مستان (مست کی فارسی جمع) اے میاں مستان! میں نے شرط کی تھی کہ۔ گنج خوبی صـ۱۲۳

رعایا۔ (رعیت کی جمع)

واردات ع ہوئی اس پہ کیا جانے کیا واردات

خیرات

حاضرات - آئے دن حاضرات ہوتی رہتی ہے۔

خرافات - (خرافہ کی جمع) اردو جمع خرافاتیں ع شورش عشق کی خرافاتیں -
خواب و خیال - میر اثر

اوقات (بمعنی حیثیت)

لغویات - ع بے طرح گرچہ لغویات ہے یہ - خواب و خیال - میر اثر

حکایات - ع نظروں میں سو طرح کی حکایات ہوگئی

اسرار - (واحد سر) کسی نے کہا یہ تو دلدار ہے۔ کسی نے کہا کچھ یہ اسرار ہے۔ سحر البیان

دیوانو چپ رہو، خدا جانے کیا اسرار ہے۔ فسانہ عجائب ص ۱۶۰

اے جوانمرد یہ کیا اسرار تھا۔ آرائش محفل ص ۷۴

اب تک کچھ اسرار نہیں معلوم ہوتا۔ باغ و بہار ص ۲۲

شُہدہ - (شُہَدا سے ماخوذ جو شہید کی عربی جمع ہے) دریائے لطافت میں انشا لکھتے ہیں:

"شہدہ وہ شخص ہے جو سر ننگا اور پیر ننگا ہو اور لوگوں کا بوجھ سر اور کاندھے پر اٹھائے۔ شہدہ ہر فرقے کے لوگوں کا کام کرتا ہے - اور مزدوری کی اجرت کے سوا اور کسی چیز سے واسطہ نہیں رکھتا - لہ"

آج کل اردو میں لچے لفنگے کے معنوں میں مستعمل ہے۔

صلوات (صلوٰۃ کی جمع) اس کی اردو جمع صلواتیں ہے۔ جیسے صلواتیں سنانا

شروعات (بمعنی ابتدا)

اصول (اصل بمعنی جڑ کی جمع) وغیرہ

●●

لہ بحوالہ کیفیہ - ترجمہ پنڈت کیفی

معنوی تصرّف

جب کسی زبان کا کوئی لفظ دوسری زبان میں داخل ہوتا ہے تو اس میں جہاں صوتی اور صرفی ونحوی تغیرات ہوتے ہیں وہیں وہ معنوی تغیر سے بھی دوچار ہوتا ہے۔ مقربن عربی وفارسی دخیل الفاظ میں ہونے والے صوتی اور صرفی ونحوی تبدیلیوں تبدیلیوں کی مختصر داستان گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکی۔ اس باب میں اس طرح کے دخیل الفاظ میں ہونے والے معنوی تغیرات کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

ایک زبان سے دوسری زبان میں لفظ کا مکانی سفر اسے بالکل اجنبی ماحول سے دوچار کرتا ہے۔ کیوں کہ اسے استعمال کرنے والے وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے سوچنے سمجھنے کا انداز مختلف، ماحول جداگانہ اور مادی اور نفسیاتی تقاضے مختلف ہوتے ہیں۔ اس نئی صورت حال میں ہر دخیل لفظ اپنے نئے آقاؤں کی مرضی کا پابند ہوتا ہے۔ اس لیے جہاں وہ صوتی اعتبار سے بدلتا اور نئے صرفی ونحوی قواعد کا پابند بنا دیا جاتا ہے۔ وہیں اس میں معنوی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ ان تبدیلیوں کے مختلف النوع اسباب ہیں۔ جن کا سراغ لگانے کی کوشش عہد وسطیٰ کے ماہرین زبان مثلاً بریڈز ڈرف (BREDS DRIFF) پال (PAUL) مائیکل بریل (MICHEL BREAL) ٹکر (TUCKER) وغیرہ نے کی۔ اور عصر حاضر کے ماہر لسانیات ڈبلیو پی لیہ من (W.P. LEHMANN) نے اپنی تصنیف تاریخی لسانیات (HISTORY OF LINGUISTICS) میں کی ہے[1]۔ ان تمام اسباب میں جہاں تک دخیل الفاظ کا تعلق

ہے۔ تغیر معنی کا بنیادی سبب سیاق وسباق (CONTEXT) کی تبدیلی ہے۔ اردو میں معرّب عربی وفارسی کے صدہا دخیل الفاظ مستعمل ہیں ان میں سے اکثر الفاظ آج بھی معطی زبانوں۔ عربی وفارسی میں رائج ہیں۔ اگر ہم ان مشترک الفاظ کا معنوی سطح پر تقابلی مطالعہ کریں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ یہ الفاظ ظاہری مشابہت کے باوجود ایک دوسرے سے معنوی اعتبار سے کس حد تک دور چلے گئے ہیں۔ یہ الفاظ ہماری زبان میں معنوی سطح پر اس حد تک بدل چکے ہیں کہ اگر انھیں اصل زبان کو انھیں معنوی تغیرات کے ساتھ لوٹا دیا جائے تو انھیں اس زبان میں قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا جائے گا۔ مثلاً اگر ہم لغات جدیدہ مرتبہ سید سلیمان ندوی (المعجم الاعظم اور معلم الانشاء (الجزء الثالث) مرتبہ محمد الرابع الندوی میں الجدید عربی کے الفاظ کے معنی ملاحظہ کریں جو اردو میں مستعمل ہیں۔ اور ان کا مقابلہ اردو معنوں سے کریں۔ تو ہمیں ان میں زمین وآسمان کا فرق نظر آئے گا۔ خوف طوالت سے یہاں صرف چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

جدید عربی لفظ	عربی معنی	اردو معنی
اجرة (اجرت)	کرایہ	مزدوری
اشاعة (اشاعت)	افواہ اڑانا	چھاپنا، شائع کرنا
اضطراب	بدامنی	بے چینی
اغراض	اسباب، سامان	غرض کی جمع، مقاصد
امیر	حاکم	مالدار

[1] پچھلے صفحہ کا حاشیہ: تفصیل کے لیے مندرجہ ذیل کتابیں ملاحظہ ہوں (۱) (۲) بریل کی SEMANTICS (۳) ٹکر کی INTRO TO THE NATURAL HIST. OF LANGUAGE (۴) ٹارا پور والا کی ELEMENTS TO THE SC. OF LANGUAGE اور عبدالقادر سروری کی زبان وعلم زبان جس میں تارا پور والا کا حوالہ دیے بغیر اسکے بیانات من وعن اردو میں منتقل کیے گئے ہیں۔

جدید عربی لفظ	عربی معنی	اردو معنی
بخار	بھاپ، اس مناسبت سے انجن کو بھی بخار کہتے ہیں	تپ
تالیف	کوئی انجمن یا کمیٹی قائم کرنا	کتاب مرتب کرنا
تاہل	بے تعصبی	سستی
تشخیص	تھیٹر میں ایکٹنگ کرنا	بیماری کی شناخت، البتہ طے کرنا
حافظہ	پیسے رکھنے کا بٹوا	یادداشت
حوائج	میلے کپڑے جو دھونے کے لیے دیے جائیں	حاجت کی جمع، ضرورتیں
دخل	آمدنی	مداخلت
دلیل	گائیڈ	ثبوت
رزق	تنخواہ	روزی
روزنامہ (فارسی سے دخیل)	کیلنڈر	روزانہ چھپنے والا اخبار
سجادہ	قالین	مصلیٰ
شراب	کوئی بھی مشروب	بادہ (بہ معنی فارسی سے مستعار)
شوکۃ (شوکت)	کانٹا۔ جس کی مدد سے یورپین کھاتے ہیں FORK	شان۔ دبدبہ
شہادت	سرٹیفکیٹ	گواہی، مقدس مقصد کے لیے جان کی قربانی
صحن	رکابی، پلیٹ	آنگن (صوتی تصرف کے بعد)
طبلہ / اطبلہ	میز	معنیٰ، معروف
عالمہ *	مغنیہ، رقاصہ	عالم کی تانیث

جدید عربی لفظ	عربی معنی	اردو معنی
عروس	ہیبر ڈریٗں	دلہن (صوتی تصرف کے ساتھ)
عقرب	سوئی کی گھڑی، بچھو	صرف بچھو
عیاش	نان فروش BAKER	عیش پرست
محرر	مضمون نگار، ایڈیٹر	کلرک
مزین	حجام	سجانے والا، سجا ہوا
مسدس	چھ نالی کا پستول	چھ مصرعوں کا بند
مکتب	دفتر	وہ ابتدائی مدرسہ جس میں عربی فارسی کی تعلیم ہو
ہاتف	ٹیلی فون	غیبی فرشتہ

چونکہ اردو کے لفظی خزانے میں مفرس عربی و فارسی کے صدہا الفاظ ہیں۔ اس لیے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اہل اردو آسانی سے عربی یا فارسی سیکھ سکتے ہیں۔ لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ کیوں کہ ایک اردو داں کو عربی یا فارسی بولتے یا لکھتے ہوئے بہ نسبت کسی اور زبان کے بولنے یا لکھنے کے زیادہ دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کی وجہ صوتی اتنی نہیں جتنی ان زبانوں کا اس کی اپنی زبان میں وہ مشترکہ لفظی سرمایہ ہے جن کے معنی بالکل مختلف اور جن کا محل استعمال یکسر جداگانہ ہے۔ چونکہ ہر فرد کی لسانی عادتیں اس کی مادری زبان کے معاملے میں راسخ ہوتی ہیں اس لیے کوئی اجنبی زبان بولتے ہوئے ان لسانی عادتوں کو جن کے مضمرات صوتی و صرفی بھی ہوتے ہیں اور معنوی بھی، بدلنے کی شعوری کوشش کرنا شرط اولین ہے۔ لیکن عربی یا فارسی بولتے ہوئے ایک اردو داں کے لیے ہمہ وقت چوکنا رہنا انتہائی ضروری ہے۔ کیوں کہ وہ اس مشترکہ لفظی سرمایہ کو اپنی زبان کے لب و لہجہ، اپنے صرفی و نحوی اصولوں اور اپنی زبان کے مختلف معنوں میں استعمال کرنے کا عادی ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا قوی امکان ہے کہ وہ عربی یا فارسی بولتے اور لکھتے

ہوئے انھیں اپنے لب و لہجہ اپنی زبان کے صرفی و نحوی اصولوں کے مطابق اور اپنی زبان کے معنو میں استعمال کرے اور اس طرح اہل زبان کے لیے حیرت، نفرت، اور مضحکے کا باعث بنے۔ اہل زبان خاص خاص الفاظ خاص خاص موقعوں پر اور مخصوص معنوں میں استعمال کرتے ہیں جسے روزمرہ (USAGE) کہا جاتا ہے۔ جب ہم کسی نوسیکھے کی زبان سے اپنی زبان کے کسی لفظ کو بے محل استعمال ہوتے ہوئے سنتے یا تحریر میں دیکھتے ہیں تو یہ لفظ ہمارے سامنے پر (اور تحریری شکل میں نوبت باصرہ پر کیوں کہ ہمارا علمی حافظہ بھی ہوتا ہے) ناگوار گذرتا ہے اور ہم کہہ اٹھتے ہیں فلاں لفظ اگرچہ قواعد کی رو سے صحیح ہے لیکن اہل زبان اس طرح نہیں بولتے۔ یہ خلاف روزمرہ ہے۔ غالب اسی لیے ہندی نژاد فرہنگ نویسوں کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔ کیوں کہ بقول ان کے ہندی نژاد "فرہنگ لکھنے والوں کا مدار قیاس پر"[۱] تھا۔

> محمد حسین آزاد ہندوستانیوں کی فارسی دانی پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں "جب کوئی مطلب فارسی میں ادا کرنا ہوتا ہے تو پہلے اس کی اردو سوچتے ہیں۔ پھر فارسی میں اس کا ترجمہ کرتے ہیں ہر مقام کے مناسب حال محاورے زبان پر نہیں لفظی ترجمہ کر دیتے ہیں۔ وہی تمسخر اور ریشخند کا سامان ہوتا ہے"۔[۲]

سید محمد علی ایرانی نے بھی اپنی کتاب فارسی جدید جلد دوم میں ہندوستانی فارسی کی مثالیں جا بجا دی ہیں۔ ہم اس کتاب سے یہاں چند اقتباسات نقل کرتے ہیں۔ جن سے اندازہ ہوگا کہ ہندوستان میں آکر فارسی الفاظ نے کیا کیا معنوی چولے بدلے۔

---

[۱] ادبی خطوط غالب صفحہ ۱۳۵ [۲] سخندانِ فارس صفحہ ۳۴۴ آزاد نے ہندوستانیوں کی فارسی گوئی کی غلطیوں کی متعدد مثالیں دی ہیں۔ دو ایک مثال دلچسپ ہیں۔ "ایک صاحب نے جنگ میں گھوڑے کی ایک ٹانگ توپ کے ایک گولے سے اڑ گئی" کو اس طرح لکھا " لنگِ اسپش از گولۂ توپ پرید"

مصنف کے ایک دوست تھے حاجی حسین علی حج کے موقع پر اُن کی ملاقات ایک ہندوستانی فارسی داں سے ہوئی۔ رسمی گفتگو کے دوران حاجی حسین علی نے اس ہندوستانی ملاقاتی سے فارسی میں پوچھا: "آقا شما در مکہ با کسی آشنائی دارید" اس کے جواب میں وہ دوست ہنسا اور ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا: "آقا من ازیں کارہا نمی کنم"۔ اس جواب پر حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے حسین علی مصنف سے کہتے ہیں "نمیدانم از حرف من چہ فہمید"۔ ظاہر ہے کہ ہندوستانی دوست نے "آشنائی" سے مراد "آنکھ لڑنے سے لی تھی۔ یہی دوست حاجی حسین علی کو فارسی میں مندرجہ ذیل خط لکھتے ہیں:

"جناب من، السلام علیکم۔ الحمد للہ من بخیریت ہستم دخیریت شما، از خداوند کریم نیک خواہم، از ملاقات با جناب عالی در سفر مکہ بسیار خوش شدم داز مہربانی شما شکر بہ ادا جی کنم۔ دیروز یک اشتہار دریک اخبار فارسی خواندم کہ حسین علی نامی کتابے در آداب و اخلاق ایرانیان تصنیف نمودہ، گمان کردم شما ہستید اگر یک جلد برائے من بفرستید مشکور می شوم۔ فقط

خاکسار

علی حسین عفی عنہٗ

لفافے پر مکتوب الیہ کے نام کے آگے "آقا" کے بجائے آغا لکھا تھا۔ چونکہ مصنف کے زمانے میں ایران میں لفظ "آغا"[1] صرف عورتوں کے نام کے آگے لکھا جاتا تھا۔ اس لیے مکتوب الیہ کو یہ بات کافی ناگوار گزری تھی۔ اس کے علاوہ لفظ "مشکور" سے بھی کافی پریشان ہوئے۔ محمد علی ایرانی نے مذکورہ بالا خط کو ایرانی فارسی میں اس طرح منتقل کیا:

عرض میشود دیا هدایت شوم، انشاء اللہ تعالی مزاج مبارک

---

[1] آغا۔ ولالہ۔ در ترکی در محل تعظیم بر القاب و اعلام زبان آرند" فرہنگ چراغ ہدایت ص ۱۱ جبکہ ہندوستان میں عام ایرانیوں کو آغا کہنے کا چلن ہے۔

جناب عالی را ملالی نیست، ہرگاہ از حال مخلص بخواہید بحمد للہ سالم ہستم از ملاقات با جناب عالی در سفر مکہ بسیار خوشحال شدم و زحمت عالی تشکر اظہار می دارم۔ دیروز اعلان در یک روزنامۂ فارسی خواندم کہ حسین علی نامی کتابی در آداب و اخلاقِ ایرانیان تصنیف نمودہ۔ اگر یک جلد برای من بفرستید متشکر می شوم۔ والسلام

ارادت کیش

ظاہر ہے کہ ہندوستانی فارسی داں نے اپنے خط میں ساتھ خیریت کے رہ کر آپ کی خیریت خداوند کریم سے نیک چاہتا ہوں" کا ٹھیٹ ہندوستانی فارمولا استعمال کیا تھا جس سے ایرانی ناواقف ہیں۔ "تشکر بہ ادا می کنم" شکریہ ادا کرتا ہوں کا لفظی ترجمہ ہے۔ اسی طرح فارسی میں اشتہار کو اعلان اخبار کو روزنامہ اور "مشکور" کی جگہ "متشکر" کہتے ہیں۔ "مشکور" کے معنی ہیں "جس کا شکریہ ادا کیا جائے۔ اس لیے مکتوب الیہ کا اس لفظ سے پریشان ہونا لازمی امر تھا۔

کسی اعلیٰ زبان سے پہلی بار الفاظ مستعار لینے والے بعض صورتوں میں پڑھے لکھے افراد ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ ان الفاظ کو ابتدا میں اصل معنوں میں استعمال بھی کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ مستعار لینے والی زبان کے سبھی افراد ان اصلی معنوں سے واقف نہیں ہوتے اس لیے رفتہ رفتہ یہ الفاظ اپنے اصلی معنوں سے دور ہو جاتے ہیں اور جب ان تبدیل شدہ معنوں کو استعمالِ عام کی سند مل جاتی ہے تو بعد میں پڑھے لکھے افراد بھی غیر شعوری طور پر ان کی پیروی کرنے لگتے ہیں، اردو نثر کے ابتدائی دور میں ہمیں ایسی متعدد تحریری شہادتیں ملتی ہیں جو اس کلیے کی تائید کرتی ہیں۔ یہاں خوف طوالت سے صرف چند ہی مثالیں پیش کی جا رہی ہیں:

لفظ	اردو میں موجودہ معنی	معنی از روئے اصل	مثالیں	حوالے
خاوند	شوہر (صوتی تغیر کے ساتھ خاوند)	آقا۔ مالک	(۱) خاوند آپ قدرداں ہیں (۲) پہلے سلطان سنجر کا ذکر	باغ و بہار ص ۳

لفظ	اردو میں موجودہ معنی	معنی از روئے اصل	مثالیں	حوالے
			تھا اور ایک گھوڑے کا خاوند تھا	گنج خوبی صد ۸۱
			(۳) نوکر خاوند کے کام کے نہیں رہے	قصہ مہر افروز دلبر صد ۲۵۱
عمدہ	اچھا، نفیس	سردار، وہ جس پر اعتماد کیا جائے۔	سب عمدہ امیر و وزیر کے پاس آئے۔	باغ و بہار صد ۱۸
مکان	گھر	جگہ	ایک مکان پر پہنچتی ہے کہ تہاں ایک جنگل پر رونق ہے	مہر افروز دلبر صد ۲۱۷
توقف	ہچکچاہٹ	ٹھہرنا، قیام	یہاں توقف کا مکان نہیں	باغ و بہار صد ۱۳۱
غضب	بمعنی زیادہ جیسے غضب کی سردی ہے آفت، مصیبت غیظ کیسا تھم مشتعل غیظ و غضب بمعنی غصہ	غصہ	مجھے اور بھی غضب زیادہ ہوا	باغ و بہار صد ۱۳
برپا ہونا	واقع ہونا جیسے قیامت برپا ہوگا ہے برپا ہونا، برپا کی جگہ بپا بھی کہتے ہیں	براپا = پاؤں پر (قائم)	جب تک یہ زمین و آسمان برپا ہیں۔ تمھارا تخت و تاج قائم رہے۔	باغ و بہار صد ۲۲
ادب دینا	ادب اردو میں صرف احترام کے معنوں میں مستعمل، سزا کے معنوں میں تادیب	سزا دینا	جس وقت میں کہ ادب دینا لازم تھا سب بخشش اور رہائی کا کیا ہوا۔	گنج خوبی صد ۱۴

لفظ	اردو میں موجودہ معنی	معنی از روئے اصل	مثالیں	حوالے
مصلحت	ذاتی بھلائی موقع شناسی	مشورہ	(۱) اپنے اس دل کے ارادے کی ابیروں سے مصلحت کی	گنج خوبی ص۴۲
			(۲) کام بغیر داناؤں کی مصلحت کے شروع نہ کرے۔	" " ص۵۱
			(۳) رات کو پہنچے مصلحت کیے	کربل کتھا ص۲۳
خوشبو	مہک	خوش + بو (بوئیدن کا امر) خوشبو دینے والا یعنی خوشبودار	(۱) اور مہک اس کی سے خوشبو ہے یہ دنیا کا چمن	گنج خوبی ص۳۸
			(۲) مزے میں شہد سے میٹھا اور مشک سے زیادہ خوشبو تھا	" ص۲۵۲
بدبو	گندہ	بدبودار کے معنوں میں	عمارت بہت بدبو ہے	ہراز دودلبر ص۲۱۸
بخار	تپ	ابخرے	بدبو بخار جو زمین کے نیچے بند ہو رہے تھے۔	" ص۲۴۹
وجہ	سبب	آمدنی، مشاہرہ	وجہ معیشت اس کی۔۔۔ اس کے دودھ سے ہوتی ہے	گنج خوبی ص۵۵
پیدا کرنا	معنی معروف	حاصل کرنا، لانا پیدا شدن یعنی نظر آنا مل جانا ع کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد	ایسا آدمی کہیں سے ڈھونڈ کر پیدا کرو	" " ص۶۳
دستگیر (کرنا)	دستگیری کرنا یعنی مدد کرنا	گرفتار کرنا، جدید فارسی میں اردو کے	(۱) ہم منقریب عزیز مصر کو دستگیر کرکے حضور میں لادیں گے۔	" ص۱۳۸

لفظ	اردو میں موجودہ معنی	معنی از روئے اصل	مثالیں	حوالے
		معنی اب مفقود ہیں۔ صرف گرفتار کرنا کے معنوں میں مشتمل	(۲) شاہ بندا کو دستگیر کر کے اس مسلمان کے حوالے کریں۔	باغ و بہار صد ۱۶۹
گلاب	ایک قسم کا مشہور پھول	آب گل = گلاب عرق گلاب	پانی کی جگہ اس میں گلاب ہے۔	مہر افروز صد ۲۲
			(۲) اور اوس سر کو چوم مشک زعفران و گلاب سے دھوئی	کربل کتھا صد ۲۲۹
فرصت	وہ وقت جب کوئی کام نہ ہو	(۱) مہلت (۲) موقع	تین روز کی فرصت مجھے دی لیکن وہ حرام زادہ فرصت نہ پاتا تھا	گنج خوبی صد ۱۷۹ کربل کتھا صد ۹۷
قضا	موت	قضارا = اتفاق سے	قضا سے ایک مرتبہ کشتی اوس کی دریا میں ٹوٹی	،، ،، صد ۲۳۳
برخوردار	اپنے سے چھوٹوں یا بیٹا یا بیٹی کو بطور دعائیہ مخاطب کرتے ہیں۔	بر = پھل، بعض بیر = لے، بخور = کھا اور بردار = رکھ سے مرکب بتاتے ہیں، کامیاب لطف اندوز ہونا	پھیر تخت و تاج سے اپنے تو برخوردار ہو سر شک سر بہ صحرا دادہ نور العین دامن ہے :: دل بے دست و پا افتادہ برخوردار بستر ہے	گنج خوبی صد ۲۰۴ غالب
عدالت	کورٹ، عدالت گاہ	عدل	عدالت کی تعریف اور بڑائی میں یہی نکتہ کفایت کرتا ہے۔	گنج خوبی صد

لفظ	اردو میں موجودہ معنی	معنی از روئے اصل	مثالیں	حوالے
کفایت	جزرسی	کافی ہونا	یہی نکتہ کفایت کرتا ہے	گنج خوبی ص
آسیب	بھوت، پریت	نقصان، تکلیف آسیب دیدہ = مصیبت زدہ	ان کی بدی کے آسیب سے مخلصی پادیں	،، گنج خوبی ص ۲۵۹
چغل [1]	اردو میں چغلی	چغلی کھانے والا	ان آنکھوں میں تبن گن ہیں چغل ہیں، چنچل کالے سے ہیں کہ جو بات ہووے سو یہ کہہ دیتی ہیں	مہر افروز و دلبر ص ۱۱۹
قصور	غلطی، گناہ	کوتاہی، کمی	(۱)، اس لیے مہمان داری کی خدمت میں قصور ہو گیا (۲) تیرے کام میں قصور نہیں کروں گا۔	گنج خوبی ص ۳۱۶ آرائش محفل ص ۱۰۱
نقل	معنی، معروف	نقل کرنا، بیان کرنا قدیم فارسی میں کہانی کو نقل کہتے ہیں	میں قصہ اپنا تجھ آگے نقل کروں	کربل کتھا ص ۲۳۵
ملازمت	نوکری	ہمیشہ ساتھ رہنا	کہیں ہمراہ گلی میں سلام ہو جائے ملازمت کو نہ رکھیے مکان پر موقوف	سحر
خاطر	کسی کی خاطر،	دل		

[1] بضم اول و ثانی ۔ شخصی باشد کہ آنچہ از مردم بیند یا شنود بحاکم و داروغہ وعسس یا جای دیگر نقل کند بسبب آنکہ آزار و نقصان بمردم و رنجش میان مردمان بہم رسد
برہان قاطع

حوالے	مثالیں	معنی ازروئے اصل	اردو میں موجودہ معنی	لفظ
آتش	شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ قناعت اک بہار بےخزاں ہے	دل	کسی کے لیے، خاطر کرنا، تواضع کرنا	
گنج خوبی صـ۲۱۶	اس کا خطرہ دل میں مت کرد	وہ بات جو دل میں گزرے، خیال	ڈر	خطرہ
" " صـ۲۶۱	اس کے خوش رہنے سے آپ بھی خوشی اور شادی کرے	خوشی	بیاہ	شادی
مہر افروز دلبر	یا تو سبھوں کی بہ طرح تھی کہ طرح طرح کے جواہر و کپڑے پہنے تھے۔ یا یہ طرح ہو گئی کہ....	حال، انداز، معیار کے معنوں میں بھی، جیسے طرح انداختن، مصرع طرح	قسم، مانند	طرح
کربل کتھا صـ۵	ہفتدہ نفر ذبح ہوئے	آدمی۔ فارسی میں آدمیوں کی تعداد ظاہر کرنے کے لیے کہتے ہیں یک نفر دو نفر	ملازم	نفر
فسانۂ عجائب صـ۲۹۴	سمجھا۔ مدت کے بعد دونوں کا مقابلہ ہوا ہے۔	ملاقات، آمنے سامنے ہونا	جنگ، تقابل	مقابلہ
باغ و بہار صـ۵۶	جدائی اس کی روز بروز نقصان میرے تن بدن کا کرنے لگی	کمی، فقدان	فائدے کی ضد	نقصان
" صـ۱۵۴	حرامیوں نے اس میدان میں	چور لٹیرا	ناجائز اولاد	حرامی

لفظ	اردو میں موجودہ معنی	معنی ازروئے اصل	مثالیں	حوالے
	حرامزادہ "گالی" کے طور پر بھی		ہمارے بھائی کو شہید کیا	
سیاست	POLITICS	سزا	تو سب سیاستیں سہتا اور اپنا ماجرا نہ کہتا	باغ و بہار ص ۱۵۴
مہتر	بھنگی، حلال خور	بزرگ	اے مہتر و بہتر بنی آدم	کربل کتھا ص ۲۵۱

اس طرح کے اور بھی کئی الفاظ مثلاً ترجمہ بمعنی سوانح عمری، حلیہ بمعنی نشست وغیرہ ابتدا میں پہلے اصل معنوں میں استعمال ہوتے رہے۔ لیکن یہ معنی رفتہ رفتہ بھلا دیے گئے اور انھیں اردو معنوں میں استعمال کیا جانے لگا۔ یہ اردو معنی اصل معنی سے مختلف بلکہ بعض صورتوں میں متضاد بھی ہو گئے ہیں۔ مثلاً فارسی میں 'تماشائی' کے معنی ہیں وہ چیز جو دیکھنے کے قابل ہو۔ لیکن اردو میں 'دیکھنے والا' کے معنوں میں مستعمل ہے۔ اسی طرح لفظ 'راشی' عربی میں اس شخص کو کہتے ہیں جو رشوت دے۔ لیکن اردو میں 'رشوت خور' کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ 'مشکور' عربی میں اس شخص کو کہتے ہیں جس کا شکریہ ادا کیا جائے۔ اردو میں 'شکر گزار' کے معنوں میں مستعمل ہے۔ صرف اردو ہی اس طرح کے معنوی انحرافات کی مجرم نہیں ہے۔ خود فارسی میں بھی اس طرح کی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً مفرس عربی لفظ 'مایوس' بمعنی 'ناامید' عربی میں استعمال نہیں ہوتا۔ اس موقع پر "آئس" کہتے ہیں۔ اور مایوس کے عربی معنی ہیں۔ "وہ شخص جس سے امید منقطع ہو گئی ہو۔" اسی طرح "شائق" کے عربی معنی ہیں۔ "شوق میں لانے والا اور معشوق" لیکن فارسی میں "مشتاق" کے معنوں میں استعمال ہونے لگا اور 'مایوس' اور 'شائق' کے فارسی معنی اردو میں قبول کر لیے گئے۔ اہل اردو نے ایک قدم آگے بڑھا کر شوق سے "شوقین" بنا لیا۔ ایرانی فارسی اور عربی سے ناواقفیت کی بنا پر اہل اردو نے منتخب کو "منتخب شدہ" منظور کو 'منظور شدہ' مامور کو 'مامور شدہ' استفادہ کرنا کو 'استفادہ حاصل کرنا'۔ اسی طرح فارسی الفاظ

'جوشیدہ' (جوش کھایا ہوا) کو 'جوشاندہ'، چغل کو چغل خور، خوشبو کو خوشبودار، بدبو کو بدبودار' گلاب کو 'عرقِ گلاب' وغیرہ بنا لیا اور عوام میں مخالِس، نامحرم، بے فضول، اور 'بن ناحق' جیسی ترکیبیں جن میں حشو (AUTOLOGY) ہے، مقبول ہو گئیں۔ اسی طرح 'اداکارہ'، 'شاگردہ' نازنینہ اور شاہینہ جیسے تصرفات بھی خاصے عام ہو چکے ہیں۔

اب تک ہم نے معنوی تغیرات کے اسباب کے سلسلے میں صرف اس بنیادی سبب پر روشنی ڈالی ہے کہ الفاظ نئے ماحول اور اسی لیے بدلے ہوئے سیاق و سباق میں اپنے معنی بدل دیتے ہیں۔ لیکن دخیل الفاظ کے اصل معنوں سے ناواقفیت تو وہ شرطِ اولین ہے۔ جس کی بدولت وہ آزاد ذہنی فضا ملتی ہے جس میں معنوی تغیرات کے سارے امکانات ابھرتے ہیں۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس آزاد ذہنی ماحول میں وہ کون سے محرکات کام کرتے ہیں جن کی وجہ سے ایک دخیل لفظ معنوی تغیرات کی منزلوں سے گزرتا ہے یہ تو طے شدہ امر ہے کہ لفظ کا خیال یا شئے موسومہ سے کوئی خلقی رشتہ نہیں ہوتا۔ البتہ اس کا انسانی ذہن سے گہرا رشتہ ہوتا ہے۔ اس لیے تغیرِ معنی کے اصل اسباب انسانی ذہن کی کارکردگیوں ہی میں تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن انسان خلا میں نہیں جیتا۔ بلکہ وہ زمان و مکان کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ اس لیے خارجی ماحول ایک طاقتور محرک کی حیثیت سے انسانی ذہن پر اثرانداز ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تغیرِ معنی کی توجیہہ کے سلسلے میں خارجی ماحول کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ خارجی ماحول ہی وہ ذہنی قوتیں تحریک میں لاتا ہے جو تغیرِ معنی کے سلسلے میں اپنا رول ادا کرتی ہیں۔ انسانی ذہن فعال بھی ہے اور منفعل بھی۔ وہ خارجی قوتوں سے متاثر بھی ہوتا ہے اور ان قوتوں کو سمت و رفتار بھی عطا کرتا ہے اس لیے تغیرِ معنی کے اسباب کو دو حصوں میں موٹے طور پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) خارجی اسباب (۲) نفسیاتی اسباب

خارجی اسباب

خارجی ماحول تین طرح کا ہوتا ہے۔ (الف) جغرافیائی (ب) معاشرتی اور (ج) مادی۔

(الف) جغرافیائی ماحول:

جغرافیائی تبدیلی کے سلسلے میں لیہ مین لکھتا ہے:

"جب برطانوی باشندے امریکہ میں بس گئے تو انھوں نے وہاں کے ایک پرندے کو اپنے ملک کے پرندے ROBIN کا نام دیا۔ یہ پرندہ رنگ میں 'رابن' سے ملتا جلتا ہے۔ لیکن اس سے چھوٹا ہوتا ہے۔" [1]

اس کی متوازی مثال ہندوستان میں بھی ملتی ہے۔ ہندوستانی پرندہ طوطا (جسے اب 'توتا' بھی لکھنے لگے ہیں) ایرانی پرندے 'طوطی' سے مشابہ لیکن اس سے مختلف پرندہ ہے [2] طوطی، طوطے کے مقابلے میں چھوٹا ہوتا ہے اور اسے 'توت' (جسے ہم شہتوت کہتے ہیں) سے بڑی رغبت ہوتی ہے۔ اسی لیے اسے 'توتی' کہنے لگے۔ اور عربی رسم الخط کے زیر اثر 'طوطی' لکھنے بھی لگے۔ اس طرح کی دوسری مثال 'بلبل' ہے۔ ہندوستان میں جس پرندے کو 'بلبل' کہا جانے لگا وہ ایرانی بلبل سے مختلف پرندہ ہے۔ گو اس سے ملتا جلتا ہے۔ فارسی میں جس جانور کو 'شیر' کہتے ہیں اسے اردو میں شیر ببر (LION) اور جسے ببر [3] کہتے ہیں اسے اردو میں 'شیر' بمعنی باگھ (TIGER) کہا جاتا ہے۔ مدلول میں یہ تبدیلی جغرافیائی ماحول میں تبدیلی کی بدولت ہوئی ہے۔

تارا پوروالا نے اس سلسلے میں لکھا ہے:-

"وید میں لفظ 'اُشٹر' उष्ट्र بھینسے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ لیکن بعد میں 'اونٹ' کے لیے مخصوص ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ویدک سنسکرت بولنے والے لوگوں نے اس ملک سے جہاں

---

[1] ص ۲۰۵ HISTORICAL LINGUISTICS ص ۲۰۵ "عامۃ الشعرای ہند و ایران طوطی را شکر خوار گویند، حالانکہ طوطی کہ آنرا بہندی توتا، خوانند با شکر کاری ندارد" نوادر الفاظ

[3] فرہنگ کوچک - انگلیسی - فارسی - حییّم

بھینسے پائے جاتے تھے۔ اس ملک میں ہجرت کی جہاں اونٹ پائے جاتے ہیں۔ ؎۱

لفظ 'آلو' کی کہانی بھی دل چسپ ہے۔ فارسی میں یہ ایک پھل کا نام ہے اور مختلف پھلوں کا جزوِ نام بھی جیسے شفتالو، آلو بالو، شاہ آلو، آلوچہ۔ کہا جاتا ہے کہ اکبر بادشاہ نے کابل سے شاہ آلو منگوا کر اس کی قلم ہندوستان میں لگوائی تھی ؎۲ لیکن آگے چل کر "آلو" اردو میں اس چیز کو کہا جانے لگا۔ جسے فارسی میں "سیب زمینی" کہتے ہیں۔

(ب) معاشرتی ماحول:

افراد طبقوں میں اور طبقے سماج میں بٹے ہوتے ہیں۔ ہر سماجی طبقے کی اپنی روایات، اپنے رسوم و رواج اور اپنا مخصوص ماحول ہوتا ہے۔ یہ طبقے مذہبی بنیادوں پر بھی بٹے ہوتے ہیں اور معاشی بنیادوں پر بھی، پیشہ ور طبقے اپنے اپنے پیشوں سے متعلق مخصوص اصطلاحیں گھڑ لیتے ہیں جنھیں متعلقہ طبقے ہی سمجھتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں۔ فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں، مرتبہ ظفر الرحمان کے مطالعے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کس طرح اردو گو پیشہ ور برادریوں نے خاص خاص اصطلاحیں خاص خاص چیزوں کے لیے وضع کی ہیں اور اس مقصد کے لیے اکثر صورتوں میں مفرس عربی و فارسی ذخیرۂ الفاظ کا سہارا لے کر انھیں نیا مفہوم دیا ہے۔ ایسی سینکڑوں اصطلاحیں ہیں جن میں سے کچھ یہاں نمونے کے طور پر نقل کی جاتی ہیں:

آتش خانہ: بھٹی جو حمام کرنے کو زمین دوز بنائی جائے۔

آفتاب مہتاب: کئی رنگ کے تاروں کا رفو۔

انجم جالی: پتھر یا لکڑی میں تارے کی وضع کی چھ کونی جالی

بلبل چشم: مختلف رنگ کے تانے بانے سے سادہ یا پھولدار بنا ہوا ریشمی کپڑا۔

؎۱ ELEMENTS OF THE SCIENCE OF LANGUAGE ؎۲ بحوالہ خانی خان منقول از "ہندوستان میں اسلامی حکومت کے تمدن کا اثر"۔ شبلی۔ مقالات شبلی دہلی ایڈیشن ص ۱۲

مختلف کپڑوں کے نام جیسے آبِ رواں، تمامی، تن زیب، دریان، گلبدن، گلشن، مرم جامہ وغیرہ

شبنمی: شبنم سے بچاؤ کے لیے کپڑے کا چھوٹا سا سائبان

گل دہر: گلدار کھونٹے

لت خورہ: دہلیز

طوفانی: لاکھ پکانے کی مٹی کی ہنڈیا

قلتنہ: جاڑوں میں غسل کے بعد جلد پر ملنے کا روغنی مسالہ

نرما: نرم اور لمبے ریشوں کی روئی وغیرہ

معاشرتی طبقوں کی طرح معاشرتی بولیاں بھی ہوتی ہیں۔ گلیسن نے معاشرتی بولیوں کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ (۱) مہذب گفتگو CULTIVATED SPEECH (۲) عوامی بولی FOLK SPEECH اور (۳) عام بولی COMMON SPEECH) مہذب گفتگو تعلیم یافتہ شہریوں اور عام طور سے متوسط یا اعلیٰ طبقے کی زبان ہوتی ہے۔ عوامی بولی، ان پڑھ نچلے درجے کے طبقوں اور دیہاتیوں کی زبان اور عام بولی ان دونوں کے بین بین ہوتی ہے۔ اسکول اور کالجوں میں مہذب گفتگو کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ادبی و علمی زبان کی اساس بھی مہذب گفتگو پر رکھی جاتی ہے اور اس میں استقلال اور یکسانیت پیدا کرنے کی شعوری کوششیں کی جاتی ہیں۔ مہذب طرزِ تخاطب مہذب گفتگو کی امتیازی خصوصیت ہے۔ اردو میں مخصوص طرزِ تخاطب کا ذکر کرتے ہوئے تارا پوروالا نے لکھا ہے:

> "اردو تخاطب کے سلسلے میں 'غریب پرور' اور 'بندہ نواز' جیسے مرکبات بھی استعمال کرتی ہے۔ ہندوستانی زبانوں میں اردو نے طرزِ تخاطب کے سلسلے میں شائستگی کو انتہا تک پہنچا دیا ہے۔ ایک شخص اپنے گھر کو 'غریب خانہ' اور شخص مخاطب کے مکان کو 'دولت خانہ' کہتا ہے۔ اسی طرح متکلم اپنے بارے

میں 'عرض کرتا ہوں'، اور دوسروں کے لیے 'فرماتے ہیں' کہتا ہے۔"[1]

اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو ایک زمانے میں نہ صرف شاہی سرپرستی حاصل رہی بلکہ یہ شاہی زبان بھی رہ چکی ہے اس پر درباری زندگی کے گہرے نقوش پڑے ہیں۔ اور یہ طرز تخاطب ہندوستانی فارسی سے وراثت میں ملا ہے۔ 'تشریف رکھیے'، 'نوش جاں فرمائیے'، 'شکریہ'، 'عنایت'، 'مہربانی'، 'مرحمت فرمایا'، 'عطا کیا'، 'حضور والا'، 'بندگان عالی'، 'قدم رنجہ فرمایا'، 'زیارت کی'، 'ملاحظہ فرمائیے' جیسے صدہا فقرے اردو زبان کے اجزائے لاینفک ہیں۔ ایک زمانے میں لکھنؤ کی زبان درباری رنگ میں سرتاپیر رنگی ہوئی تھی۔ السلام علیکم کی جگہ 'تسلیم'، 'کورنش (ترکی)' آداب، بندگی جیسے تعظیمی الفاظ مروج تھے۔ مخاطب کو قبلہ و کعبہ، سرکار اور اسی قسم کے الفاظ سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ مزاج عالی، مزاج مبارک مزاج اقدس، مزاج معلّیٰ وغیرہ کہہ کر معزز مخاطب کی خیریت دریافت کرتے ہیں۔"[2]

کبھی کبھی ایک ہی لسانی فرقے میں اعلیٰ سطح پر بھی دو معاشرتی بولیاں بیک وقت استعمال ہوتی ہیں۔ چیمبرلین کی کتاب HANDBOOK OF COLOQUIAL JAPANESE کے حوالے سے ناراپور والا نے بتایا ہے کہ جاپانی میں مہذب طرز گفتگو کو اس انتہا تک پہنچا دیا گیا ہے کہ وہاں دو بولیاں بن گئی ہیں۔[3] ڈپٹی نذیر احمد ابن الوقت کی زبانی کہتے ہیں۔

"دہلی کا قلعہ بجائے خود چھوٹی سی ریاست تھی۔ اہل ہنر اور اہل قلعہ کی زندگی اس قدر مختلف تھی کہ قلعہ ایک دوسری دنیا معلوم ہوتا تھا۔"[4]

اہل قلعہ اور اہل شہر کی زبانوں کا موازنہ کرتے ہوئے سید احمد دہلوی مولف فرہنگ آصفیہ

---

[1] ELEMENTS OF THE SCIENCE OF LANGUAGE صفحہ ۹۵

[2] گزشتہ لکھنؤ مرتبہ شمیم انہونوی صفحہ ۳۳۶

[3] ELEMENTS OF THE SCIENCE OF LANGUAGE صفحہ ۹۵

[4] ابن الوقت ۱۹۳۴ء دہلی ایڈیشن صفحہ ۹۰

لکھتے ہیں:

"اہلِ قلعہ اس زبان کے موجد تھے۔ اور اہلِ شہر ان کے متبع بلکہ اس زمانے میں بہت سے محاورے ایسے تھے جو خاص خاندان شاہی یا جہاں پناہ سے متعلق تھے۔"[1]

موصوف نے ایسے مخصوص محاوروں اور اصطلاحوں کی کچھ مثالیں بھی دی ہیں ہم یہاں صرف چند ہی مثالیں نقل کرتے ہیں جن میں مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔

چرن بردار = یعنی کفش بردار (یہ ہندوستانی فارسی کی دین اور عہدِ اکبری کی یادگار ہے)

خاصہ = بادشاہی یا امرائی کھانا۔ اس اصطلاح کا رواج دہلی کے نوابوں میں بھی ہو گیا تھا۔

آبِ حیات = بادشاہ کے پینے کا پانی جو گنگا سے آتا تھا۔

گلابی = شراب کی چھوٹی سی بوتل

باری دار = چوکیدار، صاحبِ عالم یا مرشد زادہ، یعنی شہزادہ۔ خاص تراش = شاہی حجام، منت خانۂ چوبی = باریک جالی دار کمرہ؛ ناموس = باندی (ناموس فارسی میں 'حرم' کے معنی میں مستعمل ہے)، گل کھانا = بطور نشانی چھلے وغیرہ کے داغ لگوانا؛ زمین پکڑنا = جم کر بیٹھنا؛ بستگی = انقباضِ خاطر وغیرہ۔ شاہی اور امرائی کھانوں کے نام بھی مختلف تھے۔ جیسے نورمحلی پلاؤ، نرگسی پلاؤ، حبشی پلاؤ، مثمن پلاؤ، زیر بریاں، من و سلویٰ یا فوتی، بادشاہ پسند دال، روٹی کی قسمیں جیسے آبی، تربادہ، نان گلزار اور کبابوں کے نام جیسے چینی کباب، گولر کباب وغیرہ، غرض ایک زمانے میں شاہی زبان عام زبان سے ممتاز تھی۔ اور اعلیٰ سطح پر دیگر الفاظ کے ساتھ مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ بھی معنوی تغیر سے گذرے ہیں۔ جس کا اصل سبب معاشرتی سطح کا اختلاف ہے۔

---

[1] مرقع زبان و بیان دہلی

عورتوں اور مردوں کی زبان میں تھوڑا بہت فرق شاید دنیا کی ہر زبان میں ہو لیکن معاشرتی ماحول میں اختلاف کے باعث یہ فرق اردو میں اس قدر نمایاں ہے کہ اُسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بقول مولوی عبدالحق:

"اس کی بڑی وجہ پردہ ہے۔ پردے میں رہ کر انھوں نے (عورتوں نے) اپنی دنیا ہی الگ بنالی تھی۔ ان کے شغل بھی جُداگانہ ہیں پکانا، بنیا، سینا، پرونا، گھر کی دیکھ بھال، بچوں کی پرورش، اور غور پرداخت، منگنی، شادی، بیاہ اور اس کی بیسیوں رسمیں طرح طرح کی تقریبیں، تیوہار، رسوم، کچھ مذہبی، کچھ نیم مذہبی کچھ توہمات پر مبنی، انھوں نے ..... نئی نئی رسمیں ایجاد کیں اور ان کے لیے لفظ بھی نئے نئے تراشے" [۱]

عورتوں کی یہ زبان اس قدر نمایاں تھی کہ دہلی اور لکھنؤ میں اس نے بیگماتی زبان کا نام پایا۔ اسی زبان نے ریختی کو جنم دیا اور لغات النساء کے نام سے سید احمد دہلوی نے ایک علیحدہ لغت مرتب کی اور اردو زبان اور عورت کے نام سے وحیدہ نسیم نے ایک کتابچہ لکھا۔ اردو میں عورتوں اور مردوں کی زبان میں اختلاف کی وجہ معاشرتی اختلاف کے علاوہ نفسیاتی بھی ہے۔ جس کی تفصیل نفسیاتی اسباب کے تحت بیان کی جائے گی۔ یہاں صرف معاشرتی ماحول کے اختلاف کے باعث عورتوں نے جو معنوی تصرفات کیے ہیں اُن کی چند مثالیں صرف عربی و فارسی دخیل الفاظ تک محدود رکھتے ہوئے پیش کی جاتی ہیں یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ تعلیم سے دوری کے باعث عورتوں کی زبان پر مردوں کے مقابلے میں کم عربی و فارسی زبان کے الفاظ ہوا کرتے تھے۔ اور انھوں نے مردوں کے مقابلے میں اس طرح کے الفاظ میں نسبتاً زیادہ صوتی، صرفی اور معنوی تصرفات کیے ہیں معنوی تصرفات کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں:

---

[۱] عورتوں کی زبان۔ مولوی عبدالحق، منقول از اردو میں لسانیاتی تحقیق ص ۱۲۵

اُشغلہ = بہتان، زناخی (دانشار دریائے لطافت میں لکھتے ہیں کہ دو عورتیں مرغ کے سینے کی ہڈی جسے زناخ یا جناخ کہتے ہیں توڑ کر سہیلی بنتی ہیں) سہیلی۔ کھنڈ قدری = منحوس، خیلا آبد شعور غالباً مخلا یا لطبع" سے) خشک کھاؤ (جاؤ خوش رہو)، شطاح (حرام کار) مغز کے کیڑے نہ اُڑا = میرا سر نہ بھرا، ابلا پری، نفاختی (نفع دقتی)، بدعتی = جھگڑالو، ہلاہل (کڑواہٹ کے معنوں میں) اللہ آمین کا پالا، دلالت برسنا: چہرے کا بادقار ہونا، ہوائی دیدہ وغیرہ، مخصوص رسموں سے متعلق الفاظ جیسے طاق بھرنا، بی بی کی صحنک، آرسی مصحف وغیرہ

مادی ماحول

تہذیبی ترقی کے ساتھ ساتھ انسان کا مادی ماحول بھی بدلتا ہے۔ نئی نئی ایجادیں مادی زندگی میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کرتی ہیں اور فکر و نظر کے زاویے بھی بدل ڈالتی ہیں۔ ان تبدیلیوں کے باعث زندگی کے دیگر شعبوں کے ساتھ ساتھ زبان کا متاثر ہونا بھی لازمی امر ہے۔ یوں تو نئی چیزیں ان کے ناموں کے ساتھ قبول کرلی جاتی ہیں لیکن کبھی کبھی ان کے لیے پرانے الفاظ نئے مفاہیم میں بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ تمباکو کی دریافت کے بعد حقّہ ہماری زندگی میں داخل ہوا۔ یہ لفظ اس مفہوم میں نہ تو ایران میں مستعمل ہے۔ نہ عرب ممالک میں "پیچواں" بھی حقّے کی ایک قسم ہے جس کی ایجاد نورجہاں سے منسوب ہے۔ یہ لفظ بھی ہندوستانی فارسی اور اردو کے لیے مخصوص ہے حقّے کے رواج کے ساتھ لفظ "ساقی" نے اردو میں نیا مفہوم اختیار کیا۔ یعنی وہ شخص جو اجرت پر لوگوں کو حقّہ پلائے۔ 'نے'، 'نیچہ بند اور 'ساقن' جیسے الفاظ حقّے کی نسبت سے وضع ہوئے۔ چائے میں دودھ کا استعمال بقول ابوالکلام آزاد انگریزوں کی لائی ہوئی بدعت ہے۔ اب دودھ کے ساتھ چائے کا چلن ہندوستان میں اس قدر عام ہے کہ لفظ "چائے" میں دودھ کا مفہوم شامل ہو گیا ہے۔ ایران میں ایسا نہیں ہے۔ دودھ ملی چائے کے لیے وہاں "شیر چائے" کہنا ضروری ہے۔ ورنہ صرف چائے مانگنے پر بغیر دودھ کی چائے ملے گی۔

نئی چیزوں کے علاوہ مستعار خیالات کی ترجمانی کے لیے اصل زبان کی اصطلاحوں کو استعمال کرنے کی جگہ ان کے ترجموں سے کام نکالا جاتا ہے۔ جیسے لسانیات کی اصطلاح

میں عاریت بالترجمہ کہتے ہیں۔ جب ہندوستان میں انگریزی حکومت کے قیام کے بعد نئی نئی ایجادات کے ساتھ ساتھ نئے نئے خیالات و تصورات کا سیلاب امڈ آیا تو اہل اردو نے ان کی ترجمانی کے لیے عربی فارسی الفاظ کی مدد سے انگریزی الفاظ کے ترجمے کرنے شروع کیے۔ جمہوریت مضمون، مقالہ، اداریہ، مدیر، خطبہ (بمعنی ایڈریس) صحافی، صحافت اور نامہ نگار جیسی اصطلاحیں عام ہوئیں۔ ابتدا میں انگریزی اصطلاحیں ہی استعمال ہوتی تھیں۔ مثلاً سر سید، حالی اور ڈپٹی نذیر احمد وغیرہ کی تحریروں میں سولزیشن، لیریچر، آرٹیکل اور نیشن جیسے انگریزی الفاظ کثرت سے ملتے ہیں۔ اس کی وجہ ان مصنفین کی انگریز پرستی نہیں تھی جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ مناسب اصطلاحوں کا فقدان تھا جب ان انگریزی اصطلاحوں کا مفہوم ذہنوں میں جاگزیں ہوا تو دھیرے دھیرے ان کے ترجمے، تہذیب آزادی، مقالہ اور قوم جیسے الفاظ کی شکل ہی کیے گئے۔ اور آج سنگ میل، سنگ بنیاد، افتتاح، نقاب کشائی، وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ، حزب مخالف، اور تحریک التوا، جیسی اصطلاحیں جو در اصل انگریزی اصطلاحوں کے ترجمے ہیں۔ عام ہو گئی ہیں۔ اسی طرح طیارہ شکن، جنگ باز، گیت نگار، مکالمہ نویس، پردہ سیمیں، فلمی ستارے، اور اس طرح کے بے شمار الفاظ نئے حالات کی دین ہیں۔ نئی تنقیدی اصطلاحیں جیسے نرگسیت، پیکریت، تناظر، منظر نامہ، نثری نظم، آزاد نظم، نظم معرا وغیرہ بھی اردو ادب کی ترقی کے ساتھ ساتھ رائج ہو گئی ہیں۔ اب ڈاکٹری علاج اور مغربی تعلیم کے رواج کے بعد حکیم یونانی طریقۂ علاج کے لیے اور مدرسہ اور مکتب مشرقی طریقۂ تعلیم کے لیے مخصوص ہو گئے ہیں۔

صرف نئی ایجادیں ہی نہیں بلکہ تاریخی حالات بھی ہماری زندگی میں انقلاب کے موجب ہوتے ہیں۔ اور بعض الفاظ یادگار کے طور پر چھوڑ جاتے ہیں۔ مثلاً گنگا جمنی مرکبات، مرہٹہ گردی، نادر گردی، نادری حکم، اشراف گردی، غدر، اور تنگ زیب چھوڑنا، وغیرہ تاریخی پس منظر رکھتے ہیں۔ اسی طرح یار غار، ہجرت، قطامہ دشتم کو حضرت علی کے قتل پر آمادہ کرنے والی عورت کے نام قطام سے) کی تہہ میں بھی تاریخی واقعات ہیں۔

مغلیہ دورِ حکومت میں نئی نئی انتظامی اصطلاحیں ہندوستانی فارسی میں رائج ہوئیں اور وہیں سے اردو میں آئیں، جیسے زمیندار، تحصیلدار، محصول، مالگزاری، جاگیر، جاگیردار، معاش، ضلع، علاقہ، تعلقہ، صوبہ وغیرہ۔ یہاں انگریزی حکومت کی دی ہوئی چند سیاسی اصطلاحیں بھی قابلِ ذکر ہیں۔ جیسے تحریکِ خلافت، عدمِ تعاون، ترکِ موالات، ریشمی خطوط کی تحریک، معرکۂ کانپور، تقسیمِ بنگالہ وغیرہ۔ اگر متعلقہ سیاسی واقعات رونما نہ ہوئے ہوتے تو یہ الفاظ بھی جنم نہ لیتے اور نہ وہ مفہوم ادا کرتے جو وہ آج کر رہے ہیں۔

مخصوص مذہبی رسموں کی بدولت بھی نئی نئی اصطلاحیں رائج ہو جاتی ہیں۔ جیسے عرس (عربی میں دعوتِ ولیمہ کو العرس العروس کہتے ہیں) نذر، نیاز، چہلم وغیرہ۔ ہندوستان کو چھوڑ کر دوسرے ممالک مثلاً ایران، ترکی، ملایا وغیرہ میں مسلم باشندوں کے نام مقامی یا ملکی زبانوں ہی سے مستعار ہوتے ہیں۔ لیکن ہندوستانی مسلمان اپنے بچوں کے نام بالالتزام عربی و فارسی سے مستعار لیتے ہیں۔ اس کی وجہ نہ تو عرب دوستی یا اسلام پرستی ہے اور نہ اپنے وطن سے بے اعتنائی جیسا کہ تنگ نظر فرقہ پرست سمجھتے ہیں۔ ایران و ترکی کے برخلاف ہندوستان میں ہندوستانی مسلمان ہمیشہ اقلیت میں رہے۔ اس لیے اپنا مذہبی تشخص برقرار رکھنے کی خاطر انھوں نے ہندوستانی بالخصوص ہندو ناموں سے اجتناب کیا۔ ورنہ آج بھی مسلمانوں کے خاندانی نام (SURNAME) بالخصوص کوکن اور دکن میں خالص ہندوانہ ہوتے ہیں۔ عام طور پر ہندوستانی مسلمانوں کے نام اسمائے الٰہی پر رکھے جاتے ہیں۔ جن کی ابتدا میں لفظ 'عبد' ہوتا ہے۔ جیسے عبدالستار، عبدالغفار وغیرہ یعنی ستار کا بندہ، غفار کا بندہ لیکن بول چال میں 'عبد' غائب ہو جاتا ہے۔ اور غفار، ستار، رحیم، کریم وغیرہ رہ جاتے ہیں جو دراصل اسمائے الٰہی ہیں۔ یہ کھویا ہوا 'عبد' کبھی کبھی 'عبدل' کی شکل میں بھی نظر آتا ہے۔

کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ مادی حالات کے بدل جانے کے بعد نئی چیزوں یا نئے خیالات کی ترجمانی کے لیے نئے الفاظ وضع کرنے کے بجائے پرانے الفاظ ہی سے کام لیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک زمانے میں کاغذ 'پے پی رس' (PAPYRUS) نامی کوڑے سے بنتا تھا۔ اور

اسی رعایت سے انگریزی میں اسے PAPER کہتے ہیں۔ آج کاغذ کسی اور مادے سے بنتا ہے۔ لیکن انگریزی میں لفظ 'پیپر' اسی طرح قائم رہا، قدیم مخطوطوں میں عنوانات سُرخ یا شنگرفی روشنائی سے لکھے جاتے تھے اور اسی رعایت سے 'سُرخی' کہلاتے تھے۔ آج سیاہ روشنائی سے لکھے جاتے ہیں۔ لیکن لفظ 'سرخی' جوں کا توں قائم ہے۔ 'ولایت' ایرانیوں کے عہد حکومت میں ایران سے مختص تھا۔ انگریز آئے تو انگلستان 'ولایت' بن گیا۔ دکن میں پرتگالیوں کا غلبہ تھا تو یہی ہمارے لیے فرنگی تھے۔ پھر فرانسیسی اور انگریز بھی فرنگی کہلائے۔ لکھنؤ میں فرانسیسیوں کی بنائی ہوئی کوٹھی علمار کا مسکن بننے کے بعد فرنگی محل اور یہاں سے فارغ التحصیل علما فرنگی محلی کہلائے۔ لفظ صاحب کے لغوی معنی تھے دوست، پھر آقا کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ اور کلمہ تعظیمی کے طور پر آج بھی جزوِ نام ہوتا ہے۔ جب انگریز آقا بنے تو انگریز صاحب اور پھر صاب بنے جب ایک ہی شے اپنے رنگ کی وجہ سے 'سیاہی' یا 'سبزی' قرار پائی تو پھر سرخ رنگ کا سیال بھی سرخ سیاہی بنا اور سرخ ٹماٹر 'سبزی' قرار پایا۔ غرض بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ اردو میں مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ نے بھی اپنے معنی بدلے۔

نفسیاتی اسباب

تغیر معنی کا دوسرا اہم سبب لسانی کلام کا 'مجازی' ہونا ہے۔ انسان بول چال میں صنائع معنوی کے استعمال سے الفاظ کے معنی بدل ڈالتا ہے۔ صنائع معنوی میں ایہام و کنایہ، طنز، استعارہ مبالغہ آرائی وغیرہ تغیر معنی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ عام بول چال میں استعارے اور کنایے کا استعمال بے تکلفی سے کیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی برے آدمی کو شیطان یا فرعون اور نیک آدمی کو فرشتہ کہنا استعارے کی زبان ہے۔ اور یہ الفاظ اپنے معنی نہیں مدلول بدل دیتے ہیں۔ اکثر محاوروں کی اساس استعارے یا کنایے پر ہوتی ہے اور ان کے لغوی معنی مراد نہیں لیے جاتے اردو میں ایسے صدہا محاورے اور ضرب الامثال مستعمل ہیں۔ جن میں عربی و فارسی دخیل الفاظ کا استعمال ہوا ہے اس طرح یہ دخیل الفاظ معنوی تغیر سے دوچار ہوئے ہیں جیسے

شان ہاتھی کا نشان، خدا جمائی کرائے مگر دلائی نہ کرائے۔ آیا رمضان بھاگا شیطان آنکھ نہ دیدہ کاڑھے کشیدہ وغیرہ

ہندوستانی فارسی نے استعارے کا سہارا لے کر کچھ الفاظ وضع کیے جیسے دست پناہ خوشدامن، ہم زلف وغیرہ، اردو نے ان الفاظ کو اپنی معنوی تصرفات کے ساتھ قبول کرلیا۔

کنایے کی ایک قسم 'حسن تعبیر' ہے۔ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو تحریم (TABOO) کا حکم رکھتی ہیں۔ اور جنھیں مہذب گفتگو میں ناگزیر صورتوں میں حسن تعبیر کا سہارا لے کر بیان کیا جاتا ہے اور اس طرح الفاظ نئے معنی اختیار کر لیتے ہیں۔ پردہ نشین عورتیں اپنی فطری شرم و حیا کے لیے مشہور ہیں۔ ان کی زبان میں حسن تعبیر کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ یہاں کچھ ایسی مثالیں پیش ہیں جن میں مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ سے کام لیا گیا ہے:

درد لگنا (گلے میں درد)، مرتی ہوں، بلا لائیں وہ داخ کو، جان صاحب)، محرم، آس مرادوالی، (صاحب اولاد عورت) تخت کی رات، صحنک سے اٹھنا (حائضہ ہونا)، اس بات کے لیے ایام سے ہونا، میلے سر سے ہونا وغیرہ بھی کہتے ہیں۔ فارسی کی تقلید میں 'بے نماز' ہونا بھی کہا جاتا ہے۔ حاملہ ہونے کو امید سے ہونا کہتے ہیں۔ الفاظ 'صحبت' اور 'ہم بستری' بھی حسن تعبیر کے ذیل میں آتے ہیں۔ اس سلسلے میں عورتیں مندرجہ ذیل اشارے استعمال کرتی ہیں۔ خیر ہونا، صندل گھسنا، خراب کرنا، وغیرہ۔ اس معاملے میں مرد بھی پیچھے نہیں ہیں، رفع حاجت، حوائج ضروری طہارت کرنا، پاکی کرنا، بدفعلی، بدخوابی، غلط کاری وغیرہ کہہ کر حسن تعبیر سے کام لیتے ہیں۔ کسی غیر مسلم متوفی کو 'مرحوم' کہنے میں تکلف ہوا تو اسے آنجہانی کہا جانے لگا۔ جانور ذبح کرنے کو حلال کرنا کہتے ہیں۔ عربی فارسی میں یہ معنی نہیں شاید ہندوستانی فارسی میں ہوں۔ الفاظ 'مدخولہ داشتہ، طوائف، خانگی، مالزادی، حرامی، حرام زادہ آشنائی وغیرہ حسن تعبیر کی مثالیں ہیں۔ لفظ 'بادشاہ' اصل میں 'پادشاہ' ہے۔ اپ اکو اب امیں تبدیل کرنے کی وجہ غالب کے الفاظ میں سنیے:

"پاد" بڑا پرانا لغت بمعنی بزرگ ہے اور اسی سے مرکب ہے۔
پادشاہ بمعنی سلطان عظیم۔ بادشاہ بموحدہ غلط ہے چونکہ ہندوستان

میں 'یاد' دگوز' کو کہتے ہیں۔ اس لیے بائے فارسی کی جگہ موحدہ لگادی ہے ۔ [1]

توہم پرستی کی بدولت بھی کنایے کا استعمال ہر زبان میں پایا جاتا ہے۔ بدشگونی سے بچنے کے لیے عورتیں چھپکلی کو مُردار کہتی ہیں۔ بری چیز ہمیشہ دشمن کے حصے میں آنی چاہیے اس لیے کہتے ہیں۔ "نصیب دشمناں طبیعت تو نہیں ناساز ہے۔ پھر دشمنوں کے مزاج ناساز ہیں" کہنے لگے۔ عربی و فارسی سے عین الکمال، چشم بد دور، خاکم بدہن جیسے مرکبات مستعار لیے گئے۔ عورتیں نظر بد سے بچنے کے لیے "حف دیدوں میں" "میری آنکھوں میں خاک" "حف تمھاری نظر" "تمھارے دیدوں میں رائی نون" وغیرہ کہتی ہیں۔ کسی کی موت یا بیماری کا ذکر کرنا ہو تو عورتیں کہتی ہیں 'تمھاری جان سے دور' بدشگونی کی بات چھیڑتے ہوئے "سات دریا درمیان" یا 'سات قرآن درمیان'، 'شیطان کے کان بہرے'، 'دور پار' وغیرہ کہتی ہیں۔ تاکہ آفت سے محفوظ رہیں۔ بلائیں لینا بھی اسی وہم کا نتیجہ ہے۔ بلائیں انگلیوں میں منتقل ہوجاتی ہیں اور انگلیاں چٹخا کر انھیں 'ختم' کر دیا جاتا ہے۔

طنز سے بھی لفظوں میں معنوی تغیر ہوتا ہے۔ اردو میں ذات شریف، جنتی سبز قدم وغیرہ طنز کے موقعوں پر استعمال ہوتے ہیں۔ 'شیطانی حرکت'، 'رحمانی حرکت' بن جاتی ہے عورتوں کی زبان پر 'حرافہ'، 'ابلا پری'، 'نیک بخت تخت چڑھی' (کاہل عورت کے لیے) اندھی بلبتانی، اور تبارک کی روٹی'، (بدصورت عورت کے لیے) موم کی مریم (کام کاج کے لیے ناقابل، نازک اندام عورت کے لیے) جیتھڑیا یا گدڑیا پیر (پھٹے حالوں پھرنے والی عورت کے لیے) شرع توڑنے والی (شریعت کی پابندی کرنے والی بطور طنز) صندل کے چھاپے منہ پر لگنا (بدنامی ہونا) سات پردے لگنا (جھوٹ موٹ کی حیا کرنا) وغیرہ

---

[1] منقول از فرہنگ غالب ص۶۔ اس کی تائید سراج الدین علی خان آرزو کے اس اندراج سے بھی ہوتی ہے "یادشاہ در ہندوستان بہائے تازی شہرت دارد ظاہراً از جہت استکراہ حرف اول از کلمہ بدور کہ بزبان ہندی قبیح است" فرہنگ چراغ ہدایت ص ۶۴

مبالغہ

زوربیان اور مبالغہ آرائی صرف ادبی زبان کا خاصہ نہیں، بول چال میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔ ہم جذبات کی رو میں ایسے کلمات استعمال کر جاتے ہیں جن کا دراپنی مفہوم باقی نہیں رہتا۔ بلکہ بعض صورتوں میں متضاد مفہوم ادا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں نارا یورد الا نے اپنی کتاب میں فرانسیسی اور انگریزی سے مثالیں دی ہیں۔ مثلاً ایک انگریز کہے گا:[1]

AN AWFULLY NICE MAN, I AM DREADFULLY SORRY THANKS AWFULLY

ظاہر ہے اس سیاق و سباق میں AWFULLY اور DREADFULLY سے مبالغہ آمیز کیفیت کا اظہار ہوتا ہے۔ جبکہ یہ الفاظ بذات خود متضاد مفہوم کے حامل ہیں۔ اہل اردو بھی اس کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔ اور ایرانیوں سے متاثر بھی، مثلاً فارسی میں قیامت کردن، کوئی کام انتہائی حسن و خوبی سے ادا کرنے کے معنوں میں مستعمل ہے۔ قامت محبوب کو قیامت اور اس کے غمزے کو ظلم سے تعبیر کرنا یا اسے ظالم اور کافر کہنا فارسی سے مستعار غزل کا طرز بیان ہے اردو میں ایسے فقرے بھی مستعمل ہیں۔ وہ بلا کا ذہین ہے۔ غضب کا خوبصورت ہے۔ فلاں قوال نے توغدر مچا دیا۔ وہ آفت کا ٹکڑا ہے ع

قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام

دہلی تو غدار (یعنی گنجان) شہر ہے وغیرہ۔ غصے کے عالم میں عورتیں مندرجہ ذیل مبالغہ آمیز فقرے استعمال کرتی ہیں۔ ناخن پر قربان کرنا (حقیر ترین جاننا)[2] مردار، درگور (یعنی قبر میں جائے) میری پاپوش سے (میری جوتی سے کی جگہ) وغیرہ۔ عورتوں کے یہ کوسنے بھی ملاحظہ ہوں۔ پیر پیغمبر کی مار پڑے، علم لوٹے، بی بی کی جھاڑو پھرے، نمک پھوٹ پھوٹ کر نکلے، داغ نکلے، گور کھائے، مردہ شوٹے جائیں۔ وغیرہ

---

[1] ELEMENTS OF THE SCIENCE OF LANGUAGE صہ ۹۹

[2] ایسے موقع پر مرد کہتے ہیں پشم سے (جو فارسی سے مستعار ہے۔)

تلازمہ

انسانی ذہن کا ایک بات سے دوسری بات اور ایک خیال سے دوسرے خیال کی طرف منعطف ہونا، چاہے ان میں مناسبت کا رشتہ ہو یا تضاد کا، ایک فطری عمل ہے۔ بظاہر غیر متعلقہ باتیں تحت الشعور میں آپس میں جڑی ہوتی ہیں۔ انسانی شعور ان میں ربط پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہر زبان میں کچھ ایسے الفاظ ہوتے ہیں جو ایک سے زیادہ خیالات کی ترجمانی کی پوشیدہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ لیکن جب کوئی زبان یہ الفاظ مستعار لیتی ہے تو انھیں کسی ایک معنی میں استعمال کرتی ہے اور رفتہ رفتہ یہی معنی متعین ہو جاتے ہیں۔ اور دوسرے معنی یکسر نظر انداز کر دیے جاتے ہیں۔ اگر کسی لفظ کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ابتدا میں اس کے کچھ اور ہی معنی تھے اسے لغوی معنی کہتے ہیں۔ بعد میں یہ لفظ معنوی تغیرات کے مختلف مراحل سے گزرتا ہے اور جو معنی اختیار کرتا ہے اسے 'مرادی معنی' کہا جاتا ہے۔ مرادی معنی' کا مطلب یہ ہے کہ فلاں لفظ کے فلاں سیاق و سباق میں فلاں معنی ہیں۔ مرادی معنی کو مجازی معنی بھی کہتے ہیں اور پھر یہی اس کے اصل معنی قرار پاتے ہیں۔ مرادی معنی کے تعین کے لیے لغوی معنی میں پہلے ہی سے کوئی معنوی قرینہ موجود ہوتا ہے۔ کبھی کبھی خارجی حالات کی بدولت کسی ایک معنوی پہلو پر زور دیا جاتا ہے تو کبھی یہ زور دوسرے معنوی پہلو پر منتقل کر دیا جاتا ہے۔ جسے اصطلاح میں 'نقل تاکید' (SHIFT OF EMPHASIS) کہتے ہیں اور اس طرح لفظ ایک ہی مرادی مفہوم سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ پھر یہی مرادی معنی اس کے اصل معنی قرار پاتے ہیں۔ کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں۔ ایک مفرس عربی لفظ ہے 'انتشار' اس کا مادہ ن۔ش۔ر ہے۔ عربی میں نشر کثیر المعنی لفظ ہے۔ اگر یہ لفظ کپڑے کے سیاق و سباق میں استعمال ہو تو اس کے معنی ہیں اس نے کپڑے پھیلائے۔ خبر کے سیاق و سباق میں ہو تو 'خبر افشا کی'، کسی چیز کے حوالے سے ہو تو 'چیز بکھیری'، اور لکڑی کے سلسلے میں ہو تو 'لکڑی چیری'، لیکن لفظ 'نشر' اردو میں محدود سیاق و سباق کے لیے قبول کیا گیا۔ مثلاً ریڈیو سے فلاں تقریر نشر ہوئی۔ مرکب "نشر و اشاعت" میں اشاعت کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ اسی سے لفظ انتشار مشتق ہے۔ عربی میں

یہ لفظ 'اشاعت' کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جدید فارسی میں یہ مفہوم قائم رہا۔ جیسے انتشاراتِ ملی، انتشار یافت، کتاب منتشر شد (یعنی کتاب شایع ہوئی) فارسی میں یہ لفظ خبر پھیلنے کے معنوں میں بھی مستعمل ہے۔ جیسے انتشار دارد کہ.... (یعنی خبر گرم ہے کہ.....)۔ اس لفظ میں بکھرنے اور تتر بتر ہونے کا مفہوم پوشیدہ ہے۔ اہل اردو نے اس لفظ کے اسی معنوی پہلو پر توجہ مرکوز کی اور اردو میں اس کے معنی قرار پائے۔ بدنظمی، پریشانی۔ ملک میں انتشار پایا جاتا ہے۔ وہ ذہنی انتشار میں مبتلا ہے۔ ہمارے یہاں مجمع منتشر ہوتا ہے۔ ایران و عرب میں کتاب نشر ہوتی ہے۔ ایک اور مثال لیجیے: آگاہی یا آگہی یہ لفظ 'آگاہ' سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں واقف ہونا۔ جدید فارسی میں یہ لفظ اطلاع (نوٹس) یا اشتہار کے لیے مخصوص ہو گیا۔ کیوں کہ ان کا مقصد بھی متعلقہ لوگوں کو کسی نہ کسی بات سے آگاہ کرانا ہوتا ہے۔ یعنی یہ لفظ محدود و مخصوص سیاق و سباق میں استعمال ہونے لگا۔ لیکن اردو میں عام سیاق و سباق کا قدیم مفہوم ہی باقی رہا۔ بقول غالب ع

آگہی دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تحریر کا

اسی طرح لفظ 'اشتہار' جو عربی و فارسی میں عام سیاق و سباق میں 'مشہور' ہونے کے معنی میں مستعمل ہے۔ اردو میں محدود سیاق و سباق میں اخبار میں چھپے ہوئے اعلان (ADVERTISEMENT) کے معنوں میں محدود ہو گیا۔

لفظ کے لغوی معنی کے اردگرد مرادی مفہوم کا ہالہ، نقل تاکید کی وجہ سے متاثر ہوتا ہے اور یہ لفظ نیا مفہوم اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً لفظ جنت کے لغوی معنی ہیں باغ اور جہنم کے معنی ہیں "گہرا کنواں" باغ سے فرحت بخش فضا کا اور گہرے کنویں سے عذابناک کیفیت کا تصور وابستہ ہے۔ اور یہی الفاظ جب مخصوص سیاق و سباق میں عربی میں استعمال ہوئے تو نقل تاکید کی وجہ سے مرادی مفہوم ہی اصل معنی قرار پائے اور اسلام کے ساتھ مختلف ممالک میں انھیں معنوں میں رائج ہوئے۔ نقل تاکید ہی کے باعث لفظ 'امیر' بمعنی حاکم اردو میں مالدار اور غریب بمعنی اجنبی پہلے محتاج و بے زبان اور پھر

مفلس کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ [1]

تغیر معنیٰ کی قسمیں

اب تک تغیر معنیٰ کے اسباب سے بحث کی گئی۔ اب ان کی قسمیں بیان کی جائیں گی۔ معنوی تغیر کا تجزیہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی لفظ کے معنی یا تو پھیلتے ہیں یا سکڑتے ہیں۔ یا پھر ان میں انحراف پیدا ہوتا ہے۔ جب کوئی لفظ ابتدا میں کسی ایک چیز یا بات پر دلالت کرے۔ لیکن آگے چل کر اس چیز یا بات کی پوری نوع کے لیے استعمال ہونے لگے تو کہا جاتا ہے کہ معنی میں توسیع پیدا ہوئی۔ اسے اصطلاح میں توسیع معنیٰ (EXTENSION OF MEANING) یا تعمیم کہتے ہیں۔ لیکن جب کوئی لفظ پوری نوع پر دلالت کرے۔ پھر بعد میں اس نوع کی صرف ایک چیز پر دلالت کرنے لگے تو کہتے ہیں معنی میں تحدید پیدا ہوگئی ہے اسے تحدید معنیٰ (CONTRACTION OF MEANING) یا تخصیص کہتے ہیں۔ لیکن اگر آگے چل کر لفظ کا مدلول ہی بدل جائے تو اسے انحراف معنیٰ (TRANSFRENCE OF MEANING) کہتے ہیں۔ کبھی کبھی تغیر ہبوطی سمت میں ہوتا ہے یعنی تقدس و عظمت پر دلالت کرنے والے الفاظ بُرے معنوں میں استعمال ہونے لگتے ہیں۔ اسے

---

[1] مقبول اصلیات (POPULAR ETYMOLOGY) کی بنا پر کچھ الفاظ میں جو صوتی تغیر ہوتا ہے اس کی تہ میں معنوی مماثلت کا احساس بھی کارفرما ہوتا ہے جس کی بنیاد لاعلمی سے پیدا ہونے والی غلط فہمی ہوتی ہے جیسے بقول آزاد کھوئی بھٹیاری (دو علی بختیاری) بیجے منزل (بدیع منزل)، یا پھر بمبئی کا ایک علاقہ جہاں تھیٹر کثرت سے ہوتے تھے اور جو پلے ہاؤس 'PLAY HOUSE' کہلاتا تھا پہلے 'پیلا ہاؤس' پھر 'پیلا حوض' بنا۔ لیکن یہ صرف صوتی تغیر کی مثالیں ہیں۔ ان میں معنوی تغیر لازم نہیں آتا۔ اسی طرح معنوی افراتفری (MALAPROPISM) اور طباطبائیت (SPOONERISM) سے مستقل معنوی تغیرات نہیں ہوتے۔ اس لیے یہاں ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔

انحطاط معنیٰ (DEGRADATION) کہتے ہیں۔ اگر اس کے برعکس ہو تو اسے تہذیب معنیٰ (AMELIORATION) کہا جاتا ہے۔ تغیر معنیٰ کی ان قسموں کا اطلاق دخیل الفاظ پر بھی ہوتا ہے۔ ہم نے اپنی بحث صرف مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ تک محدود رکھی ہے۔

(۱) توسیع معنیٰ یا تعمیم

جب عاریت کے بعد ایک لفظ کے سیاق و سباق میں وسعت پیدا ہوتی ہے تو اس کا نتیجہ توسیع معنیٰ کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ میں اس کی کچھ مثالیں ملتی ہیں :

گل ، فارسی میں گلاب کو کہتے ہیں۔ صرف مرکبات میں عام پھول کے معنی دیتا ہے جیسے گلِ یاسمن ، گلِ نسترن وغیرہ ، لیکن اردو میں گل عام پھول کو کہتے ہیں۔

چمن ۔ کیاری ، باغ کی نشست گاہ۔ لیکن اردو میں چمن باغ کے معنوں میں رائج ہے۔

پرستار ۔ قدیم فارسی میں غلام اور جدید فارسی میں نرس کے معنوں میں۔ اردو میں عام پرستش کرنے والا۔

(نوٹ : استعارے کے استعمال سے بھی معنی میں توسیع پیدا ہوتی ہے۔ جیسے کسی کو حاتم ، مجنوں یا فرعون کہنا۔ لیکن یہ استعمال دخیل الفاظ تک محدود نہیں ہے۔)

(۲) تحدید معنیٰ یا تخصیص

مستعار لینے والی زبانوں میں توسیع کے مقابلے میں تحدید کا رجحان زیادہ عام ہوا کرتا ہے۔ جب ایک لفظ کے سیاق و سباق میں تحدید پیدا ہوتی ہے تو وہ محدود معنوں میں استعمال ہونے لگتا ہے۔ اردو کے اکثر مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ تحدید معنیٰ کے عمل سے گذرتے ہیں۔

اصیل ، عربی و فارسی میں نجیف و شریف ۔ عام سیاق و سباق ، لیکن اردو

میں یہ صفت صرف گھوڑے، مرغ اور تلوار کے لیے مخصوص ہے۔

اِغوا = بہکانا، چاہے وہ کسی کو بہکانا ہو۔ عام سیاق و سباق۔ اردو میں صرف بچے یا عورت کو بہلا پھسلا کر بلکہ جبرًا اٹھالے جانے کے معنوں میں مستعمل ہے — اب HIJHIKING کو بھی اغوا کہنے لگے ہیں۔ اور اس لفظ کے معنوں میں تھوڑی وسعت پیدا کر لی گئی ہے۔

طائفہ = ہر گروہ۔ اردو میں ناچنے اور گانے بجانے والوں کا گروہ۔

سیپارہ = قرآن کے تیسوں اجزا۔ اردو میں صرف ایک جزو کو سیپارہ یا سِپارہ کہتے ہیں۔

شادی = عام خوشی۔ اردو میں بیاہ

قاضی = عام منصف۔ اردو میں نکاح پڑھانے والا

کمک = عام مدد۔ اردو میں صرف فوج کی مدد

حافظ = حفاظت کرنے والا۔ اور قرآن حفظ کرنے والا۔ اردو میں صرف دوسرے معنوں میں مستعمل ہے۔

مجاوِر = پڑوسی۔ عام سیاق و سباق۔ اردو میں مجاوِر سے مجاوَر بنا اور مقبرے کے پاس رہ کر اس کا انتظام سنبھالنے والے کے لیے مخصوص ہو گیا۔

محنت = عام تکلیف کے معنوں میں۔ اردو میں جو تکلیف کام کرنے سے ہوتی ہے اس کے لیے مخصوص ہو گیا۔

مرغا/مرغی۔ 'مرغ' فارسی میں عام پرندے کو کہتے ہیں۔ اردو میں علامت تذکیر ا۔ / ا/ اور علامت تانیث / ی/ بڑھا کر اس کے معنی محدود کر لیے گئے۔

انحراف معنی

دراصل انحراف معنی میں معنی کے ساتھ کبھی کبھی مدلول بھی بدل جاتا ہے۔ اس کا اصل سبب تلازمہ ہے۔ انحراف میں معنی زماں سے مکاں میں، جزو سے کل، ظرف

سے مظروف یا اس کے برعکس منتقل ہوجاتے ہیں۔ مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ میں انحراف معنی کی مثالیں ملتی ہیں مثلاً ناشتہ (فارسی میں ناشتا = بھوکا) اردو میں صبح کا کھانا۔

امیر۔ حاکم۔ اردو میں مالدار، غریب (اجنبی) اردو میں مفلس، رنج (فارسی میں تکلیف) اردو میں غم، مشروع (مطابق بہ شرع) ایک قسم کا کپڑا، شیخی = بزرگی اردو ڈینگ۔ مذاق (ذائقہ اور مزہ) اردو میں تمسخر اور ذوق کے معنوں میں بھی۔ مشاطہ (کنگھی چوٹی کرنے والی) اردو میں رشتہ لگانے والی عورت، صوتی تغیر کے بعد اردو میں کہتے ہیں۔

انحراف میں کبھی کبھی معنی بالکل متضاد ہوجاتے ہیں۔ سازش فارسی میں اتفاق اور مل جل کر کام کرنے کے معنوں میں مستعمل ہے۔ لیکن اردو میں کسی کے خلاف چھپ کر منصوبہ بنانے کو کہتے ہیں۔

انحطاطِ معنیٰ

الفاظ استعمال کرنے والے کا ذہنی رویہ اچھی چیزوں پر دلالت کرنے والے الفاظ کو برے معنی پہنا دیتا ہے۔ اور اس طرح معنی میں انحطاط پیدا ہوتا ہے۔ انشاءاللہ (جس کا عربی املا ان شاء اللہ ہے) خدا حافظ، اللہ توکل جیسے الفاظ کمزوری ایمان کی دلیل بن گئے۔ کسی کام کا وعدہ کرنے کے سلسلے میں اگر آپ نے انشاءاللہ کہا تو اس کے معنی ہوئے بس کام ہوچکا۔ اس کا تو خدا ہی حافظ ہے کا مطلب ہے اس کی حالت بہت ہی بری ہے پیغمبری تنگنا کے معنی ہیں مفلسی کا آنا اور بی بی فاطمہ کی جھاڑو تباہی کے لیے بھیم نے بکی بن ترائی ڈینگ بن گئی اور صلواتیں سنانا لعنت ملامت کرنا کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔

تہذیبِ معنیٰ

اندھے کو حافظ جی، بھنگی کو مہتر یا حلال خور اور سقہ کو بہشتی (جو اصل میں بہشتی

ہے) کہنا۔ تہذیب معنیٰ کی مثالیں ہیں۔ چونکہ جاگیر دارانہ نظام میں پیشہ وروں کو نیچ سمجھا جاتا تھا اس لیے اس احساس ذلت کو مٹانے کے لیے حجاموں کا خود کو "سلمانی" قصائیوں کا خود کو قریشی اور جلاہوں کا خود کو مومن یا انصاری کہنا تہذیب معنیٰ کے ضمن میں آتا ہے، محلی مدخولہ خانگی اور طوائف بھی تہذیب معنیٰ کی مثالیں ہیں۔

اردو میں معنوی تصرفات

اب ہم ان مفرس عربی و فارسی دخیل الفاظ کا ذکر کریں گے جن میں اردو نے معنوی تصرفات کیے ہیں۔ چونکہ اردو میں مفرس عربی و فارسی الفاظ مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے اردو میں داخل ہوئے ہیں اور ہر مرحلے پر وہ صوتی تغیرات سے دوچار ہوئے ہیں۔ اس لیے یہ معلوم کرنے کے لیے ان تغیرات میں خود اردو کا کیا حصہ ہے۔ یہ پتہ لگانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ اردو تک پہنچتے پہنچتے معنوی تغیرات کی کس منزل سے گزر چکے تھے اور پھر اردو نے ان میں کیا مزید تغیرات کیے ہیں۔ اس لیے ایسے دخیل الفاظ کو ہم دو حصوں میں تقسیم کریں گے۔

اول (الف) وہ مفرس عربی الفاظ جو اردو میں داخل ہونے سے قبل ایرانی فارسی میں معنوی تغیرات سے دوچار ہوئے ہیں اور جنھیں اردو نے فارسی سے جوں کا توں قبول کر لیا۔

(ب) وہ مفرس عربی و فارسی الفاظ جن میں ہندوستانی فارسی نے معنوی تغیرات کیے۔

دوم (الف) وہ مفرس عربی الفاظ جن میں اردو نے ایرانی تصرفات کے علاوہ مزید تصرفات کیے۔

(ب) وہ مفرس عربی الفاظ جن میں صرف اردو نے معنوی تصرفات کیے۔

(ج) وہ فارسی الفاظ جن میں ہندوستانی فارسی کے علاوہ اردو نے بھی معنوی تصرفات کیے ہیں۔

اول (الف) اس جدول میں وہ مفرس عربی الفاظ درج ہیں جو ایرانی فارسی ہی میں معنوی تصرفات سے دوچار ہوئے ہیں اور جنھیں اردو نے اسی شکل میں قبول کیا ہے۔

لفظ	عربی معنیٰ	فارسی معنیٰ جنھیں اردو نے قبول کیا
ابن الوقت	مصطلح اہل تصوف مقابل ابوالوقت[1]	نارسیان بمعنی شخصی کہ تنہا بمقتضائے وقت عمل کند و حقوقِ سابقہ را مطلقاً درنظر ندارد[1]
احسان	کوئی بھی کام خوبی سے کرنا	کسی خاص شخص سے حسن سلوک
اخلاص	خالص ہونا جیسے سورۂ اخلاص	بے لوث محبت
ادبار	پیچھے ہونا	تنزل
اسباب	(سبب = رسی) راستے کی جمع، تعلقات	وجوہ، سامان[2] جیسے اسبابِ خانہ
اشتہا	کسی قسم کی خواہش	کھانے کی خواہش، بھوک (تحدید معنیٰ)
اصل	جڑ، شریف الاصل ہونا، عمدہ ہونا	ماخذ، حقیقت، خالص نقل کی ضد
اعتراض	آگے آجانا، سامنے پھیل جانا	شکایت
اقبال	سامنے آنا	خوش نصیبی، قبول کرنا
بسم اللہ	خدا کے نام سے ابتدا کرنا	ان معنوں میں بھی رکھا، شروع کیجیے۔ فرمائیے اسی سے بسمل بنالیا۔
تخلص	نجات پانا، جدا ہونا	شاعر کا مختصر نام (قصیدے کے گریز کو تخلص کہتے ہیں۔)
تشریف	تعظیم کرنا، عزت کرنا	آنا، جیسے تشریف آوردن (وارد) تشریف لانا، تشریف داشتن (تشریف رکھنا)
تعمیر	آبادکاری	عمارت سازی، عمارت

[1] فرہنگ چراغ ہدایت صفحہ ۱۱۔ [2] سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں "اسباب کے معنی سامان کے، نہ عربی میں نہ فارسی میں ہیں۔ تمہید۔ نقوش سلیمانی، لیکن فارسی کی حد تک یہ رائے درست نہیں معلوم ہوتی۔

لفظ	عربی معنی	فارسی معنی جنھیں اردو نے قبول کیا
جلی	روشن	نمایاں اور موٹے حروف کے لیے
جناب	صحن، دہلیز	ان معنوں کے علاوہ خطابِ تعظیمی (اردو بول چال میں صرف خطابِ تعظیمی)
جہاز	۱۔ رختِ عروس (۲) کفنِ مردہ	معنی اول میں جہاز کی جگہ جہیز، بڑی کشتی
جیب	گریباں	فارسی تلفظ جیب Je اردو جیب Je، کیسہ، عرب اثنائے سفر میں گریباں کے اندرونی حصے میں تھیلی سی کر لگاتے تھے۔ اس لیے فارسی میں کیسۂ زر بن گیا۔ اردو اور فارسی شاعری میں جیب اگر گریباں کے معنوں میں استعمال ہو تو اس کا عربی تلفظ قائم رکھتے ہیں۔
حجاب	آڑ۔ پردہ	ان معنوں کے علاوہ شرم و حیا بھی
حریف	ہم پیشہ، دوست	عربی معنی میں بھی مستعمل جیسے حریفانِ بادہ پیما لیکن صرف فارسی میں، اردو فارسی دونوں میں دشمن کے معنی میں مستعمل
حضرت	الحضَر، الحضْرۃ = موجودگی، پہلو نزدیکی، مکان کے سامنے کا صحن	کمال تعظیم کے لیے طرزِ تخاطب[1]
حظ	حصہ	ان معنوں کے علاوہ "لذت"

[1] لفظ عربیت بمعنی نزدیکی و آستاں و چوں در فارسی در محلِ کمالِ تعظیم استعمال نمایند مثلاً فرمایند "حضرتِ استاد چنیں فرمودہ بمعنی اصلی ان مہجور شدہ، تعظیم محض ازاں مراد ست" فرہنگ چراغ ہدایت صہ ۱۱

لفظ	عربی معنی	فارسی معنی جنھیں اردو نے قبول کیا
حور	حَورا ۔ عربی میں اس کا اطلاق مرد اور عورت دونوں پر ہوتا ہے حَورا کی جمع حور ہے ۔	فارسی اور اردو میں بطور واحد مستعمل، صرف صیغۂ تانیث میں اس کی جمع حوران یا حوریان ہے ۔ (اردو میں حوریان مستعمل نہیں)
حیوان	جاندار	جانور (زندگی کے معنوں میں، جیسے آبِ حیوان)
خلف	جانشین ہونا	اچھی اولاد کے لیے بھی مستعمل جیسے فرزند خلف بری اولاد کو ناخلف کہتے ہیں ۔
خیل	گھوڑوں کا گروہ	ہر مجمع (توسیع معنیٰ)
دہشت	تعجب و حیرانی	خوف
دیانت	دینداری	ایمانداری
رسم	نشان، خاکہ، فوٹو، محصول	رواج (رسوم میں محصول کے معنی موجود ہیں)
رقیب	نگہبان	دشمن، دوسرا عاشق
روضہ	باغ	مقبرہ، مجلس عزا (بھی اردو میں صرف پہلے معنیٰ)
سبق	سبقت، گھڑدوڑ	فارسی میں وہی سبق ہے جو استاد سے پڑھتے ہیں[1]
سماجت	سماجۃ ۔ سموجۃ = قبیح ہونا	خوشامد (اس لیے کہ یہ بھی فعلِ قبیح ہے)
سند	سہارا ۔ ٹیک	تصدیقی دستاویز (ظاہر ہے کہ اس کے سہارے سے بات مانی جاتی ہے ۔)
شان	شأن = ارادہ ۔	شوکت و عظمت کے معنوں میں جیسے شان و شوکت

[1] سخندانِ فارس ۔ محمد حسین آزاد ص ۲۳۶

لفظ	عربی معنی	فارسی معنی جنھیں اردو نے بھی قبول کیا
	شأن شأنک = اس نے تمھارے جیسا ارادہ کیا۔ ما شأن شأنک = اس نے تمھارے کام کی پروا نہ کی	
شخص	شخص الشّی = بلند ہونا شخص النجم = ستارے کا طلوع ہونا	آدمی
شراب	الشرب = پینے کا پانی	نشہ آور معروف سیال (تحدید)
شربت	الشربۃ = بہت پینا، اتنا پانی جو ایک بار میں پیا جاسکے	خوش ذائقہ مشروب، خوش ذائقہ سیال جو دوا کے طور پر کام آئے، جیسے شربت بنفشہ
شکل	مشکل معاملہ، عورت کا ناز و انداز	چہرہ
شمّہ	سونگھنا	(اردو میں شمّہ) ایسی ذرا سی چیز جو سونگھنے کے لیے کافی ہو، تھوڑا سا "شمہ از احوال خود باز نمود"
شہوت	کسی قسم کی خواہش	جنسی خواہش (تحدید)
صلاح	بھلائی	مشورہ (مشورہ بھلائی ہی کے لیے دیا جاتا ہے)
طیّار	اڑنے والا	آمادہ [1] (اردو میں اسے تائے قرشت سے لکھتے ہیں) 'تیار' کے معنی عربی میں موج کے ہیں۔

[1] بقول غالب۔ بازداروں میں اس لفظ نے جنم لیا۔ 'طوے' 'تے' بن گئی۔ یعنی جب کوئی شکاری جانور شکار کرنے لگا۔ بازداروں نے بادشاہ سے عرض کی فلاں باز۔ فلاں شکرہ طیار شدہ است و صید میگرد۔ بہرحال اب تائے قرشت سے یہ لفظ نیا نکل آیا۔

لفظ	عربی معنی	فارسی معنی جنھیں اردو نے بھی قبول کیا
طریقۃ	عادت، حالت، مذہب	طریقہ، بمعنی طور، ڈھنگ ۔
ضبط	نگاہ رکھنا	قرق کرنا، جذبات کو قابو میں رکھنا
عرض	پھیلانا	پیش کرنا، بیان کرنا
عزت	بلند مقامی	احترام
عشرت	اچھی زندگی گزارنا	عیش و نشاط [۲]
عشوہ	العشوۃ / العشوۃ = شعلہ جو رات کو دور سے دکھائی دے	ناز و غمزہ (فارسی میں یہ معنی استعارۃً آئے)
عنایت	کسی کے واسطے تکلیف برداشت کرنا۔ ارادہ کرنا	مہربانی (عنایت کردن = دینا، عطا کرنا)
عورت	چھپانے کے اعضاء	ان معنوں کے علاوہ مجازاً زن (حکیم کی لغت میں عورت بمعنی "زن" موجود ہے)
عیش	العیش = کھانا، روٹی، زندگی	راحت، آرام
عیاش	معنی دیے جا چکے	
غایت	گھڑدوڑ کی آخری حد	مقصد = انتہا

---

[۱] اور عبارت فارسی میں اس کا استعمال بھی جائز نہ ہوگا۔ فرہنگ غالب صفحہ ۱۷۲-۱۷۱
تحتی حاشیے میں امتیاز علی عرشی لکھتے ہیں ۔"میرزا صاحب کا اس لفظ کو بمعنی آمادہ دمہیا
اردو قرار دینا اور فارسی عبارت میں اس کے استعمال کو روکنا درست نہیں یہ لفظ بمعنی مذکور
ایران ہی میں پیدا ہوا ہے۔ [۲] در معنی عیش و نشاط استعمال فارسیاں است شرح سہ نثر ظہوری
از- امام بخش صہبائی

لفظ	عربی معنی	فارسی معنی جنھیں اردو نے قبول کیا
غرض	نشانہ	مقصد، مفاد
غرور	دھوکا	گھمنڈ (یہ بھی ایک قسم کا دھوکا ہے)
غلام	لڑکا، سبزہ آغاز	بندہ - داس (SLAVE)
غنیمت	مال جو جنگ میں حاصل ہو	لائق شکر بات جیسے غنیمت دانستن غنیمت شمردن = موقع سے فائدہ اٹھانا
فرصت	موقع	ان معنوں کے علاوہ مصروفیت کا نہ ہونا خالی وقت
فوج	جھنڈ، گروہ	لشکر
قارورہ	برتن، وہ شیشی جس میں مریض کا پیشاب ڈال کر طبیب کو دکھاتے ہیں۔	پیشاب (ظرف برائے مظروف، انحراف معنی)
قائل	بولنے والا	معترف
قماش	ردی اور گھٹیا چیزیں	سوتی کپڑا (طرز (اردو میں دوسرے معنی)
کثافت	گاڑھاپن	گندگی
ماتم	میت پر غم کرنے کے لیے جمع ہونے کی جگہ	میت کا غم
ماحضر	جو سامنے حاضر ہو	جو کھانا سامنے حاضر ہو (تحدید)
متین	مضبوط	سنجیدہ
مدت	درازی	طویل وقت، عرصہ
مرتبہ	منزلت	اس مفہوم کے علاوہ "بار" کے معنوں میں جیسے سہ مرتبہ

لفظ	عربی معنی	فارسی معنی جنھیں اردو نے قبول کیا
مرقد	خواب گاہ	مقبرہ (اردو میں قبر)
مزار	زیارت ۔ بمعنی ملاقات کرنیکی جگہ	قبر
مضراب	ڈنڈا، وہ آلہ جس سے ضرب لگائی جائے	وہ آلہ جس سے ساز بجاتے ہیں ۔ زخمہ
مطلب	مقصود	(مراد) کے معنوں میں بھی
مولوی	المولوی = مولیٰ کی طرف منسوب	مذہبی عالم
میدان	جدید عربی میں صرف گھڑ دوڑ یا مقابلے کا میدان	ہر میدان (توسیع)
ناظم	شعر کہنے والا ۔ موتی پرونے والا	منتظم، سپرنٹنڈنٹ
ناموس	الناموس = رازدار، مکر و فریب	عزت، بیوی (اردو مثال: جیوتے جی قصد میرے ناموس کا کیسے کربل تھا صفحہ ۲۰۵ ع ناموس نبی شام کے بازار میں آیا
نشہ	نشأ = زندہ ہونا، جوان ہونا	معنیٔ معروف ۔ ایرانی اسے مشدد بھی کرتے ہیں۔
نعمت	آسودگی	کھانے پینے کی عمدہ چیز، (دولت (دولت کے معنوں میں اردو میں مستعمل نہیں۔)
نوبت	وقت، باری	ان معنوں کے علاوہ نقارہ جو وقت پر بجتا تھا۔
نہر	ندی اور دریا بھی	چھوٹی ندی، ندی کی مصنوعی شاخ (CANAL)
وجہ	چہرہ ۔ رخ	سبب ۔ (رقم کے معنوں میں اردو میں نہیں)
وکیل	گماشتہ، ذمہ داری لینے والا	کچہری میں مقدمہ لڑنے والا بھی

(دل (ب) اب ہم ان معنوی تصرفات کا ذکر کریں گے۔ جو ہندوستانی فارسی نے مفرس عربی (فارسی دخیل الفاظ میں کیے ہیں اور دہیں سے اردو کو ورثے میں ملے ہیں۔

ہمیں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اردو ایرانی فارسی سے نہیں بلکہ ہندوستانی فارسی سے براہ راست ربط میں آئی۔ ہندوستان میں ایرانی فارسی کا قیام صدیوں تک رہا ہے اور اپنے مرکز سے دور اس طویل دورِ قیام میں اس کا ہندوستانی ماحول سے دور رس اثرات کو قبول کرنا ایک فطری عمل اور لازمی امر تھا۔ اس طویل عرصے میں فارسی کبھی بھی عوامی سطح پر آکر ہندوستان میں بول چال کی زبان نہیں بنی۔ پھر بھی اعلیٰ ثقافتی سطحوں پر اس نے ثانوی زبان کا درجہ ضرور حاصل کر لیا تھا۔ ہندوستانی فارسی نے نہ صرف چند ہندی الاصل الفاظ کو اپنے دامن میں جگہ دی بلکہ مفرس عربی (فارسی دخیل الفاظ کو معنی کی وہ وسعتیں اور گہرائیاں عطا کیں جن کا سراغ ایرانی فارسی میں نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی فارسی اہل ایران کے طنز کا نشانہ بنتی رہی۔ اور "فارسی دانایانِ ہند" کو ایران میں کبھی بھی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ اور نہ صرف اسلوب کی بنیاد پر جسے 'سبکِ ہندی' کہا جاتا ہے۔ ممتاز اور اسی لیے مطعون قرار پائی۔ بلکہ مفرس عربی (فارسی دخیل الفاظ میں معنوی تغیرات پیدا کرنے کی وجہ سے ایرانی فارسی سے اس قدر الگ تھلگ نظر آنے لگی کہ اگر اُسے ہندوستان میں پھلنے پھولنے کا بھرپور موقع ملتا تو یہ ایرانی فارسی کی ایک ممتاز بولی کی حیثیت ضرور اختیار کر لیتی۔ "سخندانِ فارس کے دسویں لیکچر" فارسی پر ہندوستان میں آکر کیا کیا رنگ چڑھے" میں محمد حسین آزاد نے ایسے کئی فارسی الفاظ کی مثالیں دی ہیں۔ جن میں اہل ہند نے معنوی تصرفات کیے۔ یا مفرس عربی (فارسی الفاظ کی مدد سے نئی نئی اصطلاحیں وضع کیں۔ مثلاً دست پناہ، (ایران میں: آتشگیر)، خوشدامن (ایران میں: مادرِزن)، خویش بمعنی داماد، فوج کے عہدہ داروں کے نام مثلاً رسالہ دار، جمع دار، برقنداز وغیرہ، دفتری اصطلاحیں جیسے روشنائی (بمعنی سیاہی جو آج بھی اردو میں مستعمل ہے۔ ایران میں مرکب کہتے ہیں۔)، رسید (بمعنی قبض الوصول) رسد، بمعنی کاروانِ غلہ، دکذا، (سامان لشکر) دفتر (ایران میں یہ لفظ فرد کاغذ کے معنوں میں مستعمل ہے) دستانہ (اسلحہ جنگ میں ایک لوہے کی چیز تھی کہ ہندوستانی

بہادر لڑائی میں ہاتھوں پر پہنتے تھے۔ ایران میں 'ملچان' کہتے ہیں"۔[1]

آزاد نے آب حیات میں بھی اس طرح کی کچھ مثالیں دی ہیں۔ مثلاً رومال (ایرانی فارسی میں روپاک یا دست پاک[2]) حلال خور (معنی خاکروب)، سرنگ (ایک قسم کا گھوڑا جسے ایرانی فارسی میں 'کرنگ' کہتے ہیں[3]) کپڑے مثلاً شبنم، تن زیب، جامدانی، کامدانی وغیرہ اس فہرست میں کپڑوں کے وہ نام بھی شامل کیے جا سکتے ہیں جو عہد مغلیہ میں ہندوستان میں ایجاد ہوئے۔ مثلاً ابوالفضل نے نئے نئے پارچہ جات کے جو نام آئین اکبری میں درج کیے ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں: زربفت، دارائی خطائی، نافتہ، مطبق، محمودی اور پیچ تولیہ، تزک جہانگیری میں جو ایجادات از قسم زیورات و ملبوسات نورجہاں سے منسوب کی گئی ہیں ان میں یہ فارسی نام بھی ملتے ہیں۔ دودامنی، کناری وغیرہ

سراج الدین علی خان آرزو نے فرہنگ چراغ ہدایت میں ایسے مفرس عربی و فارسی الفاظ کی نشاندہی کی ہے جن کا ایرانی فارسی میں سراغ نہیں ملتا۔ مثلاً

تکیہ[4] — فارسی میں بمعنی متکا یا بالش نہیں ملتا۔ گاؤ تکیہ کے بارے میں آرزو صراحت سے لکھتے ہیں:

"تکیہ کلانی طولانی کہ ارباب دولت بر مسند نشستند پس پشت دارند این ظاہراً مصطلح اہل ہند است[5]

احدی: در ہندوستان گردی۔ از منصب داران ...... و این اصطلاح

---

[1] سخندان فارس ص ۲۲۲-۲۳ آزاد نے اس ضمن میں "چلم" کی بھی مثال دی ہے۔ حالانکہ چلم بقول خان آرزو فارسی الاصل لفظ نہیں ہے [2] آب حیات ص ۳۴۹ [3] ایضاً ص ۵۴ [4] آرزو کا کہنا ہے کہ یہ لفظ فارسی میں بمعنی بالش مستعمل ہے۔ انھوں نے تکیہ بمعنی 'بالش' کے سلسلے میں عرفی کا ایک شعر پیش کیا ہے۔ لیکن چونکہ عرفی ہندوستانی دربار سے متعلق تھا۔ اس لیے اس کی سند قابل قبول نہیں عرفی نے 'خواص' بھی ہندوستانی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ غالب کہتے ہیں کہ گل تکیہ وضع کیا ہوا نورجہاں بیگم کا ہے۔ فرہنگ غالب ص ۲۸۶ [5] فرہنگ چراغ ہدایت ص ۱۸۲ اور ص ۲۶۱

عہد اکبر بادشاہ ہست [1]

خانساماں ۔ در ہندوستان 'میر سامان' را گویند و در ولایت 'ناظر' خوانند [2]

فارغ خطی (در ایران خطِ پاکی [3])

خواص ۔ فارسیان در محل مفرد استعمال کنند بمعنی خدمت گار عرفی گوید ع آبدار

ابر نیساں و خواصت آفتاب، مولف گوید اگر انبیت سند استعمال فارسیان پس خطاست

چرا کہ این لفظ مستعمل در ہندوستان ست چنانکہ رواج دارد، عرفی درین بیت الفاظ مستعمل

و سلاطین و امرای ہندوستان آورد [4]

خوجہ ۔ بمعنی غلام خصی، نیز استعمال یافتہ، اگرچہ مشہور برایں معنی خواجہ سرائے است

..... در ہندوستان بمناسبت معنوی از جہت تمیز 'الف خواجہ را کہ القابِ عزیزان باشد حذف

کردہ خوجہ نویسد و خوانند" [5]

ذات ۔ لفظ عربیت و بمعنی قوم نیز آمدہ و نیز غلط ست زیرا کہ بدیں معنی 'جات' است [6]

گلبدن "۔ نوعی از قماش ۔ این لفظ بمعنی مذکور مستعمل ہندوستان است" [7]

گلِ مہتاب ۔ بعضی گویند کہ گلیست کہ در آخر برشگال ہنگام شب بشکند و آنرا

در ہند گلِ چاندنی، گویند کہ ترجمہ مہتاب است و این ظاہراً فارسی ساختہ و اہل ہنداست

از عالم گلِ کوزہ و گلِ صد برگ و گل پیادہ و گل خودرو" [8]

جاگیر: در ظاہر لفظ فارسیست ۔ اصطلاح مخصوص دفاتر و دربار سلاطین

ہند است [9]

سی پارہ ۔ عبارت از تمام قرآن شریف ۔ و اینکہ در ہندوستان یک جزو را

وسی پارہ، گویند از اہل زبان مسموع نیست [10]

---

[1] فرہنگ چراغ ہدایت صد ۱۶ (۲) ایضاً صد ۱۲ (۳) ایضاً صد ۱۲۸ (۴) ایضاً صد ۱۳۲ (۵) ایضاً صد ۱۳۲

[6] ایضاً صد ۱۵۳ [7] ایضاً صد ۲۶۷ [8] ایضاً صد ۲۶۷ [9] نوادر الالفاظ (از خان آرزو)

صد ۱۱ [10] فرہنگ چراغ ہدایت صد ۱۹۳

شاگرد پیشہ۔ لفظ انیست، مستعمل دفاتر دربار سلاطین ہندوستان و مؤلف
این لفظ را در کلام اساتذہ کہ بہند نیامدہ اند ندیدہ است [۱]

حضور نویس: 'مجلس نویس' کے معنی بیان کرتے ہوئے آرزو لکھتے ہیں:۔
"آنرا در ہندوستان 'حضور نویس' گویند" [۲]

خان آرزو تفحص الفاظ کے معاملے میں حد درجہ محتاط رہا کرتے تھے۔ ذیل کے الفاظ سے متعلق انھوں نے شک کا اظہار کیا ہے کہ وہ ہندوستانی فارسی کی دین ہیں یا ایران میں بھی انھیں معنوں میں مستعمل ہیں۔

طرّہ: (عربی معنی پیشانی) فارسی میں زلف کے معنوں میں مستعمل ہے۔ لیکن بقول آرزو "بمعنی تارہای طلائی کہ یک جا کردہ برگوشہ دستار زنند نیز آمدہ، امتیاز خان خالص گوید
طرّہ طلا بر سر جامہ نکنی پوشی (کذا)
امّا معلوم نیست کہ این موافق رسم ہندوستان است گفتہ یا اصطلاح نیز ہست

اسی طرح لفظ 'خس خانہ' کے متعلق ان کا پہلے یہ گمان تھا کہ ہندوستانی فارسی ہے لیکن ایک ایرانی شاعر کے کلام میں انھیں انہی معنوں میں ملا تو اپنا خیال بدل دیا جیسے وہ لکھتے ہیں کہ فارسی میں خیشخانہ ہے اور خیش ایک قسم کی گھاس ہے۔۔

مُہر۔ بمعنی ٹھپّہ کو ہندوستان میں اشرفی اس لیے کہتے تھے کہ اس پر شاہی نام نقش ہوتا تھا۔ یہ اصطلاح تاریخ فیروز شاہی اور آئین اکبری میں ملتی ہے۔ [۳]

اسی طرح مندرجہ ذیل مفرس عربی و فارسی الفاظ میں ہندوستانی فارسی نے معنوی تصرفات کر کے نئی نئی اصطلاحیں وضع کیں:

سر رشتہ داری، رو بکاری، موضع (لفظی معنی رکھنے کی جگہ) بمعنی گاؤں، سرکار بمعنی (۱) ضلع، صوبہ علاقہ (۲) برائے خطاب (۳) حکومت اور (۴) خزانہ بقول محمد عبد الغنی

---

[۱] فرہنگ چراغ ہدایت ص ۱۹۸ [۲] ایضاً ص ۲۸۳ [۳] بعض پرانے لفظوں کی نئی تحقیق نقوش سلیمانی۔ از سید سلیمان ندوی ص ۲۹۶

اس لفظ کا استعمال صرف دوسرے اور تیسرے معنی تک محدود ہے [1] لیکن جہاں تک ہمارا خیال ہے ایرانی فارسی میں 'سرکار' بمعنی 'حکومت' مستعمل نہیں ہے۔ پہلے تین معنوں میں ابوالفضل عبدالقادر بدایونی اور دوسرے مورخوں نے اس لفظ کا استعمال کیا ہے چوتھے مفہوم میں فرشتہ نے استعمال کیا ہے۔ [2]

فوجی عہدے جیسے سہ ہزاری، پنج ہزاری، ہفت ہزاری وغیرہ، حقہ (اس کی مثال گزر چکی ص ـــ ایرانی فارسی قلیان) غصہ (بمعنی خشم)، ضلع، علاقہ، تعلقہ، جائیداد (مثال گزر چکی ص ـــ) محصول (بمعنی لگان) کرامت (بمعنی خرق عادت جو کسی ولی سے صادر ہو)، تنخواہ (بمعنی مشاہرہ) عدالت (بمعنی - عدالت گاہ - مثال گزر چکی ص ـــ) بے پیر (تو دانی بچہ ہای ہندی نژاد کا تراشا ہوا ہے [3]) خسر (لغت عربی نہیں۔ ہندی مفرس ہے [4])، رضائی، ہم زلف، تردد (بمعنی کاشت کاری) انیس کہتے ہیں:

انھیں تردد بے جا سے اس میں کیا حاصل، اٹھا چکے ہیں زمیندار جن زمینوں کو

(لفظ تردد میں ایہام تناسب ہے)

انگشتانہ (ایرانی فارسی انگشت دان) دست (بمعنی اجابت - (ان معنوں میں ایرانی فارسی میں مستعمل نہیں) بقال (سبزی فروش) بمعنی غلہ فروش، رشتہ (دھاگا) بمعنی سگائی یا ناتا، ہندوستانی فارسی ہے - فارسی میں 'قرابت' کہتے ہیں۔

دوم (الف) اب ہم یہاں ایسے چند ایسے مفرس عربی الفاظ کی مثالیں پیش کریں گے جن میں ایرانیوں نے پہلے ہی معنوی تصرفات کر لیے تھے اور جن میں سے اکثر کو اردو نے قبول بھی کر لیا تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ انھیں یا تو مزید معنوی تغیرات سے روشناس کرایا ہے یا پھر فارسی سے الگ اپنے طور پر تصرف کیا ہے۔

---

[1] A HISTORY OF PERSIAN LANGUAGE LETRATURE AT THE MOGHAL COURT BABUR-AKBAR VOL I ص ۳۲۶

[2] ایضاً [3] فرہنگ غالب ص ۵۴ [4] ایضاً ص ۶۲ - لیکن ایک خط میں وہ خسر کو لغت فرس بتاتے ہیں - فرہنگ غالب ص ۱۰۳

لفظ	عربی معنی	ایرانی تصرف	اردو میں مزید تصرف / اردو تصرف
اجابت	جواب دینا	قبول کرنا	رفع براز بھی
افواہ	(فوہ/فم کی جمع) منہ	بے بنیاد خبر	اردو میں بطور واحد مستعمل
انکسار	انکسر = ٹوٹنا انکسر العسکر = فوج کا شکست کھانا اور پراگندہ ہونا	افسردگی پشیمانی	فروتنی، خاکساری
اوقات	وقت کی جمع	بطور واحد حالت مراد غصۂ اوقات شما تلخ است = تم غصے میں ہو اوقاتم تلخ شد = مجھے غصہ آیا	واحد (۱) گزارے کی صورت (شاید گزر اوقات کا مخفف ہو۔) حیثیت، تمھاری کیا اوقات ہے۔
اہتمام	غم کھانا	کوشش	انتظام کرنا
بلا	امتحان، آزمائش	مصیبت جیسے بلائے جان	آسیب کا اثر، بلائیں لینا، قربان جانا صدقہ اتارنا
تربت	مٹی	مقبرہ	قبر
تعزیہ	تعزیۃ = ماتم پرسی	ان معنوں میں تعزیت ۲) تمثیل - PASSION PLAY. جو محرم میں کرتے ہیں	امام حسین کے روضے کی نقل، تابوت

لفظ	عربی معنی	ایرانی تصرف	اردو میں مزید تصرف / اردو تصرف
تکلیف	کلف = مشکل کام کا حکم دیا	غرض، تجویز لائحۂ عمل	دکھ، زحمت
تماشا	تماشی۔مشی = (وہ چلا) باہم پیدل چلنا	دید، نظارہ	ہنسی، دل لگی، بدنامی کے معنوں میں بھی ع اک تماشا ہوا گلہ نہ ہوا۔ یہ کیا تماشا ہے۔ (اردو میں تماشہ لکھنے کا چلن عام ہے۔)
تواضع	ذلیل ہونا	فروتنی، عاجزی ع تواضع نہ گردن فرازان نکوست	مہمان نوازی (انھوں نے چائے سے تواضع کی)، خاطر تواضع
جلوس	بیٹھنا	تخت نشینی	مجمع کا ایک ساتھ راستے پر چلنا۔
حاضری	—	جلدی سے تیار کیا ہوا کھانا	ناشتہ، کھانا جو میت والوں کو رشتہ داروں کی طرف سے دیا جائے۔
حیلہ	الحیلۃ = ہوشیاری دور بینی	فکر۔ بہانہ	ان معنوں کے علاوہ وسیلہ جیسے حیلے روزی بہانے موت حیلے سے لگنا = روزی سے لگنا
خیر	نیک، نیکی	ان معنوں کے علاوہ کلمۂ انکار بمعنی 'نہیں' (ورنہ خیر بھی کہتے ہیں)	(۱) خیریت کے معنوں میں (اس کی خیر نہیں۔ آپ اپنی خیر منائیے۔ (۲) کوئی مضائقہ نہیں" کے معنوں میں خیر۔ اسے جانے دو
خیریت	نیکی	بہبود سلامتی	تندرستی بھی

لفظ	عربی معنی	ایرانی تصرف	اردو میں مزید تصرف / اردو تصرف
دقّت	باریکی (دقّ: اس نے پیسا)	احتیاط، جیسے بدقّت، یعنی احتیاط سے	مشکل، اسی طرح دقیق، بمعنی مشکل
رخصت	الرخصة: آسانی	اجازت	(۱) ملاقات کے بعد جانے کے لیے روانہ ہونا (۲) چھٹی، رخصت سے رخصتی بھی
سبیل	راستہ	وہ چیز جو راستے میں خرچ کی جائے مفت تقسیم کرنا جیسے چائے سبیل بود	پیاؤ، وہ جگہ جہاں محرم کے زمانے میں پانی یا شربت بطور نیاز تقسیم ہو
سیر	(سارَ = وہ چلا) چلنا مرادی معنی عمل کرنا	دیکھنا فارسی میں کہتے ہیں سیر کنید بمعنی نگاہ کنید (دیکھو) این خانہ را سیر کردید قابل سکونت نیست امروز اسپ تماوا سیر کردم، بمعنی دیکھا	اردو میں عربی فارسی دونوں معنوں کا شائبہ ہے۔ یعنی چلتے چلتے۔ دیکھنا، گھومنا پھرنا بھی
صافی	صاف، صاف کرنے والا	وہ کپڑا جس میں شراب یا دوا چھانیں	وہ کپڑا جس سے میل یا دھول صاف کریں۔ یا جس کی مدد سے گرم برتن چولھے پر سے اتاریں۔

لفظ	عربی معنی	ایرانی تصرف	اردو میں مزید تصرف / اردو تصرف
صدقہ	خیرات، زکوٰۃ کے علاوہ	قربان ہونا، فدا ہونا	فارسی و عربی معنی کے علاوہ ردِ بلا کے لیے کوئی چیز اتار کر پھینکنا، یا جانور چھوڑ دینا
عرق	پسینہ	شراب دجدید عربی میں بھی یہی معنی	رس جیسے لیمو کا عرق
عزیز	طاقت والا، حاکم جیسے عزیزِ مصر قابلِ احترام	پیارا، پسندیدہ	رشتہ دار کے معنوں میں بھی
عکس	الٹنا	فوٹو	پرتو (IMAGE)
عملہ	عامل کی جمع عمل کی اجرت	بطور واحد مزدور قلی	کارکن لوگ، اسٹاف، مکان کا سامان (ان معنوں میں 'املا' لکھتے ہیں)
فائز	کامران	فائز شدن = حاصل کرنا	کسی عہدے پر مامور ہونا
قبضہ	قبض علی الشئی = کسی چیز کو پکڑنا القبضۃ من الشئی = مٹھی بھر کر	یہ معنی بھی ہیں = یک قبضہ ریش = مٹھی بھر داڑھی اس کے علاوہ دستہ جیسے قبضۂ خنجر	دستہ کے علاوہ ملکیت (POSSESSION)
قمقمہ	کوزہ، مٹی کا برتن	تھرماس، بڑا برتن	ایک قسم کا شیشے کا گولا، بجلی کا بلب
قیام	کھڑا ہونا	بغاوت کرنے کے معنوں میں بھی	ٹھہرنا، آپ کا قیام کہاں ہے؟

لفظ	عربی معنی	ایرانی تصرف	اردو میں مزید تصرف / اردو تصرف
لحاظ	لحاظًا: انتظار کرنا	نقطۂ نظر، از لحاظ	فارسی معنوں کے علاوہ، منھ دیکھی مروت شرم ع خاطر سے یا لحاظ سے سیں مان تو گیا
مجرا	مجریٰ: جاری کرنا	راستہ (مجرای پیشاب) نہر	ادب کے ساتھ سلام کرنا، گانے والوں کا محفل میں بیٹھ کر گانا، طوائف کا گانا، مرثیہ جس کے مطلع اول میں لفظ مجرا (سلام) ہو۔
مدہش	خوفزدہ	اہل ایران نے اسے مدہوش بنایا اور بے ہوش کے معنوں میں استعمال کرنے لگے۔	مست
مردود	رد کیا ہوا۔ ترما دراز تک بغیر بیوی کے یا سفر پر رہنے والا	مردود کردن = خلاف قانون قرار دینا۔ مردود شدن = امتحان میں فیل ہونا	نالائق، ملعون، جیسے شیطان مردود
مزاج	اخلاط اربعہ کا عمل	طبیعت جیسے مزاج چطور است	طبیعت کے علاوہ غرور، مزاجی، مغرور کو کہتے ہیں۔
مشاط	معنی دیے جا چکے	—	—
مضبوط	ضبط شدہ	حفظ کرنا	طاقتور
مضمون	مضمون فی الجملہ	موضوع مقالہ	مقالہ

لفظ	عربی معنی	ایرانی تصرف	اردو میں مزید تصرف / اردو تصرف
	مفہوم جو جملے سے سمجھ میں آئے		
معرکہ	جنگ، میدان جنگ	وہ میدان جس میں مداری تماشا دکھائے، غیر معمولی صلاحیت، معرکہ می کنند = وہ فلاں کام حیرت انگیز حد تک بخوبی انجام دیتا ہے۔	مشکل کام - جیسے معرکہ سر کرنا، معرکتہ الآرا = شاندار
مقدمہ	ہر چیز کا ابتدائی حصہ المقدمة من الکتاب کتاب کا دیباچہ المقدمة من الجیش = فوج کا اگلا دستہ	ان معنوں کے علاوہ اثباتِ دعویٰ کی تمہید	دعوی، نالش SUIT
ملک	ملکیت = وہ خطہ جو کسی بادشاہ کے زیر اقتدار ہو	ان معنوں کے علاوہ کشور کے معنوں میں بھی جیسے ملک ایران	صرف دوسرے معنوں میں وطن کے معنوں میں بھی تمہارا ملک کہاں سا ہے۔ ملکی - سابق ریاست حیدرآباد کا باشندہ

لفظ	عربی معنی	ایرانی تصرف	اردو میں مزید تصرف / اردو تصرف
منقّٰی	صاف کیا ہوا	بادام کے لیے، جیسے بادام منقّٰی: کاغذی بادام	کشمش
میزان	ترازو	رقم	رقم کی جمع، جیسے میزانِ کل
نصاب	اتنا مال جس پر زکوٰۃ واجب ہو	ان معنوں کے علاوہ حد نصاب، کورم QUORUM	پڑھائی کا کورس
نظارہ	انتظار۔ ناظرین موقع جنگ کے تماشائی	نظر بھر کر دیکھنا	منظر (SCENE)
نفل	معنی بیان ہو چکے	—	—

دوم (ب)

اب ہم ان مفرس عربی الفاظ کی مثالیں پیش کریں گے جنھیں ایرانیوں نے بغیر معنوی تصرفات کے جوں کا توں قبول کر لیا۔ لیکن اہلِ اردو نے ان میں معنوی تصرفات کیے ہیں۔ اگر ہم ایرانی فارسی اور اردو میں پائے جانے والے مشترکہ مفرس عربی لفظیات کا معنوی سطح پر تقابلی مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اردو نے ایرانی فارسی کے مقابلے میں زیادہ عربی الفاظ میں معنوی تصرفات کیے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عربی کا ایرانی فارسی پر براہ راست اثر پڑا ہے اور اردو پر بالواسطہ۔ اصل زبان کا راست اثر جس قدر کم ہوگا اسی قدر معنوی تغیرات کے زیادہ امکانات مستعار لینے والی زبان میں پیدا ہوں گے۔ اردو میں بھی یہی ہوا۔ صرف چند نمایاں مثالیں درج ذیل ہیں:

معرب عربی لفظ	عربی معنی	اردو معنی
اثر	نشان ۔ متاثر کرنا	نشان کے معنی صرف اثر قلم یا آثارِ قدیمہ میں
احاطہ	گھیرنا ، جاری ہونا	گھیرا، گھیا ڈنڈ، عربی میں ان معنوں میں محوط حیاط
استقلال	آزادی ، ثابت قدمی	ثابت قدمی
اشتہار (مثال دی جاچکی)	شہرت	اخبار میں شائع کیا جانے والا اعلان
اغوا	مثال دی جاچکی	—
اصیل	″	—
التوا	پیچیدہ کرنا	اٹھا رکھنا، آگے بڑھا دینا
الزام	مثال دی جاچکی	—
انتشار	″	—
انتظام	ترتیب ، نظم و ضبط	بندوبست، مہیا کرنا، جیسے وہاں چائے کا انتظام ہے۔
ایثار	کثرت سے مال دینا ، سخاوت	دوسروں کے فائدے کے لیے اپنا نقصان کرنا
بحری	(۱) منسوب بہ بحر (۲) دریائی سفر کرنے والا	صرف پہلے معنی
بخار	مثال دی جاچکی	
تقریب	قریب کرنا	شادی یا خوشی کا کوئی اور موقع
تکرار	اعادہ	ان معنوں کے علاوہ تو تو میں میں زبانی جھگڑا
جائزہ	انعام	جانچ ۔ چارج
حجام	سینگی لگانے والا	نائی
حدت	تیزی	گرمی

معرب عربی لفظ	عربی معنی	اردو معنی
حرامی	معنی دیے جاچکے	—
حقہ	— " —	—
حکمت	عقل، فلسفہ	تدبیر، چال ع موقع نکالنا سو یہ حکمت کی بات ہے۔
حلیہ	حِلیہ = زیور	ح پر پیش، چہرہ
خراب	منہدم، ویران	(۱) بُرا جیسے خراب آدمی (۲) ضائع کرنا، وقت خراب مت کرد
خط	لکیر، سبزہ جو گالوں پر اُگے	نامہ
داخلہ	داخل ہونے والی عورت، اندرونی	داخل سے اسم ذات ADMISSION.
دفعتہً	یکبارگی ادا کرنا، یک مشت	اچانک
دولت	لغوی معنی: ایسی چیز جو کبھی کسی کے لیے اور کبھی کسی کے لیے ہو، منتقل ہونے والی شے۔ مجازی معنی: خوش قسمتی، مال زر، حکومت	اردو میں صرف مال و زر کے لیے مخصوص، حکومت کے معنوں میں فارسی مرکب "دولت مشترکہ" میں
ذرا ذرا،	ذرہ سے	تھوڑا
راشی	معنی دیے جاچکے	—
رسالہ	کتابچہ، مقالہ	جریدہ، میگزین، فوجی دستے کے معنوں میں، ہندوستانی فارسی سے مستعار
رسول	قاصد، پیغمبر	صرف دوسرے معنوں میں

مفرس عربی لفظ	عربی معنی	اردو معنی
رسوخ	رسوخاً = گڑ جانا، مضبوطی	رسائی، اثر
رَقَبہ	گردن کا پچھلا حصہ، غلام	بسکون قاف (رقبہ) طول وعرض کا حاصل ضرب،
رقعہ	چیتھڑا، کاغذ کا پرزہ، خط	خط کے علاوہ، شادی کا پیغام بھیجنے کی نیت سے جو خط لکھا جائے۔
ساعت	گھنٹہ، گھڑی (clock)	وقت، گھڑی، جیسے نیک ساعت
ساقی	پانی پلانے والا (فارسی میں شراب پلانے والا)	حقہ پلانے والا بھی
شدّت	سختی	کثرت کے معنوں میں بھی، جیسے وہاں شدت سے بارش ہوئی
صداقت	دوستی	سچائی
صیغہ	قسم، اصل	محکمہ
ضریح	قبر، وہ مٹی جو قبر پر لگائی جائے	ایک قسم کا تعزیہ
طائفہ	معانی دیے جا چکے	
طوائف	"	
عارضی	لاحقی۔ جو اصل نہ ہو	غیر مستقل
عامل	عمل کرنے والا، رئیس، حاکم	بھوت پریت اتارنے والا
عندیہ	عند = قریب	منشا، ارادہ
عہدہ	ذمہ	منصب (فارسی میں عہدہ دار = ذمہ دار)

مفرس عربی لفظ	عربی معنی	اردو معنی
غبن	کاروبار میں دھوکا کھانا	خیانت (تلفظ غَبَن)
غارت	لوٹ	برباد ہونا
غدر	بے وفائی، خیانت	بغاوت
غریب	معنی دیے جاچکے	
غلاظت	اصل لفظ غِلظت = گاڑھاپن	گندگی
غلیظ	گاڑھا	گندہ
غلغلہ	شور، ہنگامہ	شہرت، دھوم، شور کے معنوں میں صرف غلُ
غیر	الگ، دوسرا، حرف نفی	یعنی خراب جیسے اس کی حالت غیر ہوگئی)
فتور	اعضا کی سستی	بگاڑ، شرارت
فتین	اصل لفظ فطین = ذہین	شریر
فرق	دوری	اختلاف، کمی کے معنوں میں بھی، (اس کی سماعت میں فرق ہے)
فضا	کشادگی، خلا	ماحول، کیفیت
فقیر	مفلس، بے زر	بھک منگا، گدا
فکر	ذہن، خیال، سوچ	ان معنوں کے علاوہ، پریشانی
قسمت	حصہ، تقسیم	تقدیر
قصور	معنی دیے جاچکے	
قلم	لکھنے کا اوزار۔ قلم = اس نے کاٹا اسی سے فارسی میں قلم کردن اور اردو میں قلم کرنا	(۱) لکھنے کا اوزار (۲) کسی موٹی شاخ کو زمین میں لگانا، اس سے جو پھل آئے اسے قلمی کہتے ہیں (۳) کنپٹیوں کے اوپر

نمبر شمار (مفرس عربی لفظ)	عربی معنی	اردو معنی
		کے بال، ان معنوں میں قلم بنانا
قلعی	قلع = رانگا	(۱) برتن پر قلعی کرنے کے علاوہ گھر میں سفیدی کرنا
قیافہ	تقوف = تلاش کرنا، ہاتھ، پاؤں اور چہرہ مہرہ دیکھ کر کسی کے نسب یا فطرت کا پتہ لگانا	چہرہ
کربلا	ایک مشہور میدان کا نام جہاں امام حسین شہید ہوئے تھے۔	ان معنوں کے علاوہ تعزیے کے دفن کرنے کی جگہ بھی
کرسی	تخت، چوکی	معنی معروف جسے فارسی میں 'صندلی' کہتے ہیں۔
کسبی	کسب سے۔ فارسی میں مسائل کسبی کہتے ہیں، وہ ہنر جو کوشش سے حاصل ہوں۔	بازاری عورت، دکھنی میں کسبن کہتے ہیں
کسشر	ٹوٹنا	کسر (س کے بعد 'ت' داخل کرنے کے بعد)
کسوت	لباس	کسبت = چمڑے کا بکس جس میں نائی اوزار رکھتا ہے۔
کفایت	کافی ہونا	جز رسی، جیسے کفایت شعاری، فارسی میں 'صرفہ' کہتے ہیں۔
لجاجت	سخت جھگڑا کرنا، اصرار کرنا، ضد کرنا، جلدی فیصلے کی خواہش کرنا	خوشامد میں گڑگڑانا، نرمی سے کہنا

مفرس عربی لفظ	عربی معنی	اردو معنی
لفافہ	لفّ = اس نے لپیٹا سے	وہ پاکٹ جس میں خط رکھیں۔ ان معنوں میں نہ عربی میں نہ فارسی میں
لقمہ	اتنا کھانا کہ ایک بار میں نگلا جاسکے، نوالہ	نوالہ کے علاوہ نماز میں امام کے بھولنے پر مقتدی کا یاد دلانا
لقلقہ	سارس کی آواز	رعب داب، مثلاً بڑے لقلقے والی عورت ہے،
مجاور	معنی دیے جاچکے	—
مجمع	انجمن، اکیڈیمی	بھیڑ، انبوہ
محاورہ	مکالمہ، بات چیت	۳۱۵۱۵ کے علاوہ عادت، محاورہ ڈالنا: عادت ڈالنا
مجہول	نامعلوم، گمنام	سست، نکمّا
محرم	معنی دیے جاچکے	—
مذاق	—"—	—
مسکین	نادار	سیدھا سادہ، جو جھگڑا نہ کرے
مشکور	— معنی دیے جاچکے	—
مضطر	بے بس	مضطرب کا ہم معنی، بے قرار
معاش	روزی	بمعنی جاگیر بھی (غالباً ہندوستانی فارسی سے)
مکان	معنی دیے جاچکے	—
مکلف	—"—	—
مقرِر	بولنے والا، متکلم	تقریر کرنے والا
ملزَم	پابند شدہ	ملزم، جس پر الزام عائد کیا جائے

مفرس عربی لفظ	عربی معنی	اردو معنی
منتظم	منضبط REGULAR	اسم فاعل کی حیثیت سے انتظام کرنے والا
منزلہ	—	بمعنی STOREY عربی اور فارسی میں ان معنوں میں مستعمل نہیں
منظور	دیکھا گیا۔ ارادہ	دوسرے معنی کے علاوہ قبول کرنا
مواد	(مادہ کی جمع) چیزیں، اسباب	ان معنوں کے علاوہ نفس مضمون، پیپ
نقصان	کمی	فائدے کی ضد۔ فارسی میں زیان یا خسارت کہتے ہیں۔

دوم (ج)

اب تک ہم نے مفرس عربی الفاظ کی مثالیں پیش کی ہیں۔ جن میں اردو نے معنوی تصرفات کیے ہیں۔ اب ان فارسی الفاظ کی فہرست پیش کی جائے گی جن میں ہندوستانی فارسی کے علاوہ اردو نے مزید معنوی تصرفات کیے ہیں۔

فارسی لفظ	معنی از روئے اصل	اردو معنی
آبخورہ	اصل لفظ آبخور (خور لاحقہ برائے اسم مکان) پانی پینے کی جگہ	مٹی یا جست کا برتن، جس میں پانی پیتے ہیں)
آبدست	بقول غالبؔ آبدست عموماً غسالہ کو کہتے ہیں اور خصوصاً وضو کو کہتے ہیں	وہ پانی جس سے قضائے حاجت کے بعد طہارت کی جائے۔ آبدست لینا

فارسی لفظ	معنی از روئے اصل	اردو معنی
	تعمیم کی سند - بے تکلف رو بہ ساقی کن اگر دل خستہ ای - کا بدست او شفا بخش ہمہ بیماریہاست تخصیص کی سند - آبدست د نماز باید کرد - دلِ مقام گداز باید کرد[1]	
آبِ رواں	"مقابل آب ایستادہ" فرہنگ آنند راج	ململ کی ایک قسم (بقول مولف فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں، ململ کا ایک قدیم نام جلد دوم ص ۹۴) جالی کی قسم کا ایک نہایت باریک کپڑا جسے ڈوریا کہتے ہیں۔ نور اللغات
آبلہ	چھالا، چیچک، جدید فارسی میں چیچک کے ٹیکے کو "آبلہ کوبی" کہتے ہیں۔	(۱) چھالا (۲) خمیری آٹے کا پھولا پن جو اسفنج کی طرح خانہ دار ہو۔
آبی	منسوب بہ آب - پانی میں رہنے والا	(۱) گہرے پانی کی رنگت سے ملتا جلتا نہایت ہلکے نیلے رنگ کا کپڑا (۲) آبی روٹی، سادی اور سفید رنگ کی خمیری روٹی مولف فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں لکھتے ہیں، خمیری روٹی میں شیرمال باقرخانی ..... رنگین ہوتی ہیں اس لیے سادی اور سفید رنگ

[1] ادبی خطوط غالب ص ۱۱ -

فارسی لفظ	معنی ازروئے اصل	اردو معنی
		کی روئی آبی روئی کے نام سے موسوم کی جاتی تھی۔ جلد سوم صد ۱۲-۱۱۹ (۳) وہ زمین جس میں آب پاشی کی جاتی ہو۔ (۵) زمین جو برساتی پانی یا آب پاشی کی وجہ سے کچھ گہرائی تک سیلی ہوئی ہو۔ اور جس سے ..... پودے کی ابتدائی نشوونما میں مدد ملے[1]
آخور	آبخور کا مخفف، وہ جگہ جہاں چوپایوں کو پانی دانہ اور گھاس وغیرہ ڈالیں۔	نکمی اور فضول سی چیز جیسے آخور کی بھرتی، فالتو چیزیں جمع کرنا (اردو میں آخور میں واوِ مجہول ہے۔)
آدمی	فارسی میں "آدم" آدمی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے = آدمی = ایک آدم یعنی ایک آدمی، آدمی میں یائے مصدری ہو تو بمعنی انسانیت، آدمی بمعنی انسان بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہ استعمال عام نہیں۔	انسان کے علاوہ (۱) شوہر۔ تمھارا آدمی کہاں گیا۔ (۲) ملازم "اس نے عرض کی، میرے آدمی جائیں پتہ لگائیں فسانۂ عجائب صد ۲۹۵" "اگر فرماؤ تو آدمی بلانے کی خاطر جاوے"۔ باغ وبہار صد ۴۳ اردو تلفظ آدمی
آزار	آزردن = ستانا، دکھ دینا کا	روگ جیسے عشق کا آزار، بیماری

[1] فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں جلد ششم صد ۳

فارسی لفظ	معنی از روئے اصل	اردو معنی
	امر جیسے مرکبات دل آزار، مردم آزار میں بطور اسم بھی، جیسے آزار کردن، آزار دادن آزار دیدن = زخمی ہونا، دکھ اٹھانا	روگ، جیسے عشق کا آزار، بیماری
آسیب	معنی گزر چکے	
آشنائی	ـــ " ـــ	
آگہی	ـــ " ـــ	
آئینہ دار	کسی کہ آئینہ را بکسی نماید، سر تراش کہ بعربی مزین گویند[1]	عکاس، ترجمان، اس کا چہرہ اس کی باطنی خوشی کا آئینہ دار ہے۔
آورد	لایا ہوا۔ جیسے گنج باد آورد	تکلف سے شعر کہنا۔ آمد کی ضد، لفظ آمد بھی فارسی میں بے ساختگی کے معنوں میں نظر نہیں آیا۔ واللہ اعلم
آوارہ	بے گھر، مارا مارا پھرنے والا آوارگان = بے خانماں لوگ پناہ گزیں۔	بدچلن اور ہرجائی کے معنوں میں بھی
انداز، اندازہ	ناپ، سائز من اندازِ قدرت را می شناسم	قیاس، بول چال میں انداز بھی بولتے ہیں۔
اندیشہ	۱۔ خیال، سوچ ۲، خوف	صرف دوسرے معنوں میں

[1] فرہنگ چراغ ہدایت ص۱۴

فارسی لفظ	معنی از روئے اصل	اردو معنی
بازاری	بازار سے متعلق جیسے مردم بازاری، بیوپاری	گھٹیا، عام آدمی، بازاری عورت۔ کسبی؛ بازار کے بھاؤ بِٹنا، خوب پٹنا
باشندہ	بودن کا امر باش ہے، اسی سے اسم فاعل باشندہ، جدید فارسی میں یہ لفظ نہیں، ایرانی اِن معنوں میں ساکن کہتے ہیں۔	رہنے والا، ساکن
بالائی	اوپر کا	ان معنوں کے علاوہ 'ملائی'، جسے فارسی میں 'سرشیر' کہتے ہیں۔
بانگ	ہر آواز	مرغے کی ککڑوں کوں (تحدید)
بانو	'آغا' کی ضد	'بانو' کا مخفف 'بنّو'، دلہن یا چھوٹی بہو کے معنوں میں 'خان آرزو کا خیال ہے کہ بنّو اور بانو میں توافق اللسانین ہے "از توافق خواہد بود، مخفف "بانو" نباشد" نوادر الالفاظ
برآمد	نتیجہ، خرچ کے معنوں میں بھی لیکن یہ استعمال شاذ ہے، برآمد حساب: تخمینہ	ملک سے باہر بھیجی جانے والی اشیا۔ اشیائے برآمد فارسی میں انھیں صادرات کہتے ہیں۔
برآمدہ	گومڑا	ورانڈا[1]

[1] چیمبرس ڈکشنری میں انگریزی لفظ VARANDAH کو برآمدہ سے ماخوذ بتایا گیا ہے اسے پرتگالی لفظ VARANDA سے بھی مشتق ظاہر کیا گیا ہے صرف فرہنگ آنندراج میں یہ لفظ ملا باین معنی: دہلیز و پیش گاہِ دیوان، اس لیے ممکن ہے 'برآمدہ' ہندوستانی فارسی ہو۔

اردو معنی	معنی از روئے اصل	فارسی لفظ
—	معنی دیے جا چکے	برخوردار
ان معنوں کے علاوہ جما ہوا پانی جسے فارسی میں 'یخ' کہتے ہیں۔	وہ کہر جو روئی کی شکل میں برستی ہے۔	برف
ایک قسم کا مشہور پکوان	قیمہ LIVER-PREPARED FOR FOOD-HA'EEM	بریانی
صرف عمر کے لیے (تحدید معنی)	ہر بڑی چیز جیسے اطاق بزرگ بڑا کمرہ	بزرگ
جزدان۔ بقچہ	ہر بندھی ہوئی چیز، پارسل کو بھی کہتے ہیں۔	بستہ
(۱) فقیر کی جھولی (۲) کشتی کا ایک داؤں بغل سے بغلیں بجانا، بغلیں جھانکنا، بغلی گھونسہ وغیرہ	جسے بغل میں دبایا جائے، بچہ بغلی	بغلی
	معنی دیے جا چکے	بہشتی
نیک طینت، پاکیزہ خصلت (توسیع)	کسی را گویند کہ ہر چہ دارا باشد بی شورد صدا در قمار ببازد کسی را گویند کہ در قمار دغلی و تقلب نکند	پاکباز
موئے زیر ناف۔ اسی سے پاکی لینا	صفائی	پاکی
ان معنوں کے علاوہ جانوروں کے پاؤں جنھیں پکاتے ہیں۔ جیسے سری پایہ	پاؤں (کرسی کا پایہ وغیرہ) بنیاد مرتبہ	پایہ
تربیت۔ جیسے غور و پرداخت میں	رقم ادا کرنا، چکانا	پرداخت

فارسی لفظ	معنی از روئے اصل	اردو معنیٰ
	قابل پرداخت ۔ واجب الادا رقم	
پرستار	معنی گزر چکے	
پریشان	بکھرا ہوا جیسے زلف پریشان (۲) فکرمند	صرف دوسرے معنیٰ
پس ماندہ	پیچھے رہا ہوا، پس خوردہ کے معنوں میں بھی	غیر ترقی یافتہ
پس و پیش	ٹھیک ٹھاک کرنا	ہچکچاہٹ، اس موقع پر فارسی میں تامل کردن کہتے ہیں
پنجرہ	اپ ایرے کے ساتھ، کھڑکی	اپ ایرے کے ساتھ قفس
پیدا	معنی دیے جا چکے	
پیرایہ	زیور، آرائش	طریقہ، ڈھنگ
پیشانی	ماتھا، پیشانی نوشت قسمت	'ماتھا' کے علاوہ کاغذ کا وہ حصہ جو عبارت سے اوپر خالی چھوڑ دیتے ہیں۔
پیشوازہ	سفر سے لوٹنے والے کا استقبال کرنا	گھیردار دامن کا لباس جسے بیگمات اور امرا اپنے لباس کے اوپر پہنتے تھے۔ پھر اسے گانے والی عورتیں استعمال کرنے لگیں، اسے پشواز بھی کہتے ہیں۔
پیشہ ور	پیشے سے متعلق	ان معنوں کے علاوہ کنایتہً بازاری عورت کو بھی کہتے ہیں۔
پیوند	تعلق، رشتہ، پیوند کردن، شادی کرنا	قلم لگانے اور رشتہ قائم کرنے کے معنوں

فارسی لفظ	معنی از روئے اصل	اردو معنی
	قلم لگانا، جوڑ (JOINT) جیسے پیوندِ دست کلائی	کے علاوہ، تھگلی (PATCH) کے معنوں میں کثیر الاستعمال، یہ لفظ فارسی میں کپڑوں میں جوڑ کے معنوں میں نہیں ملا، اردو میں پیوندی مونچھیں ان حلقہ نما مونچھوں کو کہا جاتا ہے، جنھیں بانکے گالوں سے چپکا لیتے تھے۔
تخم	(۱) بیج (۲) انڈا	صرف پہلے معنوں میں، استعارۃً بوند نطفے کو بھی کہتے ہیں۔ ان معنوں میں تخم
تراشہ	چھلا ہوا	آج کل کٹنگ (CUTTING) کے معنوں میں عام استعمال میں
جگری	متعلق بہ جگر، قرمزی رنگ	سچا کے معنوں میں بھی جیسے جگری دوست
جوان	معنی معروف	معنی معروف کے علاوہ فوج کا سپاہی
چابک	تیز رفتار، پھرتیلا، چابک دست چابک سخن، چابک قدم (تیز رفتار گھوڑا) جاکی JOCKEY کو "چابک سوار" کہتے ہیں۔ صرف فرہنگ آنند راج میں یہ بھی لکھا ہے: "بمعنی تازیانہ نیز آمدہ"	صرف تازیانہ کے معنوں میں، مرکبات چابکدست اور چابکدستی اردو میں مستعمل ہیں
چاشنی	(چشیدن = چکھنا سے) اندکی از طعام و شراب کہ برای تمیز کردن	شربت کا تار۔ شیرہ

فارسی لفظ	معنی از روئے اصل	اردو معنی
	بچشند بمعنی صفت مزہ ازیں جہت است کہ اندکی ازاں در شخص باشد چنانکہ گویند فلاں را چاشنی علم ست یعنی قدری از علم آموختہ بہارِ عجم	
چالاک[1]	پھرتیلا	اپنی غرض میں ہوشیار۔ مکار
چراغاں[2]	(۱) نوعی از تعذیب کہ سرگنہ گاراں را چند جا زخم زدہ در غور ہر زخم یک فتیلہ افروختہ می گزارند دایں رسمِ ایران ست در ہندوستان نیست (۲) چراغاں کردن یہ روشنی کرنا	صرف دوسرے معنوں میں
چرخہ	دور (ROTATION) دھاگے کی ریل، فارسی میں "دوچرخہ" بائیسکل کو کہتے ہیں	سوت کاتنے کا آلہ
چغل	معنی گزر چکے	—
چلہ	چالیس دن کا عرصہ، چالیس دن کا عمل، کمان کی تانت	چالیسویں دن زچہ کا نہانا، اسے دکن میں "چھلہ" کہتے ہیں

[1] شوکت سبزواری نے "چالاک" کو ہندی لفظ سمجھ کر اس میں سنسکرت لاحقہ "اک" کی نشاندہی کی ہے چال + اک = چالاک" اردو زبان کا ارتقا دہلی ایڈیشن ۱۹۰

[2] فرہنگ اندراج۔

فارسی لفظ	معنی از روئے اصل	اردو معنی
چمن [1]	معنی گزر چکے (مزید وضاحت کے لیے دیکھیے تحتی حاشیہ)	
چوبدار	گڈریا (جس کے ہاتھ میں لکڑی ہوتی ہے)	شاہی دربار کا نقیب (ممکن ہے ہندوستانی فارسی سے ماخوذ ہو)
خانگی	گھریلو	اس کے علاوہ پوشیدہ طور پر پیشہ کرنے والی پردہ نشین عورت (بنتِ خانگی)
خردہ	ٹکڑا خردہ بینی = عیب جوئی	ریزگاری۔ نوٹ: جس آلے کو اردو میں خردبین (اردو املا خوردبین) کہتے ہیں اسے فارسی میں 'ذرہ بین' کہا جاتا ہے۔
خس	کوڑا کرکٹ، سوکھی گھاس	ان معنوں کے علاوہ ایک خاص قسم کی خوشبودار گھاس
خستہ	(۱) زخمی (۲) تھکا ماندہ	دوسرے معنی کے علاوہ 'بھُربھُرا' جیسے خستہ بسکٹ
خشک	سوکھا	اس کے علاوہ ملازم کی تنخواہ جو اس کے کھانے پینے کی ذمہ داری لیے بغیر طے کی جائے۔
خشکہ	مقررہ نقد رقم - فولاد	ابلے ہوئے چاول
خفا	فارسی میں خفہ = گھٹن سے خفہ = جس سے دم گھٹتا ہو	ناراض (فارسی میں اس لفظ کا املا الف سے نہیں ہے۔ ممکن ہے ہندوستانی

[1] "نشست گاہ میانِ باغ کہ پیرامون آن درختان نشانند و درمیانش سہ برگہ دگلہا کارند" فرہنگ رشیدی

فارسی لفظ	معنی از روئے اصل	اردو معنی
	آگ بجھانے والے آلے کو دخفہ کن کہتے ہیں۔	فارسی ہو)
خواب	نیند (۲) جو خیالات نیند میں نظر آئیں۔	بول چال میں صرف دوسرے معنی
خودداری	ضبطِ نفس، کسی چیز سے پرہیز کرنا	اپنی عزت کا خیال، وضعداری
خوش	(۱) اچھا، عام صفت ہے جیسے خوش شکل، خوش ذائقہ (۲) شاد	بول چال میں صرف دوسرے معنی
خیرہ	(۱) گستاخ = جیسے خیرہ چشم (۲) خیرہ کردن (۳) خیرہ شدن = آنکھوں کا چندھیانا	بول چال میں صرف دوسرے معنی
داد	عدل وانصاف، خوشی سے چلّانا	عدل وانصاف - دہائی، کسی شخص کی واہ واہ، سبحان اللہ وغیرہ کہہ کر تعریف کرنا۔ جیسے مشاعروں کی داد، ایک قسم کی خارش۔
دارو	دوا	ان معنوں کے علاوہ شراب ع پلا مجھ کو دارو کوئی تیز و تند
داغ	جلنے کا نشان، زخم، جدائی کا صدمہ	ہر قسم کا دھبہ، جس میں جلنے کا نشان بھی شامل ہے (توسیع معنی) جدائی کا صدمہ بھی، 'داغی' سزا یافتہ کو کہتے ہیں۔
داماد	شوہر، بیٹی کا شوہر	صرف دوسرے معنوں میں
دانہ	اناج - عدد ظاہر کرنے کے لیے	صرف اناج کے معنوں میں

فارسی لفظ	معنی از روئے اصل	اردو معنی
	جیسے دردانہ سیب	دانہ ڈالنا = لالچ دینا
درگاہ	دہلیز، عدالت گاہ، محل	مقبرہ
دریا	بحر، بڑی ندی	صرف دوسرے معنوں میں
دروازہ	شہر کا دروازہ	عام دروازہ)
دست	معنی گزر چکے	
دستخط	تحریر (HAND WRITING) مسودہ دستخطی = ہاتھ کا لکھا ہوا کسی بڑے آدمی کی تحریر	صرف اِمضاء (SIGNATURE) کے معنوں میں
دستک	ہاتھ سے تالی بجا کر اشارہ کرنا کاغذ کا پیڈ جو ساتھ رکھتے ہیں جس میں دن بھر کا حساب ہوتا ہے۔ خان آرزو لکھتے ہیں: "نیز کاغذ مشہور و بدین معنی در ہندوستان نیز رواج دارد"۔	صرف دروازہ کھٹکھٹانے کے معنوں میں
دستکاری	مرمت کے چھوٹے موٹے کام	ہاتھ کی صنعت جیسے فارسی میں "صنعتِ دستی" کہتے ہیں۔
دستگاہ	(۱) قابلیت (۲) ادارہ (۳) آلہ	صرف پہلے معنوں میں
دستگیر	معنی دیے جا چکے	
دستور	ہدایت، قاعدہ، آئین جیسے دستور زبان (قواعد) دستورِ جلسہ (ایجنڈا)	آئین (CONSTITUTION) کے معنوں میں جیسے دستورِ ہند، رواج اور

فارسی لفظ	معنی از روئے اصل	اردو معنی
دفتی	اصل لفظ دفتین یہ خوشنویسوں اور نقاشوں کا مقوی جس میں کاغذات رکھتے ہیں	اور طریقے کے معنوں میں کثیر الاستعمال کتاب کا پٹھا جو چند کاغذوں کو چپکا کر بناتے ہیں۔
دم	سانس (۲) دھار جیسے دمِ شمشیر (۳) وقت جیسے دمِ صبح	اس کے علاوہ، دم بمعنی قوت، دم دینا عاشق ہونا، دھمکانا، دھوکا دینا، دم نکلنا یہ جان نکلنا اور ایسے کئی محاورے اردو میں بن گئے۔
دیدہ	(۱) دیکھا ہوا (۲) آنکھ کے معنوں میں	آنکھ کے معنوں میں۔ لیکن صرف خاص محاوروں اور مخصوص سیاق و سباق میں مستعمل جیسے دیدے کی صفائی، دیدے پھاڑ کر دیکھنا، دیدہ ہوائی، دیدہ دلیری دیدے کا پانی مرنا، دیدے مٹکانا وغیرہ
دیوان	کچہری۔ دیوان عالی کشور یہ سپریم کورٹ، حساب کی کتاب، یہ لفظ جب عربی میں پہنچا تو اشعار کے مجموعے کے لیے استعمال ہونے لگا اور فارسی میں باز مستعار کی حیثیت سے انھیں معنوں میں استعمال ہونے لگا۔	دیوان بمعنی غزلوں کا مجموعہ، وزیر مالیات کے معنوں میں بھی اور لفظ 'دیوان خانہ' جو اہل دفتر کے بیٹھنے کا مقام تھا۔ 'ملاقاتی کمرہ' بن گیا۔

فارسی لفظ	بمعنی از روئے اصل	اردو معنیٰ
رده	عام چیزوں کی صف	صرف اینٹوں کی قطار، اردو میں ان معنوں میں ردّہ ہے۔ اس سے ردّہ جمانا
رُخ	چہرہ، گال نوٹ: شطرنج کے ایک مہرے کے نام کی حیثیت سے "رخ" عربی ہے جو سنسکرت رتھ کا معرب ہے	چہرہ اور سمت بھی
رستہ	دُکانوں کی صف جیسے دو رستہ دُکانیں، مجازاً بازار	راہ کے معنوں میں "راستہ" بھی کہتے ہیں۔
رشتہ	معنی گزر چکے۔ نوٹ: فارسی میں رشتہ یا رشتہ دار بمعنی قرابت یا قرابت دار مستعمل نہیں۔	
رفتار	چال، برتاؤ، رفتار کردن = پیش آنا، درست رفتار کردن = اچھی طرح پیش آنا	ان معنوں کے علاوہ مشہور معنی SPEED فارسی میں ان معنوں میں سرعت یا تندی کہتے ہیں۔
رنج	تکلیف	غم، افسوس
رنجور	بیمار	افسردہ
رُو	(۱) چہرہ (۲) حرف جار بمعنی اوپر۔ روی میز ست = میز کے اوپر ہے (۳) از رو = لحاظ سے	صرف پہلے اور تیسرے معنوں میں
روزگار	زمانہ، دنیا	ان معنوں کے علاوہ دھندا، بے روزگار = بیکار

فارسی لفظ	معنی از روئے اصل	اردو معنی
ریشہ دوانی	درخت کی جڑوں کا زمین میں دور تک پھیل جانا، مجازاً دلوں پر اثر کرنا جیسے بقول حالی ع وہ اشعار کی دل میں ریشہ دوانی	مکر و فریب کا جال پھیلانا
زر	(۱) سونا (۲) دولت (۳) سونے کا تار	صرف پہلے اور تیسرے معنوں میں، تیسرے معنوں میں زری بھی کہتے ہیں۔
زردہ	انڈے کی زردی	خوردنی تمباکو، مزعفر،
سازش	معنی گزر چکے	فارسی میں ان معنوں میں طوطیہ
سبزی	ترکاری	ان معنوں کے علاوہ بھنگ ع لگے سبزیاں پینے آپس میں مل
سرخی	لالی	معنی دیے جا چکے مزید معنی: (۱) کُٹی ہوئی اینٹیں، نیم پختہ اینٹ کی راکھ ع سرخی روشوں پر وہ کُٹی تھی گویا جدول کھنچی ہوئی تھی
سرشار	لبریز بقول غالب "لسانِ فارسی میں سرشار صفت ہے پیالے کی، معنی اس کے لبریز جیسے جام سرشار"[1]	مست

[1] ادبی خطوط غالب ص ۱۱۶-۱۱۵

فارسی لفظ	معنی از روئے اصل	اردو معنی
سست	ڈھیما، کمزور، ڈھیلا جیسے سست بنیاد، سست پیماں، سست رائے، سستی کردن، کاہلی کرنے کے معنوں میں بھی	کاہل، مضمحل، کم شہوت (سستی باہ یا مردی) سست رفتار میں ڈھیمے پن کا مفہوم قائم ہے۔
سفیدہ	انڈے کی سفیدی	ایک قسم کا سفوف، ایک قسم کا خربوزہ بھی
سیپارہ	معنی گزر چکے	
سیم	(۱) چاندی (۲) تار	صرف پہلے معنی
شاخ	ٹہنی، برانچ، سینگ	پہلے دو معنوں کے علاوہ (۱) ایک قسم کا پکوان جو میدے کی خمیر اور شکر ملا کر شاخ درخت کی صورت بناتے ہیں اور گھی میں تلتے ہیں۔ (۲) ایک قسم کا بارود رکھنے کا ظرف جس کو کمر میں باندھتے ہیں۔ (نور اللغات)
شادی	معنی دیے جا چکے	
شادیانہ	وہ نقد یا جنس، جو خوشخبری پہنچانے والے کو دیں 'مژدگانی'	وہ باجا جو شادی یا کسی اور خوشی کے موقع پر بجایا جائے۔
شاگرد پیشہ	شاگرد کے ایک معنی ملازم کے بھی ہیں مولف غیاث اللغات اسے شاہ + گرد (بادشاہ کے اردگرد	ادنیٰ ملازموں کے لیے بنائے ہوئے وہ مکانات جو کسی محل کوٹھی یا بنگلے کے قریب ہوں۔

فارسی لفظ	معنی از روئے اصل	اردو معنی
	رہنے والا سے مرکب بناتے ہیں عملہ (ہندوستانی فارسی میں بھی یہی معنی)	
شاہ	(۱) بڑا (۲) بادشاہ	دوسرے معنی کے علاوہ بزرگوں اور درویشوں کو "شاہ صاحب" کہتے ہیں۔
شبنم	اوس	ان معنوں کے علاوہ ایک قسم کا کپڑا
شور	جوش، اضطراب، دلم شور میکند، میں بے قرار ہوں، اسی سے شوریدہ سر، شور انداختن۔ ہنگامہ پیدا کرنا	صرف بلند آواز۔ بلند آواز کو فارسی میں شلوق یا صدا کردن کہتے ہیں، شہرت کے معنوں میں بھی ع بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
شوشہ	سنگِ قبر	(۱) وہ علامت جو شہدا کے قبروں پر بناتے ہیں (۲) دندانہ جو بعض حروف کے سرے پر ہوتا ہے۔ جیسے شین کا شوشہ (۳) فتنہ انگیز بات، شوشہ چھوڑنا، شوشہ اٹھانا
فرہنگ	ثقافت، عقل، لغت	صرف تیسرے معنوں میں
قلندر	سیلانی، درویش	ریچھ اور بندر نچانے والے کو بھی کہتے ہیں۔
کارچوب	وہ لکڑیاں یا اوزار جس پر تانا پھیلا کر بنتے ہیں	ایک قسم کی کشیدہ کاری جو لکڑی کے چوکھٹے پر پھیلا کر کاڑھیں، زردوزی کا کام

فارسی لفظ	معنی از روئے اصل	اردو معنی
کارِ خیر	نیک کام	کنایہ، لڑکی کی شادی سے، لڑکے کی شادی کو کتخدائی کہتے ہیں
کتخدا	اصل لفظ کدخدا: گاؤں کا زمیندار، گھر کی مالکن کو کدبانو کہتے ہیں۔	دولھا
کرشمہ	ناز و انداز، آنکھ اور ابروؤں کے ذریعہ اشارے کرنا	عجیب یا انوکھی بات، کرامت
کشتی	ناؤ، شراب پینے کی ایک قسم کی پیالی	ان معنوں کے علاوہ (۱) سر میں تیل ڈالنے کی پیالی، ع کشتی میں کپّی تیل کی انا انڈیل ڈال (۲) لکڑی کا مستطیل تختہ جو پیالے یا پوشاک رکھنے کے لیے بنایا جاتا ہے۔ ٹرے (۳) کاسہ گدائی نور اللغات
کلہ	سر	مشدّد، جبڑا۔ پان کلّے میں دبائے ہوئے، کلّے دراز: زبان دراز، کلّے تلے دبالینا، اپنی آواز سے دوسروں کو بات کرنے نہ دینا۔ نور اللغات دکھنی میں شور کو کلّا کہتے ہیں۔
کلال	اصل لفظ کُلال: کوزہ و بزبانِ اہلِ ہند کوزہ گر را ہمیں نام خوانند	اردو میں اک رکے بعد الف ہے ہندوؤں کا ایک فرقہ جس کا پیشہ شراب فروشی ہے،

فارسی لفظ	معنی از روئے اصل	اردو معنی
	(لغات کچری تحتی حاشیہ صفحہ ۱۱۴)	عام شراب فروش کے معنوں میں بھی۔ شراب خانہ کو کلال خانہ بھی کہتے ہیں۔
کمری	گھوڑے کا عیب۔ وہ گھوڑا جو کبڑا کر چلے، وہ اسلحہ جیسے کمر سے باندھا جائے۔	ایک قسم کی کرتی
کوفت	(۱) ذہنی تکلیف (۲) آتشک	صرف پہلے معنوں میں
گچ	(۱) سفیدی کی ایک قسم جو پلاستر میں استعمال ہوتی ہے (۲) کھریا	پکا فرش، پکی چھت، اسے گچی بھی کہتے ہیں۔ گاڑھی چیز جو دیر ہضم ہو، میدے کی روٹی پیٹ میں گچ ہوتی ہے (نور اللغات)
گداز	نرم کا امر جس کے معنی ہیں پگھلانا جیسے دلگداز زہرہ گداز	نرم ملائم بھرا بھرا جیسے گداز بانہیں
گردش	(۱) گھومنا (۲) سیر جیسے گردش رفتم گردشگاہ، سیرگاہ، پارک	مصیبت کے معنوں میں "وہ گردش میں گرفتار ہے"۔ "اس کا ستارہ گردش میں ہے"۔
گزارش	حساب رپورٹ وغیرہ کا پیش کرنا	درخواست
گزارہ	گزارش	گزر اوقات۔ اس کا گزارہ سوکھی روٹی پر ہے۔
گزری	مسافر	وہ مقام جہاں کسی راہ کے کنارے شام

فارسی لفظ	معنی از رُوئے اصل	اردو معنی
		کو سودا بیچنے والے آکر بیٹھتے ہیں
گل	(۱) گلاب کا پھول (۲) عام پھول (۳) وہ نشان جو دھات گرم کر کے جسم پر دیتے ہیں۔	پھول کے علاوہ (۱) بتی کا جلا ہوا سرا (۲) حقّے کا جلا ہوا تمباکو (۳) وہ سفید دھبہ جو آنکھوں میں پڑ جاتا ہے اسے 'پھول' بھی کہتے ہیں۔ (۴) وہ چونے کا نشان جو آشوب چشم کے مریض کی کنپٹی پر لگاتے ہیں۔ (۵) وہ مصنوعی پھول جو جوتوں پر لگاتے ہیں۔ (۶) وہ چمڑا جو جوتی میں ایڑی کے مقام پر لگا ہوتا ہے۔ نور اللغات
گلزار	باغ	باغ کے علاوہ 'پر رونق' کے معنوں میں "بھولا کا گاؤں تھا تو چھوٹا مگر گلزار" سموُدان صـ ۳۸
گنج	خزانہ	اناج کی منڈی، گنجاین
لاش	جدید فارسی میں مردہ جانور مردہ جانور کا گوشت	انسان کا مردہ جسم' اسے جدید فارسی میں نعش کہتے ہیں جو عربی لفظ ہے۔ اور جنازے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ فارسی میں گدھ کو 'لاش خور' اور مردہ گاڑی کو 'نعش کش' کہتے ہیں۔
لنگر	(۱) وزنی لوہا جو جہاز روکنے کے	ان دونوں معنوں کے علاوہ دیہاتوں کا

فارسی لفظ	معنی از روئے اصل	اردو معنی
	کام آتا ہے۔ وہ جگہ جہاں غریبوں اور محتاجوں کو کھانا تقسیم ہو	لنگوٹ (۲) مجرموں کے پاؤں کی زنجیر (۳) دھاگے میں بندھا ہوا پتھر جس سے بچے کھیلتے ہیں۔
مردار	لاش	مریل، نکما، بدکار
مشت زن	باکسنگ کرنے والا	اردو میں مشت زنی جلق لگانے کو بھی کہتے ہیں۔
میانہ	درمیان	ایک قسم کی پالکی (میانی) وہ کپڑا جس کو پاجامے کے پائنچوں کے بیچ میں سی دیتے ہیں۔
مہتاب	چاندنی، چاند کے معنوں میں بھی مستعمل، لیکن بقول خان آرزو "اطلاق آن بر ماہ درست نماشد مگر آمدہ"	چاند
ناخوشی	بیماری	ناراضگی
ناشتہ	معنی دیے جا چکے	—
نان	روٹی	تندور کی پکی ہوئی خمیری روٹی (نان پاؤ) ڈبل روٹی کو کہتے ہیں۔
نفر	معنی دیے جا چکے	
نوار	آن ریسمانِ بافتہ کہ بآن خر و ستور را پشت وشکم بندند	پلنگ بننے کا موٹا اور چوڑا فیتہ اسے (نواڑ) بھی کہتے ہیں۔

فارسی لفظ	معنی از روئے اصل	اردو معنی
نیاز	عاجزی، خدا کے سامنے گڑگڑا کر مدد مانگنا، خاکساری جتانا	وہ کھانا جو ایصالِ ثواب کے لیے کھلایا جائے جیسے "گیارہویں شریف کی نیاز" نیاز حاصل کرنا۔ کسی کا اپنے سے بڑے سے ملاقات کرنا۔
نیک	فارسی میں بطورِ متعلق فعل بھی مستعمل ہے۔	صرف بطور صفت
ہفتہ	سات دنوں کا مجموعہ	ان معنوں کے علاوہ سنیچر کو بھی "ہفتہ" کہتے ہیں۔

اردو نے فارسی دخیل الفاظ میں صرف معنوی تغیرات ہی نہیں کیے بلکہ اپنی لفظ سازی کی حیرت انگیز صلاحیت کا ثبوت دیتے ہوئے ایسے الفاظ بھی وضع کیے جو فارسی سے مستعار تو ہیں لیکن فارسی میں ان معنوں میں مستعمل نہیں۔ چند الفاظ بطور مثال درج ذیل ہیں: آتش بازی، بی شادی، پرستان، پرُسہ، پری خواں (پری کا اثر اتارنے والا" عامل) پسندیدہ، تابدان، تالاب، چپراسی، چراغ پا (گھوڑے کا پچھلے پاؤں پر کھڑا ہونا، غصہ ہونا) چندہ، خاکہ (اسی طرح خاکہ نگاری) خام پارہ (پھوہڑ عورت) خنجری (خنجر نما تلوار)، ڈفلی، کمارکی سی بناوٹ والا کپڑا) خنگا (فارسی میں خنگ، ایک قسم کا گھوڑا، اردو میں موٹا تازہ جوان) دار و مدار (فارسی میں صرف مدار) داغ بیل (وہ نشان جو سڑک یا روش کھودنے کے لیے پھاوڑے سے ڈالتے ہیں) دامنی (عورت کے جنازے پر ڈالنے کی چادر) دمہ (دم سے، فارسی میں تنگ نفس اور عربی میں ضیق النفس) دیوانی (مقدمہ) ریزگاری، روشندان، روشن دماغ (نسوار کے لیے) شرابور (بشور بود)؛

شمشو شمشو کرنا، دال دھو کر اس سے کنکر الگ کرنا، جو غالباً سنگ شوئی کی بدلی ہوئی شکل ہے)، شہانہ (ہندوستانی فارسی میں دولھا کو شاہ یا نوشہ کہتے ہیں۔ اسی سے شہانہ وقت (برات چڑھنے کا وقت)، شہانی چوڑیاں، شہانی مہندی وغیرہ ہے)، فوجداری (مقدمہ)، کارستانی، کناری (پتلا گوٹا جو عورتیں دوپٹوں کے کناروں پر لگاتی ہیں۔) کشیدہ کاری، گرہ باز (ایک قسم کا کبوتر جو اڑتے ہوئے قلابازیاں کھاتا ہے۔ گزی (ایک قسم کا موٹا کپڑا) لبیں (لب کی جمع یعنی مونچھیں لبیں کترنا)، بالزادی، مرداری (چھپکلی)، میرزائی (ایک قسم کا واسکوٹ) وغیرہ

یہ الفاظ ایرانی فارسی میں ڈھونڈے سے نہیں ملیں گے۔ اسی طرح مفرس عربی الفاظ جیسے خط، لفافہ وغیرہ اگر ہم ان الفاظ کے جوڑ بند کھول کر دیکھیں تو وہ عربی یا فارسی الاصل ہی نکلیں گے۔

اس سے تصرف کے میدان میں اردو کی حیرت انگیز صلاحیتوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(تمت بالخیر)

تصانیف
نام کتاب .... موضوع
(۱) تکریچا .... لسانیات تنقید
(۲) لسانیاتی جائزے .... لسانیات
(۳) وجدان .... جمالیات
(۴) ادبی تنقید .... ترجمہ
(۵) قلب ماہیت .... کافکا کے ناولٹ کا ترجمہ
(۶) نئی اردو قواعد .... قواعد، لسانیات کی روشنی میں
زیر اشاعت — (۱) انکشافات (۲) گلبانگ خیام